مخزنِ چشت

فارسی تصنیف

خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۷۷ھ

مکمل اُردو ترجمہ

۱۴۰۹ھ

چشتیہ اکادمی

فیصل آباد۔ پاکستان

سلسلہ عالیہ چشتیہ

مخزنِ چشت

تالیف

خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

مکمل اردو ترجمہ

حسبِ ارشاد

حضرت میاں نور جہانیاں صاحب محمودی مہاروی دامت برکاتہٗ

سجادہ نشین آستانہ معلّٰی چشتیاں شریف

ترتیب

پروفیسر افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی

چشتیہ اکادمی فیصل آباد۔ پاکستان

ناشر ——— چشتیہ اکادمی فیصل آباد
کاتب ——— الجاوید کتابت سنٹر فیصل آباد
طابع ——— یونا پرنٹنگ پریس فیصل آباد
سالِ اشاعت ——— ۱۴۰۹ھ (= ۱۹۸۹ء)
صفحات ——— ۴۶۴
تعداد ——— پانچ سو (۵۰۰)
قیمت ——— /- روپے

بسعیٔ اہتمام:

میاں اقبال چشتی کراچی، میاں ظفر زمان چشتی لندن

واحد تقسیم کار

ھارون احمد چشتی، مینجر مکتبہ الفوائد فرحت منزل
چنیوٹ بازار۔ فیصل آباد۔ پاکستان
(ٹیلی فون نمبر۔ ۲۸۸۵۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

سنو! بے شک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾

یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ

انہیں کے لئے دنیوی زندگی اور آخرت میں خوشخبری ہے۔

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾

اللہ تعالیٰ کی باتیں نہیں بدلتیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

(یونس: ۶۲ تا ۶۴)

انتساب

بنام

قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین

مخدومی و مرشدی

حضرت خواجہ

میاں نور جہانیاں صاحب محمودی مہاروی مدظلہ العالی

سجادہ نشین درگاہِ معلّٰی چشتیاں شریف

اگر سیاہ دلم داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم، گلِ بہارِ توام

آستانۂ معلّٰی
چشتیاں شریف
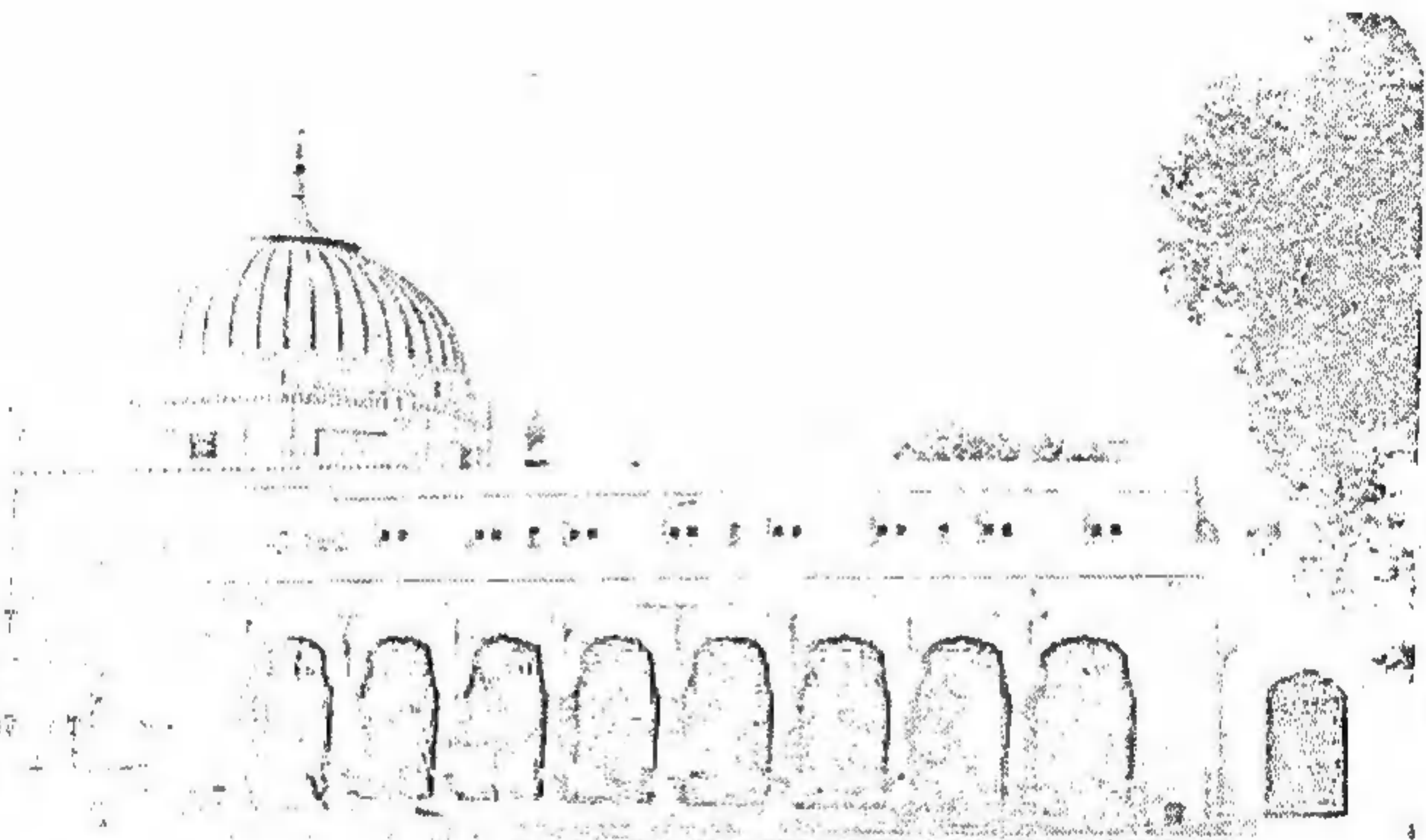
الٰہی تا بہ ابد آستانِ یار رہے
یہ آسرا ہے غریبوں کا برقرار رہے

دُعائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب مستطاب "مخزنِ چشت" کا نسخہ کریمہ ہمارے خاندانی تبرکات میں ایک عرصے محفوظ چلا آرہا تھا۔ فقیر نے جب اس کا مطالعہ کیا تو اس کو اہلِ دانش و تحقیق کے فوائد کے حصول کی خاطر ان کی دسترس میں پہنچانے کیلئے سوچتا رہا۔ ممکن تھا کہ ہمت باندھ کر "گلشن ابرار" کی طرح اس کے اردو ترجمہ کا آغاز خود کرتا مگر خرابی صحت اور بالخصوص ضعفِ دماغ کی بنا پر ایسا نہ کر سکا۔ بالآخر اس کارِ خیر کی مسئولیت محبی پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی سلیمانی کے کندھوں پر ڈالی گئی۔ اب ان کا ترجمہ دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی کہ واقعۃً "حق بہ حقدار رسید"۔

"مخزنِ چشت" کے مطالعہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب تصوف صرف خواجگانِ چشتیہ کا تذکرہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ تالیفِ لطیف آداب و اخلاقِ چشتیہ کا بالعموم اور "سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ" کا بالخصوص مرقع و سرچشمہ ہے۔ اس گرانقدر تصنیف میں عشق و عرفانِ الٰہی اور اسرار و رموزِ ولایت و تصوف کے دریا بہہ رہے ہیں۔ در حقیقت یہ مجموعہ حالات و کراماتِ اسلاف و اولیاء پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ معرفتِ حقہ و آدابِ چشتیہ کا ایک پرفیض و بیش بہا خزینہ ہے۔ جسے فاضل مؤلف نے اپنے مشائخ و اکابر کے ارادت مندوں کی راہ نمائی کیلئے قلمبند کیا ہے۔ خواجہ امام بخش صاحب مہاروی نے اسے ثقہ اسناد اور قابلِ اعتماد حوالہ جات اور نامور صوفیاء و فضلا کی تالیفات و تصنیفات سے استنباط کر کے ترتیب دیا ہے۔

خواجہ امام بخش مہارویؒ رشتہ کے اعتبار سے قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے صاحبزادے خواجہ نور احمد مہارویؒ کے پوتے ہیں۔ اس نسلی و معنوی تعلق کے علاوہ بلاریب و بلامبالغہ آپ عالمِ بے مثال، فاضلِ جلیل اور صوفی کامل ہیں۔ ان کی اس کتابِ مفید میں ہر طرح کے آداب و اسرارِ عرفانی پوشیدہ ہیں۔ سیر و سلوک کے مبتدیان سے

لے کر اس بحرِ ذخّار کے شناوران تک کے لئے حقائق و معارف کے خزانے موجود ہیں لیکن ان خزانوں سے مستفید و مستفیض ہونے کے لئے اس نسخہ پاکیزہ و شجرہ طیبہ کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔

فقیر کی طرف سے سلسلۂ عالیہ وطریقۂ چشتیہ کے متوسلین ولواحقین کو تاکید کی جاتی ہے کہ وہ دیگر اوراد و وظائف کے علاوہ اس کتاب آدابِ چشتیہ یعنی "مخزنِ چشت" کو اپنے روزانہ اوراد و وظائف کا حصہ سمجھیں اور اسے اصلاحِ باطن و درستگیٔ روح کا ذریعہ بنائیں۔

ہر کرا جاوید باید جنت الماوی بہشت
ہر سحر با صدق خواند شجرۂ پیرانِ چشت

اس کتاب بابرکت کو عام کرنے اور اہل سلسلہ تک پہنچانے کیلئے محبی پروفیسر چشتی صاحب کا اردو ترجمہ اور تحقیقی کام واقعی قابلِ صد تحسین ہے۔ فقیر کی خدائے وحدہٗ لاشریک کے حضور دلی دعا ہے کہ وہ بزرگانِ چشت کے وسیلہ جلیلہ سے مخلص پروفیسر صاحب کے ذوقِ علمی اور جذبۂ تحقیق کو فروزاں فرمائے ان کے روحانی مراتب اور باطنی درجات میں مزید ترقی عطا فرمائے اور اس کارِ خیر کا اجرِ عظیم دنیا و آخرت میں مرحمت فرمائے۔

آمین ثم آمین

عالی جاہ ... محمودی
خاکروب آستانہ عالیہ قبلہ عالم

۲۴ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۶ھ
مطابق ۱۰-اکتوبر سنہ ۱۹۸۵ء

۷

قُدوۃُ السالکینُ، زُبدۃُ العارِفینُ

حضرت قبلہ میاں نورِ جہانیاں صاحب محمودیؒ مہاروی دامت برکاتہٗ

سجادہ نشین درگاہِ معلٰیؒ، چشتیاں شریف

حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب دامت برکاتہٗ کی ولادت با سعادت ۱۴ ذیقعد ۱۳۳۹ھ کو ہوئی آپ کا نام مبارک نورِ جہانیاں، والدِ گرامی کا اسم مبارک میاں محمود بخش صاحبؒ اور دادا جان کا اسم گرامی حضرت میاں محمدؐ یوسف صاحبؒ ہے۔

عمرِ مبارک چار سال چار ماہ اور چند دن کی ہوئی تو بسم اللہ شریف کرائی گئی ابتدائی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ سب سے پہلے کلام پاک حفظ کیا۔ پہلے سولہ پارے حافظ نبی بخش صاحب سے اور بقیہ پارے حافظ محمدؐ بخش صاحب سے حفظ کر کے تکمیل کلام پاک فرمائی۔

عربی، فارسی اور دیگر علومِ ظاہری کی تعلیم مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ فارسی کی ابتدائی تعلیم مہار شریف میں مولوی نور احمد صاحب سے اور مزید تعلیم مولانا محمدؐ نواز صاحب سے حاصل کی۔ صرف و نحو کی تعلیم بھی مولانا محمدؐ نواز صاحب سے حاصل کی مولانا محمد امیر صاحب کے ہاں شرح مُلّا، شرح وقایہ اور ہدایہ کی تکمیل کی۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور تفسیر مدارک التنزیل کی کتب بھی مولانا محمدؐ امیر صاحب سے پڑھیں۔

آپ کی بیعت ارادت حضرت خواجہ محمود تونسویؒ سے ہے۔ جو آستانہ عالیہ سلیمانیہ تونسہ شریف کے پہلے سجادہ نشین حضرت خواجہ شاہ اللہ بخش تونسویؒ کے

فرزندِ دلبند اور خلیفۂ مجاز تھے۔ اُنہیں سے آپ کو خلافت و اجازت بھی حاصل ہے۔ آپکو اپنے شیخ و مرشد کے ساتھ بے پناہ عقیدت ہے اور آپ ان کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں، علاوہ ازیں اپنے والدِ گرامی حضرت خواجہ میاں محمود بخش مہارویؒ سے بھی آپ کو سندِ خلافت و اجازت ملی ہوئی ہے۔ حضرت قبلۂ عالمؒ کی روحانی نعمت و دولت کے بھی آپ ہی وارث ہیں۔

والدِ گرامی حضرت میاں محمود بخش صاحب مہارویؒ کا وصال ۳ صفر ۱۳۷۷ھ کو ہوا تو آپ مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ کے آٹھویں سجادہ نشین ہیں۔ جو اپنے آباؤ اجداد اور مشائخ عظام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس مبارک فریضہ کو بخوبی سرانجام دے رہے ہیں۔

آپ کو حج و عمرہ و زیارت کا بے حد شوق ہے۔ متبرک مقامات اور اپنے مشائخ کے مزارات کی زیارت سے بھی قلبی لگاؤ ہے۔ آپ کو پہلا حج مبارک ادا کرنے کی سعادت ۱۹۵۱ء میں حاصل ہوئی۔ اس مبارک سفر میں حضرت خواجہ نظام الدین تونسویؒ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے دوسرا حج ۱۹۷۷ء میں کیا۔ اس دفعہ حضرت خواجہ خان محمد تونسویؒ سجادہ نشین تونسہ شریف آپ کے رفیقِ سفر تھے۔

عمرہ اور زیارت کی خاطر آپ نے متعدد بار حرمین شریفین کی حاضری کی سعادت حاصل کی ہے۔ آپ ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۷ء میں عمرہ و زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ آپ نے متعدد متبرک مقامات کی زیارت بھی حاصل کی ہے۔ آپ کو اپنے سلسلے کے مشائخ کرام کے مزارات کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہے۔ اس سلسلہ میں دہلی معلّٰی، اجمیر القدس، احمد آباد شریف، پیران پٹن شریف، اور اورنگ آباد شریف کی حاضری و زیارت کی سعادت بھی آپ کو حاصل ہے۔

مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہونے کے بعد آپ نے درگاہ معلّٰی چشتیاں شریف کی تعمیر و ترقی میں بہت دلچسپی لی۔ روضہ شریف کے اندرونی و بیرونی سنگ مرمر کی تجدید کا شرف بھی آپ کو حاصل ہے۔ درگاہِ معلّٰی کی متعدد دیگر تعمیرات بھی آپ ہی کی

زیرِ نگرانی مکمل ہوئی ہیں۔ درگاہ شریف کی مزید تعمیر و ترقی کے سلسلہ میں آپ کی ذات بابرکات ہمیشہ کوشاں رہتی ہے۔ زائرین اور مہمانوں کی رہائش، خوراک و آرام اور دیکھ بھال میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔

درگاہِ معلّیٰ حضرت قبلۂ عالمؒ اگرچہ کچھ عرصہ سے محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے، مگر تمام انتظامی اُمور میں بہتری کے لئے آپ ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں۔ انتظامی اُمور اور صفائی و پاکیزگی میں معمولی سی کمی بھی حضرتِ والا جاہ کی طبیعت پر بے حد اثر انداز ہوتی ہے۔ درگاہ شریف کے انتظامی اُمور میں آپ کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ آپ ہمہ وقت شب و روز درگاہ شریف میں قیام پذیر ہیں، اور کسی اہم ضرورت کے علاوہ درگاہِ معلّیٰ سے ذرا سا بھی دُور ہونا آپ کو گوارا نہیں ہے۔ فرمایا کرتے ہیں۔

؎ کرنا ہُوا ہے بیدم اسی خاکِ آستاں سے

آپ نمازِ پنجگانہ ہمیشہ درگاہ شریف کی جامع مسجد میں باجماعت ادا کرتے ہیں۔ دِن رات کا زیادہ سے زیادہ وقت درگاہ شریف میں اور اپنے بزرگوں کے مزاراتِ عالیہ پر حاضری میں گزارتے ہیں۔ درگاہ شریف میں تمام عرائس مبارک اور دیگر تقاریب اپنی زیرِ نگرانی حسن و خوبی سے منعقد کراتے ہیں۔ مدرسہ فخر الاسلام، درسِ قرآن و حدیث، ختمِ خواجگان اور لنگر شریف کے جملہ انتظامات پر آپ کی گہری نظر رہتی ہے۔ آپ کی زیرِ سرپرستی حضرت قبلہ عالمؒ کا سلسلۂ روحانی اور فیضانِ عام ہمہ وقت جاری ہے۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ بہشتیہ کی توسیع و اشاعت ہر دم آپ کے پیشِ نظر رہتی ہے۔ تعلیماتِ مشائخ چشت کو عام کرنے اور اُن نفوسِ قدسیہ کے ملفوظات کی اشاعت کے لئے ہمیشہ فکر مند رہتے ہیں۔ چند سال قبل آپ نے "گلشنِ ابرار" کا خود بھی ترجمہ کیا اور پھر اس کی تکمیل کرا کے اسے شائع کرایا۔ "مخزنِ چشت" کے اُردو ترجمہ میں بھی آپ نے گہری دلچسپی لی۔ اس کی تکمیل و اشاعت آپ ہی کے فیضانِ نظر کا نتیجہ ہے۔ آپ حضرت قبلہ عالمؒ کی مفصل سوانح حیات اور اُن کے ملفوظات کی اشاعت کی بھی

دلی آرزو رکھتے ہیں اور اس کے لئے کوشاں ہیں۔

آپ متقی و پرہیزگار اور عابد و زاہد بزرگ ہیں۔ سادگی و انکساری کا مرقع ہیں۔ علائقِ دُنیا سے بالکل کنارہ کش ہیں۔ فقیرانہ و درویشانہ روش رکھتے ہیں۔ محبت و شفقت اور آداب و تواضع کا پیکر ہیں۔ اپنے معمولات کے پابند ہیں اور شب و روز یادِ خدا میں مگن رہتے ہیں۔ غرضیکہ عصرِ حاضر میں آپ بھی اپنے آباؤ اجداد اور مشائخ کرام کا مثالی نمونہ ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے چھ فرزند عطا کئے ہیں۔ سب سے بڑے فرزند حضرت صاحبزادہ میاں غلام معین الدین صاحب دامت برکاتہٗ ہیں، جن کی ذاتِ گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ ہمہ صفت موصوف ہیں اور اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے کوشاں ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بطفیل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و حضرات خواجگان کرام حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب قبلہ دامت برکاتہٗ کا مبارک سایہ اہل سلسلہ پر تادیر قائم رکھے۔ آمین۔ ثم آمین۔

نورِ چشم قبلہ نورِ جہان انس و جاں
حبذا نورِ محمد در جبینِ تو عیاں

حضرت خواجہ امام بخش صاحب مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

مؤلف "مخزنِ چشت"

حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کے والدِ ماجد کا نام حضرت خواجہ حافظ غلام فرید صاحبؒ اور اُن کے والدِ محترم کا اسمِ گرامی حضرت خواجہ نور احمد صاحبؒ تھا، جو قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے فرزندِ ثانی اور دوسرے سجادہ نشین تھے۔

حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کی ولادت ۱۲۴۲ھ میں جمعۃ المبارک کے دن صبح کے وقت ہوئی۔ "زہے بخت ورزاد" سے آپ کی تاریخِ ولادت نکلتی ہے۔ تین ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ بروز دوشنبہ حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ نے آپ کی رسمِ بسم اللہ ادا کی۔

حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کی بیعت بھی حضرت مولانا خواجہ خدا بخش صاحبؒ خیر پوری سے تھی، جو حضرت خواجہ حافظ محمد جمال صاحبؒ ملتانی کے خلیفۂ اعظم تھے۔ حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کے والدِ محترم جناب حافظ غلام فرید صاحبؒ کی بیعت بھی حضرت خواجہ حافظ محمد جمال صاحبؒ سے تھی اور حضرتِ ملتانیؒ نے آپ کو (خواجہ غلام فرید صاحبؒ) اپنا متبنّیٰ بنایا تھا۔

حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ اپنے خاندان میں بہت بڑے صاحبِ علم وفضل بزرگ تھے۔ آپ کی پانچ تالیفات وتصانیف ہیں۔

۱۔ گلشنِ ابرار (طبع شدہ) ۲۔ مخزنِ چشت (قلمی)
۳۔ مکتوبات (غیر مطبوعہ) ۴۔ پنج گنج (غیر مطبوعہ)
۵۔ دیوانِ عاجزؔ (مطبوعہ)

منقول ہے کہ جب پہلی مرتبہ حضرتِ کریم خواجہ شاہ اللہ بخش صاحب تونسویؒ دہلی تشریف فرما ہوئے تو اُن دنوں مُغلیہ خاندان کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی حکومت تھی۔ بہادر شاہ ظفر نے حضرت کریمؒ کی دعوت کی، اپنے ہاں شاہی قلعہ میں مہمان ٹھہرایا۔ حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ بھی ہمراہ تھے۔ اثنائے گفتگو بہادر شاہ ظفر نے حضرت کریمؒ سے دریافت فرمایا کہ حضرت پنجابی صاحبؒ (حضرت قبلۂ عالمؒ) کی اولاد سے بھی کوئی ہیں؟ تو حضرتِ کریمؒ نے خواجہ امام بخش صاحبؒ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھی اُن کی اولاد ہیں۔

حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کی ایک غزل بہادر شاہ ظفر کے رُوبرو خوش الحانی سے پڑھی گئی، جس کو سُن کر بادشاہ پر گریہ طاری ہوگیا، کافی دیر تک روتا رہا۔ بعد میں اس بات پر بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ حضرت پنجابیؒ (حضرت قبلۂ عالمؒ) کی اولاد میں ابھی تک روشنی موجود ہے"۔

حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کا وصال ۲۰ صفر ۱۳۰۰ھ کو ہوا۔ اندرون درگاہِ معلّیٰ چشتیاں شریف حضرت قبلۂ عالمؒ کے روضہ شریف کے متصل مغربی جانب اپنے والد محترمؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔[۱]

---

[۱] مصنفؒ کی مکمل خود نوشت سوانح حیات 'مخزنِ چشت'، صفحہ ۴۵۲ تا ۴۶۱ میں موجود ہے، اس لئے یہاں مختصر دی گئی ہے۔ (مرتب)

دیباچہ

از پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
نحمدہٗ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم ط

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نعمت فقر صاحب ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ تک اور اُن سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ تک پہنچی۔ مگر خواجہ حسن بصریؒ سے یہ نعمت کس طرح چشت شریف (افغانستان) اور پھر وہاں سے چشتیاں شریف (پاکستان) منتقل ہوئی، یہ ایک طویل اور دلنشیں داستان ہے۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتیؒ کو خلافت عطا کرتے وقت فرمایا "آج سے لوگ تجھے اور ہر اس شخص کو جو قیامت تک تیرے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوگا چشتی کہہ کر پکاریں گے"۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے بانی خواجۂ بزرگ، غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اجمیر شریف کو مرکز بنا کر تبلیغِ دین اور توسیعِ سلسلہ کا ایسا گرانقدر کارنامہ انجام دیا، جو تاریخِ اسلام کا ایک سنہری باب ہے۔ پاکستان میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی کوششوں سے اس سلسلۂ عالیہ کو فروغ حاصل ہوا۔ آپ کے ایک پوتے حضرت بابا تاج الدین سرور شہیدؒ نے پاکپتن شریف سے تیس کوس جنوب میں بستی تاج سرور یا بستی چشتیاں آباد کی جن کی ساری زندگی تبلیغِ اسلام کیلئے وقف تھی۔ اسی مقصد کے حصول میں کفار و مشرکین سے جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ وہیں مزار مبارک بنا، جو آج تک مرجعِ خواص و عوام ہے۔

یہ باطنی نعمت حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

محبوب الٰہیؒ تک اور پھر ان سے سلسلہ بہ سلسلہ جناب محب النبی حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ تک پہنچی، جنہیں صاحب تاریخ مشائخ چشت نے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کا مجدد لکھا ہے۔

آپ کے دو جید خلفاء حضرت شاہ نیاز احمد بریلویؒ نے یو۔ پی (بھارت) میں اور قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے ضلع بہاولنگر (پاکستان) میں تبلیغ اسلام اور اصلاح و تربیت کے عظیم مراکز قائم کئے۔ مؤخر الذکر مہار شریف کی تربیت گاہ سے تو ایک عالم نے فیض پایا۔ آپ کے خلفاء مجاز نے ملک کے گوشہ گوشہ میں ذیلی خانقاہیں قائم کیں، جن کی بدولت چشتیہ نظامیہ سلسلہ کا فیضان سارے ملک میں بلکہ افغانستان اور ایران تک جاری ہو گیا۔

قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؓ کی درگاہ معلیٰ کے موجودہ سجادہ نشین حضرت میاں نور جہانیاں صاحب محمودیؒ مہاروی مدظلہ العالی نے چند سال قبل حضرت قبلہ عالمؓ کے دو ملفوظات خاکسار کو ترجمہ کے لئے عطا فرمائے۔ ایک خواجہ امام بخش مہارویؒ کی تصنیف 'مخزن الچشت' اور دوسرا مولوی محمد کہلویؒ کی تالیف 'خیر الاذکار' ان میں سے اول الذکر کا ترجمہ پہلے کرنے کی تاکید فرمائی۔

حسب الارشاد میں نے 'مخزن چشت' کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ مگر یہ احساس ہوا کہ ترجمہ اس معیار کا نہیں ہو رہا ہے جس کی یہ بلند پایہ علمی تصنیف متقاضی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے دیرینہ رفیق پروفیسر محمد زبیر قریشی صاحب صدر شعبہ اسلامیات گورنمنٹ کالج شاہ پور سے درخواست کی کہ وہ اس کا ترجمہ کریں۔ پروفیسر صاحب نے بہت محنت و خلوص سے اس کا مکمل اردو ترجمہ کر دیا۔

اس ترجمہ پر پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد نے بھرپور نظر ثانی کی، جس سے اس کی لغوی و معنوی صورت نکھر کر سامنے آگئی انہوں نے اس کا ایک مفصل تعارف بھی لکھا۔ بعد ازاں اس ترجمہ کو حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ جناب حاجی صاحب 'مخزن چشت'، کے فاضل مصنفؒ کی اولاد میں ایک عالم و فاضل شخصیت ہیں۔ انہوں نے بکمال نوازش اس نظر ثانی شدہ ترجمہ کا اصل

فارسی نسخہ سے مقابلہ کر کے اصلاح فرمائی اور ترجمہ کو حتمی شکل دی۔
برادرِ طریقت پروفیسر ڈاکٹر عبدالمجید چشتی صاحب ڈین فیکلٹی زرعی یونیورسٹی فیصل آباد نے تلخیص و ترتیب کے سلسلہ میں اور محمد طارق ظہور چشتی صاحب نے طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں عملی تعاون کیا اور یوں اس فارسی تصنیف کا پہلا ملخص اُردو ترجمہ ایک سو تیس سال میں پہلی بار حضرات و احباب کی خدمت میں ۱۴۰۷ھ میں پیش ہوا۔

اُردو ترجمہ کے اس ملخص ایڈیشن کو حضرات و اہل علم نے پسند کیا مگر مخدومی حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب قبلہ و دیگر حضراتِ مہاروی نے فرمایا کہ اس کا مکمل اُردو ترجمہ جلد از جلد شائع ہونا چاہیئے۔ تلخیص سے تشنگی باقی رہتی ہے، مصنفؒ کا ایک ایک لفظ اور ایک فقرہ ہمارے سامنے آنا چاہیئے۔ چنانچہ حسب الارشاد مکمل اُردو ترجمہ کی ترتیب و تشکیل کا آغاز اُسی وقت کر دیا گیا۔
مکمل اُردو ترجمہ پر پہلے اس خاکسار نے خود نظر ثانی کی۔ کتابت کے بعد اسے حضرت حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ، کی خدمت میں پیش کیا۔ صاحب موصوف نے از سرِ نو اصلاح فرمائی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ صاحب صدر شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج نے فارسی اشعار کے سلسلہ میں اور پروفیسر قاری محمد اقبال صاحب صدر شعبہ اسلامیات زرعی یونیورسٹی نے عربی عبارات کے سلسلہ میں راہ نمائی فرمائی۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالمجید صاحب چشتی صاحب نے حسب معمول ترتیب و تشکیل کے ہر مرحلہ پر معاونت کی اور جناب محمد طارق ظہور چشتی صاحب نے طباعت کی نگرانی کی۔

حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب قبلہ نے اس ترجمہ کی تکمیل پر جو دُعائیہ کلمات ارسال فرمائے وہ آپ کی نوازشات کی اُن نہ ختم ہونے والی فہرست میں سب سے نمایاں

ہیں، جنہیں برکت کیلئے میں شامل کتاب کر رہا ہوں۔ مجھے آپکی ان خصوصی دعاؤں سے زیادہ اور کچھ نہیں چاہیئے۔ میرے لئے یہ کلماتِ خیر دین و دُنیا کا سب سے قیمتی سرمایہ ہی نہیں اُخروی معفرت و بخشش کا سامان بھی ہیں۔ میں یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر مخدومی و آقائی حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب قبلہ کی توجہ میرے شاملِ حال نہ ہوتی تو کبھی بھی اسے مکمل نہ کر پاتا۔ اِس ترجمہ کی تمام تر خوبیاں حضرت میاں صاحب قبلہ کی عطا ہیں اور جو خامیاں ہیں وہ سب کی سب اِس خاکسار کی خطاء ہیں۔

الحمدللہ کہ طباعت کے بعد مخزنِ چشت کا یہ پہلا مکمل اُردو ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے، جسے یہ خاکسار حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب مہاروی دامت برکاتہ سجادہ نشین درگاہِ معلّٰی چشتیاں شریف کی خدمتِ عالیہ میں بصد ادب و احترام پیش کرتا ہے اور دُعاؤں کا طالب ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خادمُ الفقرا

افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی
غفی عنہ

افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی
عفی عنہ

کاشانۂ چشتیہ۔ فرحت منزل
چنیوٹ بازار۔ فیصل آباد۔ پاکستان
۲۷ رجمادی الثانی ۱۴۰۹ھ

تعارف

از پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ایم اے، پی ایچ ڈی
صدر شعبۂ فارسی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کتاب مستطاب "مخزنِ چشت" تالیف حضرت خواجہ امام بخش چشتی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کے اسلاف و خواجگان کے احوال و مقامات پر مشتمل مجموعہ و تذکرہ ہے۔ یوں تو بزرگانِ دین و عرفان کے سب تذکرے اور تاریخیں تکراری مطالب سے آگندہ ویہ ہیں لیکن "مخزنِ چشت" کے مؤلف نے باستفادہ از کتبِ متقدمین اپنے تذکرہ و تصنیف کو منفرد اور جدا گانہ انداز میں تحریر کیا ہے۔ اس لئے یہ کتاب بلاشبہ ادبِ فارسی، تصوفِ اسلامی، تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی میں ایک گرانقدر اضافہ کی حامل ہے۔

اِس کتاب کا یہ ذی قیمت و پُر ارزش و یگانہ قلمی نسخہ نگاشتہ بخطِ خود مصنف فاضل دارجمند چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر (پاکستان) میں حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد چشتی مہارویؒ کی درگاہِ معلّیٰ کے اہلِ دل، باذوق، علم دوست، کتاب شناس، عارف باللہ، عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبِ اولیاء و سجادہ نشین، حضرت خواجہ میاں نورِ جہانیاں صاحب محمودیؒ کی دسترس میں تھا۔

حضرت میاں صاحب دامت برکاتہٗ نے اِس تصنیف کو اہلِ دانش و تحقیق تک پہنچانے اور خواص و عوام کے استفادہ کے لئے اُستادِ محترم و دانش مند پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی سلیمانی کے حوالہ اور سپرد کیا۔ انہوں نے حسبِ ارشاد اور اپنے ذوقِ تحقیق کے پیشِ نظر اس کو اردو زبان میں ترجمہ کر کے مدوّن و مرتب فرمایا جسے چشتیہ اکادمی، فیصل آباد شائع

رہی ہے۔

"مخزنِ چشت" مجموعی طور پر مشائخ و خواجگانِ چشت اہلِ بہشت کا تذکرہ و صحیفہ ہے، جسے حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ نے فارسی میں تصنیف کیا۔ فاضل مصنّف نے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اس کتاب کو شروع کیا ہے اور مؤسس و پیشوائے چشتیانِ ہند حضرت خواجہ معین الحق والدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسے سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ کی مخصوص شاخ "سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ" کے لئے مختص کر دیا۔

مشائخ چشت کی تبلیغی مساعی کا ذکر بہت اہمیت کا حامل ہے۔ محبّ النبی حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ" کی داغ بیل ڈالی۔ آپ کے محبوب ترین و عظیم ترین اور اہم ترین خلیفہ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد چشتی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ شمالی ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے کسی بزرگ نے ترویجِ سلسلہ میں اس قدر کوشش نہیں کی، جتنی اٹھارھویں صدی میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے کی تھی۔

"مخزنِ چشت" کے فاضل مصنف خواجہ امام بخش مہارویؒ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ نے حضرت خواجہ محمد خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا، جو حضرت خواجہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ (خلیفۂ اعظم قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ) کے خلیفۂ اعظم تھے۔ حضرت خواجہ امام بخشؒ اپنے خاندان میں اعلیٰ پایہ کے صاحبِ علم و فضل، جامع شریعت و طریقت، حاملِ کمالاتِ صوری و معنوی، ادیب و شاعر و سوانح نگار اور صوفی مشرب بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کی تالیفات میں "مخزنِ چشت" کے علاوہ گلشنِ ابرار، پنج گنج، مکتوبات اور دیوانِ عاجز قابلِ ذکر ہیں۔

"مخزنِ چشت" آپ نے ۱۲۷۷ھ میں تصنیف کی۔ وجہ تالیف کے بارے میں آپ دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے سلسلہ میں شجرہ شریف پڑھنے کا معمول ہے مگر یہ معلوم نہیں کہ ابتداء میں اس شجرہ کے مؤلف کون بزرگ تھے۔ لیکن

"میرے بعض مخلص احباب اور دینی بھائیوں نے مجھ ناچیز و ناتواں سے کہا کہ اس سلسلہ میں بعض مشائخ عظام کے القاب، بعض عرسوں کی تاریخوں اور بعض مناقبات اور دعاؤں میں شکوک پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اگر آپ اس سلسلہ (شجرہ) کی ایک جامع شرح لکھ دیں تو بہت مفید ہوگا اور وہ شرح نہایت مطلوب و مرغوب ہوگی۔ چنانچہ احباب کے اصرار کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کر لیا۔ معتبر تاریخی کتب کو مدنظر رکھتے ہوئے ان مشائخ باکمال کے حالات زندگی جمع کئے، ان کے کمالات کو عبارات کی صورت میں ڈھالا اور کتاب کا نام "مخزن الجنت" رکھا۔"

فاضل مصنف نے دیباچہ کے بعد کلام خداوندی کی اتباع اور فرمان نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملحوظ رکھتے ہوئے شروع میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کی شرح اور فوائد تحریر کئے ہیں۔ پھر تعداد و فضائل اسمائے خدا تعالیٰ کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مؤلف نے مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق "الحمد للہ رب العالمین" کی بحث نحوی کا آغاز فرمایا ہے اور "حمد" کے معنی کو اصطلاح صوفیا اور اصطلاح متکلمین میں جداگانہ طور پر بیان کیا ہے۔

ازاں بعد درود پاک "الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ" زیر بحث آیا ہے۔ اس مبحث میں متعدد عناوین مانند: معنی صلوٰۃ، وجوب صلوٰۃ، جواز صلوٰۃ بر انبیاء و غیر انبیاء، فوائد صلوٰۃ، معنی رسول، تعداد پیغمبراں، فضیلت پیغمبر آخر الزماں بر پیغمبراں دیگر، بحث فضیلت انبیاء، وجہ تسمیہ محمد، خصائص اسم محمد، تحقیق آل رسول، وجہ صلوٰۃ بر آل و تحقیق اصحاب کی تفسیر و تشریح کی گئی ہے۔

اس کے بعد سلسلۂ چشتیہ کی وجہ تسمیہ تحریر کی ہے اور پھر عنوان "الٰہی بحرمت" کی وضاحت تحریر کی ہے۔ "الٰہی بحرمت" کے الفاظ عناوین اسلاف و بزرگان و خواجگان کے ہمراہ ساری کتاب میں بہ تکرار ثبت و ضبط ہوئے ہیں۔ القابات و صفات پیغمبر اعظم و آخر و منبع حقیقت و معرفت، مثل سید المرسلین، رسول الثقلین، شفیع المذنبین، رحمت اللعالمین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو توضیحات و تعریفات کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔ چند صفحات میں سیرت و احوال و مقامات و کمالات و معراج نبوی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور کچھ اوراق ازواجِ مطہرات اولاد و دُختران پاک اور اولادِ فاطمۃ الزہرا کے لئے مختص کئے گئے ہیں۔

مؤلف نے اس کے بعد خلفائے راشدینؓ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ، امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ، امیر المومنین حضرت عثمانؓ اور امیر المومنین حضرت علیؓ کی خلافت و فتوحات کا ذکر کیا ہے یہاں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے خرقۂ خلافت و ولایت حاصل کرنے کے ضمن میں کتبِ تصوف کی سند و دلیل سے مختلف روایات منقول ہیں اور اس سلسلہ میں خلافتِ کبریٰ و خلافتِ صغریٰ کی بھی تشریح ملتی ہے۔

ازاں بعد فاضل مصنف نے شجرہ طیبہ سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ" کے اسلاف و مشائخ و بزرگان و خواجگان و عرفا و صوفیا و اولیاء عظام کے القاب و اوصاف و احوال و مقامات و مناقب و فضائل و شمائل کی شرح و تفسیر کو رسالت مآب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ خدا بخش خیر پوریؒ کے زمانہ تک اپنے مخصوص طرز و اندازِ نگارش کے مطابق ترتیب و تدوین کیا ہے۔ اس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین کے ذکر کے بعد امیر المومنین امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے لے کر آخر تک چونتیس (۳۴) مشائخ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے حالات و مناقب و کمالات قلمبند کر دیئے ہیں۔

آخر میں ایک نظم درج کی ہے جس میں اس کتاب کے مطالب و مفاہیم کو تلخیص کے طور پر بیان کر دیا ہے۔ اس نظم میں تیئس (۲۳) ابیات ہیں۔ آخری تین ابیات میں فرماتے ہیں:

"میں نے اس کتاب کا نام "مخزنِ الچشت" تجویز کیا ہے اور اس کی تکمیل کا کام جمعہ کے روزِ مبارک ۲۸ ماہ ذی الحجہ کو پایۂ انجام تک پہنچایا۔ جب میں نے اس کے سالِ اتمام اور سنِ تکمیل کے بارے میں غور و فکر کیا تو ہاتفِ غیبی نے الہام کے طور پر مجھے "زہے نامۂ خجستہ کار" (۱۲۰۰ھ) سے مستخرج کرنے کے لئے کہا۔"

فاضل مصنّف نے تذکرہ "مخزنِ چشت" کو سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امام الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے ذکرِ خیر سے شروع کیا ہے اور مؤسس و پیشوائے چشتیاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اسے چشتیہ بہشتیہ کی مخصوص شاخ "سلسلہ چشتیہ نظامی فخریہ" کے لئے مختص کر دیا ہے۔ جیسا کہ مطالعہ و مشاہدہ سے پتہ چلتا ہے حضرت خواجہ امام بخشؒ نے کتبِ تصوف سے استناد و استشہاد کر کے بزرگانِ چشت کے حالات و واقعات و ملفوظات و ارشادات و کرامات و مقامات و کمالات کو نقل کیا ہے۔ بیشتر اوقات اکثر مناقبات میں صرف کتاب کا نام لیا گیا ہے تاہم بعض جگہوں پر کتاب کے ہمراہ مؤلف و مصنف کا نام بھی ثبت و ضبط ہوا ہے۔ یہ امور ہمارے مؤلف کے ذوقِ تحقیق کے لئے پایۂ ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ انہوں نے نقلِ روایات و ذکرِ واقعات میں پوری دقت اور کوشش سے کام لیا ہے۔

صوفیانہ مطالب و عارفانہ مباحث کے بیان کے ضمن میں فاضل مصنف نے کبھی کبھی دیگر شعراء عرفا کے اشعار، ابیات، رباعیات، غزلیات اور منظومات سے بھی نقلِ قول اور استفادہ کیا ہے۔ گاہ شاعر کا نام لے کر اور گاہ و بیگاہ شاعر کے نام کا ذکر کئے بغیر ہی شعر کو مطلب میں سمو دیا ہے۔

کہیں کہیں سالکان و طالبان و عاشقانِ الٰہی کی تربیت کے لئے حقائقِ علمی و معارفِ روحانی و آدابِ معنوی کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ مثلاً اقسامِ خلافت، انواعِ ذکر، مراتبِ طلابِ حق اور اصلِ خرقہ کے موضوعات پر بھی بحث و تمحیص کی گئی ہے۔ تبرکاتِ مشائخ اور نوادراتِ مرشداں کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جبکہ مشائخ کرام و خواجگانِ عظام کی تاریخ وصال، مقامِ وصال اور مدفن و مزار و مقبرہ کا ذکر اُن کے شرحِ احوال کے آخر پر ضبطِ تحریر کیا ہے۔ اس لحاظ سے "مخزنِ چشت" کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کا ایک اہم ماخذ و مدرک شمار کیا جا سکتا ہے۔

القصہ یہ کہ میری نظر میں "مخزنِ چشت" سلسلۂ عالیہ چشتیہ نظامیہ کی ایک مخصوص علیحدہ شاخ کا صرف تذکرہ ہی نہیں ہے، بلکہ درحقیقت یہ اس طریقۂ علیہ کے عالی مرتبت خواجگان کی کرامات و تعلیمات و خدماتِ دینی کا بیش بہا مرقع اور ان کے اوراد و اذکار و

ملفوظاتِ عرفانی کا ایک گراں قدر گلدستہ ہے۔ اس افادیت واہمیت کے پیشِ نظر یہ کتاب اہلِ بصیرت واصحابِ طریقت کے لئے بہت مفید وموزوں ثابت ہوگی۔

راقم الحروف استادِ محترم پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی سلیمانی کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے اس تصنیفِ نایاب ولاجواب کو اُردو زبان میں منتقل کیا۔ تعلیماتِ چشتیہ کے بارے میں تحقیقات آپ کا خاص موضوع ہے۔ اس پیرانہ سالی میں بھی آپ ہمہ وقت چشتیہ نظامیہ فخریہ کی علمی وتبلیغی سرگرمیوں کو اُجاگر کرنے اور اُن حضرات کی تعلیمات کو منظرِ عام پر لانے میں مصروف ومشغول رہتے ہیں۔ یہ حقیر پُر تقصیر دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ "مخزنِ چشت" کے اس ترجمے کو شرفِ قبولیت بخشے، اہلِ سلسلہ کو اس کے مطالعہ کی توفیق بخشے، اس کے طفیل اہلِ ایقان وارباب عشق کو نورِ معرفت ورنگِ تصوف سے رنگ دے اور ہمارے قلب و باطن کو مطہر ومنور فرما کر اس "صحیفۂ چشت" کو ہمارے لئے توشۂ آخرت بنا دے۔ خداوند تعالیٰ پروفیسر صاحب بزرگوار کو تندرستی وتوانائی عطا فرمائے، آپ کی اصلاحی وتبلیغی وتربیتی کوششوں کو بار آور کرے اور بیش از بیش علمی وتحقیقی کام انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

ع این دُعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

پیش لفظ

از پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ایم اے۔ پی ایچ ڈی صدر شعبہ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہٖ الکریم۔
امّا بعد۔ بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ط

انسان اپنے بنیادی عناصرِ ترکیبی کے حوالے سے دو حیثیتوں کا حامل ہے، ظاہری یا مادی حیثیت اور باطنی یا رُوحانی حیثیت، انسانی وجود کی کاملیت ان دونوں کے توازن اور مناسب باہمی ربط کی مرہُونِ ہے۔ انسان کا ظاہر حواس سے عبارت ہے، عقل حواس کی تہذیب اور ترتیب کا فریضہ انجام دیتی ہے اور ان قوّتوں میں پیوستگی کا سبب بنتی ہے تاکہ انسان کی یہ صلاحیتیں ایک اکائی بن جائیں، یہ وجودِ انسانی کا خارج ہے۔ باطن عقیدے، نظریئے اور وجدان کی قوّتوں کا امین ہے اور خارج سے وسیع تر ہے اس کی پہنائیاں لامتناہی اور اس کی جولانگاہ غیر محدود ہے، انسان کا داخل بیدار ہو، اندر اپنی بے پایاں وسعتوں کے ساتھ فعال ہو تو حواس سے ترتیب اور مادے سے تشکیل پانے والی دُنیا کم تر اور محدود محسوس ہوتی ہے، انسانی ضرورت یہ ہے کہ ہر دو جہتوں کی نشوونما ہو، ایک ہی مقصود نہ بنے کہ دوسرے سے صرفِ نظر ہو جائے، جب کبھی ایسا ہُوا انسان نظریاتی صدموں کا شکار ہُوا اور اپنے شرف سے محروم ہُوا۔

انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ کبھی۔ خارجی مظاہر سے مرعوب ہو جاتا ہے اور کبھی باطنیت کے گرداب میں غرقاب ہو جاتا ہے اس طرح کہ اُس کی مجموعی پیش رفت رُک جاتی ہے، دُنیا کی نظریاتی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو انسان مادہ پرست یا ماورائیت پسند گروہوں میں منقسم دکھائی دیتا ہے، مادی تصوّرِ حیات انسان کو زمینی حوالہ عطا کرتا ہے اور تمام تہذیبی رویے اسی کی نسبت سے ترتیب پاتے ہیں

جبکہ مادرائیت سے انسانی تہذیب و معاشرت میں اجنبیت سرایت کرنے لگتی ہے اور وہ کسی اور فضا کا باسی دکھائی دینے لگتا ہے، مادی حوالے کبھی جنس کے روپ میں کبھی مکانیت کے تصور میں اور کبھی زمانیت کی تنگ نادوں میں نمودار ہوتے ہیں جس سے نسلی، گروہی اور جغرافیائی حدبندیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کے برعکس ماورائی اندازِ فکر انسان کو انسانوں سے بیزار، ملک و قوم سے متنفر اور آباد و شاداب دنیا سے فرار کی راہ دکھاتا ہے، اسلام دینِ کامل ہے اسلئے یہ انسان کی پوری زندگی کا کفیل اور اس کے تمام مادی اور روحانی داعیات کا ضامن ہے، اس کا دائرہ اثر مادے سے روح تک ممتد ہے، اس لئے اس کے ضابطے سرد کو پابندِ آداب بناتے ہیں۔ اسلام کا مطلوب ایک ایسا انسان ہے جو مادی لحاظ سے مضبوط اور روحانی طور پر بااعتماد ہو۔

اسلام اس ہمہ جہتی تعلیم کا داعی ہونے کے باوجود حفظِ مراتب کا علمبردار ہے، اسلام کے نزدیک روح مقدم ہے اور جسم مؤخر، یعنی روح جوہر ہے اور جسم عرض، اس لئے اسلام اوّل کو اوّلیت عطا کرتا ہے اور تقاضا کرتا ہے کہ مادیّت کے تمام ضوابط روحانی اصولوں کے تابع رہیں، روح صدر نشین رہے اور مادہ حاضر باش حاشیہ بردار یا صوفیاء کی اصطلاح میں روح سوار ہو اور جسم سواری، سوار کی تیز رفتاری، سواری کی تند و تیز رفتار سے ہی متعین ہوتی ہے مگر رفعت و عظمت سوار ہی کو حاصل ہے۔ اسلامی تعلیمات انسان کے روحانی تقاضوں اور مادی خواہشوں کو صراطِ مستقیم دکھاتی ہیں اور بہر صورت رہنمائی کرتی ہیں، قرآن و حدیث، اسلامی تعلیمات کے ماخذ ہیں جن سے راہنمائی کے اصول مستنبط ہوتے ہیں، حیاتِ ظاہرہ کے لئے استخراج کئے ہوئے ضوابط "علمِ فقہ" کا موضوع ہیں اور تہذیبِ باطن کے قواعد و اصول "علمِ تصوف" کے دائرہ اثر میں آتے ہیں، ان میں مخاصمت نہیں تعاون ہے کہ ان کا مقصود "انسان" کا مادی اور روحانی ارتقاء ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مبادیات کے تذکرے میں "احسان" کا ذکر اور حدیثِ جبریل علیہ السلام میں اس کا

خصوصی استفسار 'علمِ باطن' کی اہمیت واضح کر رہا ہے۔ 'احسان' کی وضاحت کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تو اللہ تعالیٰ کی یوں عبادت کرے کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے، مقصود یہی منزل ہے کہ عابد اپنے معبود کے حضور حاضر ہو اور التجاؤں و تمناؤں میں حضوری کا گداز شامل ہو جائے۔ فرمایا اگر یہ مقامِ بلند حاصل نہ ہو سکے تو پھر عبادت یوں کی جائے جیسے وہ دیکھ رہا ہے یعنی حاضریِ دربار کا تصور بہر حال قائم رہے، حسنِ عبادت کیا ہے؟ یہی کہ عبد اور معبود کے درمیان حائل پردے اُٹھ جائیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور محبت سے یہ پردے اُٹھتے ہیں کہ 'قربِ لامکانی' کے شرف نے اُنہیں ہمہ وقت حضوری کی قوت عطا کر دی ہے۔ متلاشیانِ حق کو اس کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے کہ اس رفعتِ قرب کو پالینا مشکل بھی ہے اور محنت طلب بھی۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انسانی عظمت کے امین ہیں کہ ان میں ظاہر و باطن کی قوتیں یکجا ہو گئی تھیں۔ اسی لئے تو انہیں آسمانِ ہدایت کے ستارے کہا گیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد یہ یکجائی اور یہ کاملیت ناپید ہونے لگی 'علومِ ظاہری' کے مراکز اور علومِ باطنی کے 'سرچشمے' الگ ہو گئے کہ جامعیت کے پیکر ہونے کا شرف صحابہ تک محدود رہا، ظاہر کی حکمرانی خلفاء راشدہ کے بعد 'بنو امیہ' کے حصے میں آئی تو سلطنتِ باطن خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کو عطا ہوئی اور یوں روحانی مراکز' کا الگ تشخص قائم ہوا، علماء علم کی دولت بانٹنے لگے اور صوفیاء 'علم' کو واردات میں ڈھالنے کا فریضہ انجام دینے لگے، عقل کی تہذیب علماء کے ہاتھوں ہوئی تو دل کی تنویر صوفیاء کے سوزِ دل سے، پہلی صدی ہجری سے ہی زاویے قائم ہونے لگے اور بالیدگی کا اہتمام ہونے لگا، حالات بدلتے رہے، اُمتِ مسلمہ بتدریج سیاسی ابتری کا شکار ہوتی گئی مگر 'روح' کے تربیت کدے آباد رہے۔

'تصوف' انسان کے داخل کی اصلاح اور اُس کے باطن کی تربیت کا کفیل ادارہ ہے جس سے وہ قوتیں پیدا کی جاتی ہیں جو مادی یلغار اور نفسانی خواہشات

کے دباؤ کی وجہ سے معطل ہو چکی ہوتی ہیں، جب یہ قوتیں بیدار ہوتی ہیں تو خارج کو بھی متاثر کرتی ہیں۔ تصوف سے صفائے قلب کی شعاعیں اعضاء و جوارح کے اعمال میں منعکس ہوتی ہیں اور انسان کے ظاہر و باطن کو نورانیت عطا ہوتی ہے۔ سلسلہ ہائے تصوف کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ سب کا مقصود ایک تھا، طریق کار میں بھی یکسانیت تھی اس لئے ان میں نہ معاصرانہ چشمک پیدا ہوئی اور نہ ہی باہمی تعلقات اور رابطوں میں کمی آئی، اور وقت کے ساتھ ساتھ فیضانِ باطن کے یہ ادارے مستحکم ہوتے گئے اور ان کی شناخت کے لئے اسماء و القاب متعین ہو گئے۔ سلسلہ چشتیہ جو "مخزنِ چشت" کا موضوع ہے انہی سلاسلِ تصوف میں سے ایک معتبر اور قابلِ التفات سلسلہ ہے۔ اس کی ابتداء خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ کے وجودِ مقدس سے ہوئی لیکن اس سلسلے کی پہچان خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی (م ۳۲۹ھ) کی ذاتِ گرامی سے ہے۔ چشت جو افغانستان کا ایک غیر معروف قصبہ تھا۔ آپ کے حوالے سے شہرت دوام پا گیا، اکابرینِ چشت نے عالم اسلام کے کونے کونے میں مسندِ ارشاد بچھائی اور رشد و ہدایت کے اِن چشموں سے اَن گنت انسانوں نے اپنی روحانی پیاس بجھائی، خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ (م ۶۰۷ھ) تک یہ سلسلہ مختلف مراکز قائم کر چکا تھا اور تبلیغ دین کا فریضہ انجام دے رہا تھا کہ عالم اسلام پر کفر و شرک کے بادل منڈلانے لگے اور اسلامی مراکز کی سیاسی قوت دم توڑنے لگی۔

۶۰۲ھ تا ۹۳۲ھ کا عرصہ عالم اسلام کی شکست و ریخت کا دور ہے منگول حملے شدت اختیار کرتے جا رہے تھے اور مسلم ممالک اور اسلامی تہذیب کے مراکز ایک ایک کر کے سپر انداز ہو رہے تھے، منگول حملہ آور خون آشامی اور تہذیب کشی کی ایسی روایات ساتھ لائے تھے کہ سر بلند اور سر خمیدہ کی کوئی تمیز نہ تھی، ایک ہی خواہش تھی کہ تلوار کا قرض ادا ہونا چاہیئے۔ ایسے زبوں حال معاشرے میں تہذیبی اُپج اور ثقافتی انا دم توڑ دیتی ہے اور قومیں اپنا سب کچھ بھول کر تحفظِ ذات کے گرداب میں پھنس جاتی ہیں، عالم اسلام کی حالت ایک نیم ذبح مینڈھے کی تھی

کہ نہ جان نکلتی تھی اور نہ زندگی کی اُمید بر آتی تھی۔ انسانی فطرت ہے کہ جب ظاہری سہارے ٹوٹتے ہیں تو روحانی رابطوں کی فکر ہوتی ہے، عالمِ اسلام کے ادبار اور زبوں حالی نے مسلمانوں میں تصوف کا ذوق تیز تر کر دیا۔ مادی ہماہمی انسان کو اپنے باطن سے دور کر دیتی ہے اور حرص و آز کی گرد اس مجلّٰی آئینے کو غبار آلود بنا دیتی ہے، مگر جب ظاہری سہارے ٹوٹتے ہیں تو پریشان نظری کا شکار انسان اندر کی طرف جھانکنے لگتا ہے تاکہ باہر کی بے تابیوں کو اپنے اندر کی رعنائیوں سے سحر کرے، سقوطِ بغداد سے قبل ہی اسلامی مراکز مادی گرسنگی کا شکار تھے، یہ مجموعی فردکشی کا دور تھا، ایسے میں دردِ دل کے شناوروں نے اس کرب کو پہچانا اور تپتی دھوپ کے مسافروں کو گھنے سائے والے زاویوں میں پناہ دی مگر جب بربریت کا ہاتھ ان محفوظ مراکز کو بھی اپنی لپیٹ میں لینے لگا تو درد آشنا معالجوں نے صحت کے یہ مراکز اس تعفّن سے دور کسی صحت افزا مقام پر منتقل کرنے کا عزم کر لیا اور ایسا مقام سوائے برِّصغیر کے کہیں دستیاب نہ تھا اس لئے روحانی معالجوں کی کثیر تعداد اپنے صحت بخش نسخوں کے ساتھ برِّصغیر میں تشریف لے آئی۔ خوش قسمتی سے برِّصغیر نہ صرف یہ کہ بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہا بلکہ اسے اندرونی خلفشار کی بھی کوئی بڑی مہم درپیش نہ تھی، خاندانِ غلاماں سے لودھی حکمرانوں تک افراد بدلتے رہے، اقتدار کے حصول کے لئے حکمرانی کے خواہش مند دست و گریباں بھی رہے مگر رعایا میں کوئی ہیجان نہ تھا، خطرہ صرف ہم وطن غیر مسلموں کے نظریاتی حملوں کا تھا کہ برِّصغیر کے قدیم باسی ماورائی نظامِ حیات اور ملفوف عقلی استنباطات سے مسلح تھے، یہ تھے سیاسی و معاشرتی حالات جب صوفیاء کرام کی کثیر تعداد برِّصغیر آئی، صوفیاء کی آمد سے مقامی آبادی کی ویدانت لرز اٹھی کہ اب روحانیت کے نام پہ کوئی فریب نہ کھیلا جا سکتا تھا، برِّصغیر کی تاریخ شاہد ہے کہ تہذیبِ اخلاق کے ساتھ تقویمِ عقائد کا فریضہ بھی صوفیاء نے ہی انجام دیا ہے، ان صوفیاء میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ کو

اوّلیت اور معتبر مقام حاصل ہے، آپ سجستان میں پیدا ہوئے خراسان میں نشوونما پائی خواجہ عثمان ہرونی (م ۶۰۷ھ) کی خدمت میں منازلِ سلوک طے کیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ (م ۵۶۱ھ) کی صحبت سے بھی مشرّف ہوئے الشیخ نجم الدین کبریٰ علیہ الرحمۃ (م ۶۱۰ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ (م ۶۳۲ھ) کے ہمعصر اور مصاحب رہے۔ ۵۸۷ھ کے قریب لاہور آئے اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری علیہ الرحمۃ (م ۴۶۵ھ) کے مزار پر معتکف ہوئے، پھر دہلی تشریف لے گئے اور بالآخر اجمیر میں قیام پذیر ہوئے، یوں اجمیر سلسلہ چشتیہ کا پہلا اور بنیادی مرکز بنا، برِّصغیر میں سلسلہ چشتیہ کی بنا آپ نے رکھی اور آپؒ کے حوالے سے ہی اس سلسلہ ارادت کو شہرت اور دوام حاصل ہوا، برِّصغیر کی تاریخِ صوفیاء میں آپ کو مقتدر مقام حاصل ہے اسی لئے سلطان الہند کہلائے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ) بھی برِّصغیر آنے والے صوفیاء میں شامل ہیں کہ ماوراء النہر کے علاقے اوش سے نقل مکانی کرتے ہوئے خواجہ اجمیر علیہ الرحمۃ کے دستِ حق پرست پر بیعت کے بعد ملتان کے راستے دہلی تشریف لائے تھے، آپ مرکزِ حکومت دہلی کے بے تاج بادشاہ تھے، سلطانِ وقت التمش آپ کا نہ صرف یہ کہ معتقد تھا بلکہ ہر وقت آپ کی راہ تکتا تھا۔ یہ سلسلۂ ارادت برِّصغیر میں اشاعتِ دین کا سب سے بڑا ذریعہ ثابت ہوا اور دنیائے تصوف کے کئی آفتاب اس مسلکِ روحانی میں جگمگاتے رہے خواجہ فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمۃ (م ۶۶۴ھ) خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ (م ۷۲۵ھ) خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۷۵۷ھ) خواجہ کمال الدین علامہ علیہ الرحمۃ (م ۷۵۷ھ) شیخ یحییٰ مدنی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۰۱ھ) اور خواجہ کلیم اللہ جہان آبادی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۴۲ھ) کے نام تاریخِ تصوف کے کسی طالب علم سے مخفی نہیں کہ ان بزرگوں نے برِّصغیر کے طول و عرض میں خدمتِ دین کا وہ فریضہ انجام دیا ہے کہ آج کے دور کا ہر مسلمان آپ کے احسانات کا معترف اور مرہون ہے۔ خواجہ نظام الدین اورنگ آبادی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۴۲ھ) سے یہ

سلسلۂ ہدایت جنوبی ہند میں منتقل ہوا مگر آپ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ فخرالدین دہلوی علیہ الرحمتہ (م ۱۱۹۹ھ) سے ایک بار پھر شمالی ہند کو فیض یابی کے مواقع ملے، خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمتہ (م ۱۲۰۵ھ) کے فیضان سے پنجاب کی سرزمین کو قدم بوسی کی سعادت ملی اور خواجہ محمد سلیمان تونسوی علیہ الرحمتہ (م ۱۲۶۷ھ) سے یہ سلسلۂ رشد و ہدایت آوازۂ وقت بن گیا، سلسلۂ چشتیہ کی برِ صغیر میں مساعی کا سرسری سا جائزہ یہ واضح کرتا ہے کہ پورا برِ صغیر ان بزرگوں کا ارادت مند تھا اور شرق و غرب میں ان اولیاء کے تبلیغی مراکز قائم تھے جہاں سے اک جہان فیض یاب ہو رہا تھا، دیگر سلاسلِ اولیاء نے بھی خدمتِ دین میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور بعض بزرگوں نے تاریخ ہند پر دیر پا اثرات چھوڑے مگر کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے سلسلۂ چشتیہ کو مقامِ بلند حاصل ہے۔

خواجہ امام بخش مہاروی علیہ الرحمتہ جو حضرت خواجہ نور محمد مہاروی علیہ الرحمتہ کے خاندان کے نامور فرزند اور صاحبِ نسب بزرگ تھے، کو تصنیف و تالیف کا ذوق فراواں حاصل تھا، آپ کی معروف تالیفات میں گلشنِ ابرار، مخزنِ چشت، دیوان عاجز، پنج گنج اور مکتوبات دستیاب ہیں، ان سب کا موضوع تصوف اور صوفیاء کے سوانح ہے، مخزنِ چشت ایک گراں قدر تالیف ہے جس میں اکابرینِ سلسلۂ چشت کے کارناموں کی صدائے بازگشت ہے، فارسی میں تالیف کی گئی مخزنِ چشت کا اسلوب دلنشین اور باوقار ہے، سیر و سوانح کے ساتھ ساتھ تعلیماتِ تصوف پر خصوصی توجہ ہے جس سے یہ کتاب احوال و آثار کا مجموعہ ہی نہیں راہِ تصوف کے مسافر کے لئے بہترین زادِ سفر بھی ہے، بعض علمی موضوعات کو ماہرانہ انداز میں اور دلنشین پیرائے میں سالکین تک پہنچایا گیا ہے، اگرچہ خوارق و کرامات کے تذکرے کو بہت اہمیت حاصل ہے جسے جدید دور کا قاری زیادہ جاذبِ توجہ نہیں پاتا مگر یہ سادی حالات کا تناظر اور جدیدیت کا شاخسانہ ہے۔ مخزنِ چشت میں متردد ذہنوں اور متشکک سوچ کے حاملین کے لئے بھی بہت کچھ ہے کتاب دراصل ایک شجرہ ہے جس کے

ہر لفظ اور ہر اسم کو مؤلف نے الم نشرح کر دیا ہے، سرورِ دوجہان جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے خواجہ خدا بخش خیر پوری علیہ الرحمۃ (م ۱۲۵۰ھ) تک کے حالات پر مشتمل یہ دستاویز تاریخِ تصوف کی تیرہ سو سالہ حکایت ہے جو شاہانِ دُنیا کی بجائے شاہانِ مملکتِ تصوف کے حوالے سے مرتب ہوئی ہے تاریخ کے طالبِ علم کے لئے بھی اس تالیف میں دلچسپی کا بہت سامان موجود ہے چونتیس ۳۴ بزرگوں کے حالات اور اُن کے طریقِ تبلیغ اور مابہ الامتیاز اوصاف کو رواں دواں فارسی میں قلم بند کر کے خواجہ موصوف نے علم تصوف کے شائقین پر عظیم احسان کیا ہے، بظاہر یہ ایک ممتد شجرہ ہے مگر درحقیقت برِ صغیر میں اشاعتِ اسلام کی دلآویز داستان ہے۔

مؤلف نے شجرۂ چشت کو قرآن مجید کے اس استعارے سے ماخوذ کیا ہے۔ جو کلمہ توحید کیلئے استعمال ہُوا۔ قرآن مجید نے کلمہ طیبہ کی شجرہ طیبہ سے تشبیہ کو نہایت جامع انداز میں بیان

'شجرہ' کیا ہے؟ اور اس کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ یہ سوال اکثر اذہان کو پریشان کرتا ہے، مخزنِ چشت کے فاضل مؤلف نے ابتدا ہی میں مجملاً اور اشارۃً اس کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں "چوں ایں سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ کَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ کہ مشتمل است بر دعا و متضمن است بر القاب و اسماء پیرانِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ولہٰذا مقبول است درمیانِ انام ہر خواص عوام کہ تمام مشائخ عظام علی الدوام ورا بایں ترتیب عجیب وِرد گردانیدہ ولغایت لذت آمیز است و نہایت شوق انگیز، و موجب حبور دل و جان است و مورثِ دخولِ سرورِ جنان" چنانچہ بزرگے فرمودہ۔

ہر کرا جاوید باید جنت الماوی بہشت
ہر سحر با صدق خواند شجرۂ پیرانِ چشت

مؤلف علیہ الرحمتہ نے شجرۂ طیبہ سے تشبیہ کو نہایت جامع انداز میں بیان
فرمایا کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے، "شجر" کی کاملیت دو پہلوؤں کو محیط ہے اس کی
جڑ مضبوط، پختہ اور راسخ ہونی چاہیئے کہ بادِ مخالف اور ہر وقت کا کوئی طوفان
اس کے ثبات کو متزلزل نہ کر سکے، اسے کوہِ گراں کا استقلال حاصل ہونا چاہیئے
تاکہ گردشِ لیل ونہار کی ستم رانیوں کے باوجود یہ قائم ودائم رہے، "شجر طیب" کا
بیج تبھی بار آور ہوگا جبکہ اُسے صالح زمین میں کاشت کیا جائے گا اور اس میں نمو کی
صلاحیت ہوگی، اگر بیج خراب ہے یا زمین شور ہے تو شجر بار آور نہ ہوگا، دوسرا
پہلو اس کے برگ وبار پر مشتمل ہے، اسے بلند قامت اور سرافراز ہونا چاہیئے
تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو سایہ دامن میں پناہ دے سکے پھر اسے حیات بخش
اور نفع رساں بھی ہونا چاہیئے، ہر لمحہ، ہر وقت اسے رحمتوں سے سرشار رہنا
چاہیئے تاکہ خلق خدا کو دائمی سکون مہیا کر سکے، اس کا پھل موسمی یا وقتی نہ چاہیئے،
اس نفع بخشی کی نسبت پروردگارِ شجر کی طرف ہونی چاہیئے کہ وہی ایک بیج میں اس
قدر قوتیں اور خوبیاں ودیعت کرتا ہے۔ کلمہ طیبہ ایمان کا بیج ہے۔ اس کو ہر قسم کے
شرک اور ہر طرح کے گناہ کی آلائش سے پاک ہونا چاہیئے پھر یہ پاکیزہ بیج پاک و
مطہر سرزمینِ دل پر کاشت ہونا چاہیئے تاکہ اس کی کونپلیں پھوٹیں۔ سرزمینِ قلب
پر لگایا ہُوا ایمان کا درخت اعضا وجوارح میں اپنا پھل لاتا ہے تو ہر عضوِ بدن سے
مخلوقِ خدا کی نفع بخشی کا سامان ہوتا ہے اور یہ رحمت سدا بہار ہے، حالات و
وقت کی تابع نہیں، قرآن پاک نے ایک جامع اور واضح تشبیہ سے ایمانیات کی
راسخیت اور دوام کو سمجھایا، سلسلہ تصوف کا اصل موضوع دل اور اس کے امکانات
ہیں، صوفیاء کا کارنامہ یہی ہے کہ وہ تصورِ توحید جو کلمہ کا حاصل ہے کو سرزمینِ دل
پر کاشت کرتے ہیں اور مجاہدوں و مراقبوں کی محنت کا پانی دے کر اس کو پوری
زندگی کا حاصل بنا دیتے ہیں، "شجرِ تصوف" کی بنیاد وہ وجودِ مقدس ہے جو فخرِ کائنات
و سردارِ قافلۂ انسانیت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ پھلتے ہوئے

شجرِ ایمان کی جان ہیں جس کے ابتدائی برگ و بار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صورت میں نمودار ہوئے اور پھر یہ سلسلۂ نمو عہد بہ عہد پھیلتا چلا گیا، تمام سلاسلِ اولیاء اسی مرکز کی شاخیں اور اسی منبع فیض کی رواں نہریں ہیں، کفر و شرک اور بدعملی و بدعقیدگی کی کوئی آندھی انہیں بے توفیق نہ بنا سکی کہ "اَصْلُھَا ثَابِتٌ" کے مصداق ان کی جڑ نہایت پختہ اور ان کا تنا نہایت مضبوط ہے سلسلۂ چشتیہ اسی مرکز کی شاخِ ثمردار ہے جس کے فیوضات و ثمرات نے برِّ صغیر بلکہ تمام دنیا کو احاطہ کیا ہے یہ فیض دائمی ہے کہ کوئی دور اور کوئی علاقہ اس سے محروم نہیں رہا، اس بے پایاں ثبات اور لامحدود کرم فرمائیوں نے شجرِ چشت کو ہر ایک کی نظر میں محبوب بنا دیا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کا سایۂ رحمت وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ مخزنِ چشت اسی فیضان کی حکایت ہے کہ کیسے یہ شجرِ طیب چودہ سو سال سے درماندہ اور پریشان حال انسانیت کے لئے سایۂ رحمت مہیا کر رہا ہے، کتاب کے مطالعے سے فیض بخشی کی تاریخ کے تمام خدوخال نمایاں ہوتے ہیں اور مستقبل کے لئے بھی امید پیدا ہوتی ہے کہ رحمتوں کے کفیل ان اداروں کے ہوتے ہوئے مایوسی گناہ ہی نہیں شپرہ چشمی بھی ہے۔ یہ کتاب کا رجائی پہلو ہے جو ہمارے مستقبل کا ضامن ہے۔

مخزنِ چشت ظاہری و باطنی خوبیوں سے متصف تالیف ہے جسے ہر دردمند قاری کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ بدقسمتی سے وطنِ عزیز میں زبان پہلوی، پسپائی کا شکار ہے اور حافظ و سعدی کے قدرداں کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں، زبان کا حجاب کتاب کی افادیت کی راہ میں حائل ہو رہا تھا کہ خاندانِ مہاروی نے اس قلمی نسخے کو اردو قالب میں ڈھالنے کا ارادہ کیا، پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب ہمارے وہ کرم فرما بزرگ ہیں جنہوں نے سلاسلِ چشتیہ کے فیوض و برکات کو عام کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے انہوں نے ایک مستقل ادارہ قائم کیا تاکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہے، متعدد مفید تصنیفات اس

ادارے کے زیرِ اہتمام اور جناب چشتی صاحب کے زیرِ نگرانی طبع ہو چکی ہیں حضرت خواجہ میاں نور جہانیاں صاحب سجادہ نشین مہار شریف نے مخزنِ چشت کے ترجمے اور طباعت کا کام بھی چشتی صاحب کے سپرد کیا، یہ محنت طلب کام تھا مگر چشتی صاحب کی مسلسل توجہ اور محنت سے مکمل ہوا، اس ترجمے میں پروفیسر صاحب نے بعض احباب کا تعاون بھی حاصل کیا، مجھے بھی اس سعادت میں شریک ہونے کا موقعہ ملا اور میں نے اپنی بساط کے مطابق زبان و بیان اور مطالب و مفاہیم کے بارے میں بعض گذارشات پیش کیں جسے جناب چشتی صاحب نے بکمال محبت قبول فرمایا۔

مجھے خوشی ہے کہ "مخزنِ چشت" اپنے اردو لباس میں پوری رعنائی کے ساتھ منظرِ عام پر آ رہی ہے، میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ "متن کتاب" کی خوبیوں کو اردو ترجمے میں نہایت سلیقے سے سمویا گیا ہے اور قاری کے لئے اس میں وہ سب کچھ ہے جس کی اُسے اُس کتاب سے خواہش ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ "مخزنِ چشت" کو سلسلہ چشتیہ کے دائمی فیض میں مزید اضافے کا باعث بنائے تاکہ متلاشیانِ راہِ حق اکابرینِ سلسلہ کی نورانی سیرتوں سے ظلمت کدۂ دل کو منور کرتے رہیں۔ آمین

اللھم صلّ علیٰ سیدنا محمد والہ واصحابہ وعلیٰ من تبعہ باحسان الیٰ یوم الجزاء والغفران۔

عرضِ حال

پروفیسر ڈاکٹر عبدالمجید چشتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

درمیانہ قلم اور سیاہ روشنائی سے ۲۰ × ۱۰ سم تختی پر تحریر کردہ فارسی زبان میں "مخزنِ چشت" کا اصل قلمی نسخہ جو خواجہ امام بخش مہاروی کی تصنیف ہے، کل چار سو پچہتر ۴۷۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ہر صفحہ میں پندرہ سطریں ہیں اور ہر سطر میں اوسطاً ۱۲ الفاظ۔ اس طرح الفاظ کی فی صفحہ اوسط تعداد ایک سو اسی ۱۸۰ بنتی ہے۔ جبکہ مکمل کتاب لگ بھگ ساڑھے پچاسی ہزار ۸۵۵۰۰ الفاظ پر مشتمل ہے۔ کتاب کے شروع میں دیا گیا دیباچہ اس کی وجہ تصنیف پر روشنی ڈالتا ہے، جبکہ اختتامی نظم میں سنِ تالیف درج ہے۔

جیسا کہ مخدومی جناب پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی دامت برکاتہٗ نے اپنے دیباچہ میں تفصیلاً تحریر فرمایا ہے، زیر نظر ترجمہ کا زیادہ تر کام تو پروفیسر چشتی صاحب کے ایماء پر اسلامیات فارسی اور عربی کے چار فاضل پروفیسر صاحبان نے کیا جن میں سے دو حضرات نے اس تصنیف کی دینی روحانی اور علمی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر عمدہ "تعارف" اور بیش قیمت "پیش لفظ" بھی تحریر فرمائے، جو اس جلد کی زینت بنے، مگر معنویت کو چار چاند لگانے کا سہرا قابل صد احترام جناب پروفیسر چشتی صاحب دامت برکاتہٗ کے سر ہے۔ جس کا اعتراف درگاہِ معلّٰے چشتیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت میاں نورِ جہانیاں صاحب محمودی دامت برکاتہٗ نے اپنے دعائیہ کلمات میں یوں تحریر فرمایا کہ "حق بہ حقدار رسید"۔ واقعتاً یہ صبر آزما اور کٹھن کام وہی سرانجام دے سکتا ہے جس نے فاضل مصنّف کی طرح اپنی زندگی کا ایک ایک سانس سلسلۂ عالیہ کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہو۔ مزید برآں حاجی کریم بخش صاحب مہاروی کی قلمی معاونت برحق اور قابلِ صد ستائش، لیکن حضرت قبلۂ عالم کے موجودہ

سجادہ نشین صاحب کی خصوصی توجہ، مسلسل تاکید اور مفصل ہدایات کے بغیر یہ ترجمہ اپنی مخصوص روحانی چاشنی سے تشنہ رہتا۔

زیرِ نظر کتاب خواجگانِ چشت اہلِ بہشت کے حالات، کرامات اور تعلیمات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ ان کے کمالات، معمولات اور احوال و اوراد و وظائف کا حسین مرقع بھی ہے۔ لہٰذا معرفتِ حق کا یہ نادر خزینہ سالکین اور محققین کے لئے ایک خاص علمی و روحانی نعمت ہے، مگر مکمل یقین اور خلوصِ نیت شرط ہے۔ خوش قسمت ہے ہر وہ فرد جس نے اس نایاب قلمی نسخہ کو ۱۳۱ سال گمنامی سے نکالنے میں سعی کی۔ مگر مخدومی جناب پروفیسر چشتی صاحب کا کیا کہنا جن کے حصّہ میں اس عظیم سعادت کا مرکزی کردار آیا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

شجرہ طیبّہ میں شامل اکابرینِ سلسلہ کے زہد و تقویٰ کے تو سبھی قائل ہیں، مگر ان کی علمیت اور علمی تبحر سے اکثر اہلِ سلسلہ بھی نابلد ہیں۔ اس لئے چند معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

علم سے شغف اور علماء کی قدردانی اس سلسلہ کا طرۂ امتیاز رہا ہے حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے بھانجے اور خلیفۂ اعظم حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ تو موسوم بلکہ مشہور ہی "علامہ" کے نام نامی سے تھے۔

حضرت خواجہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ جب اشارۂ غیبی کے تحت بیعت کی غرض سے مہار شریف پہنچے، تو نام اور کام جاننے کے فوراً بعد حضرت قبلۂ عالمؒ نے تعلیم کے متعلق دریافت کیا۔ حافظ صاحبؒ "قرآن پڑھ لیتا ہوں" کہہ کے ٹال گئے، کیونکہ انہوں نے اولیاء اللہ کا علماء سے اجتناب سن رکھا تھا۔ بعد ازاں جب حافظ صاحبؒ کے ایک سابقہ ہم سبق اور پیر و مرشد کے خلیفۂ مجاز مولوی محمد حسین چینڑؒ نے مفصل تعارف کروایا تو حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے نہ صرف ایسے خدشات کی تکذیب فرمائی بلکہ یوں گویا ہوئے کہ "جاہلوں سے ہمارا کوئی سروکار نہیں ہمارا تو کام ہی علماء سے ہے"۔

مشائخ کے ملفوظات کو قرآن و حدیث کے بعد چشتیہ تعلیمات میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پیرو مرشد کے کلام کو رقم کرنا اور اسے وردِ جاں بنانا سلسلہ کی خصوصیات میں شامل ہے۔

آٹھ مشہور ملفوظات پر مشتمل تالیف "ہشت بہشت" شاہد ہے کہ حضرت خواجہ عثمانی ہارونیؒ سے لیکر شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ تک اکابرین کے پُرتاثیر ارشادات کو کس جانفشانی سے نہ صرف کتابی صورت میں جمع کیا گیا بلکہ ان کے اُردو ترجمہ اور طباعت و اشاعت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ اس معروف ملفوظ کا بار بار چھپنا ہی اس کی مقبولیت کا بیّن ثبوت ہے۔ اِن ملفوظات کی افادیت کا اندازہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے اس قولِ مبارک سے ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا "اس مرید کی سعادت کا کیا کہنا جو اپنے پیرو مرشد کے فرمودہ کو نہ صرف قلمبند کرے بلکہ اپنے ہوش و گوش کو اس کی طرف لگائے۔"

تمام تذکرہ نگار متفق ہیں کہ ظاہری علوم مشائخ چشت کے نزدیک سالک کیلئے ایک اہم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ اسی لئے تو شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، طریقت یعنی آپؐ کے افعال اور حقیقت یعنی آپؐ کے احوال ہی پر مکمل دسترس نہ رکھتا ہو بلکہ سُنّتِ نبوی کو زندہ کرنے اور بدعت کو ختم کرنے کا بھی اہل ہو۔

جب حضرت فرید الدین گنج شکرؒ قرآن کریم حفظ کر چکے اور "نافع" کا سبق لے رہے تھے تو ان کے پیرو مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے ملتان سے دہلی روانہ ہوتے وقت اس گوہرِ نایاب سے فرمایا "پہلے علومِ ظاہری کی تکمیل کر لو پھر علومِ باطنی کے لئے میرے پاس دہلی چلے آنا۔"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ نے اپنے عزیز ترین مرید خواجہ اخی سراجؒ کو باوجود عرصہ دراز کی صحبت و تربیت کے اس وقت تک خلافت سے نہیں نوازا جب تک انہوں نے ظاہری علوم کی تعلیم مکمل نہیں کر لی۔

تعلیم اور تصنیف کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے یہی وجہ ہے کہ شجرہ طیبہ میں شامل اکابرینِ سلسلہ میں مصنفین کی کمی نہیں۔ فاضل مصنف کی طرح ان میں سے کچھ حضرات کے تو دیوان بھی محفوظ ہیں۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ کے پیر و مرشد اور جد امجد حضرت شیخ محمدؒ کی انتالیس [۳۹] تصانیف کا ذکر تو زیرِ نظر کتاب میں بھی ملتا ہے، جبکہ اس کتاب کے ترتیب دینے میں فاضل مصنف نے لگ بھگ نوّے [۹۰] کتابوں سے استفادہ کیا۔

کتابوں کی اہمیت کے بارے میں حضرت شیخ محمدؒ نے فرمایا کہ "تجربہ سے ثابت ہے کہ جو شخص مسلسل چالیس [۴۰] دن ہمارے مرشد شیخ حسن محمدؒ کے مزار پر حاضری دے یا اتنے ہی دن مراقبہ میں ان کی طرف متوجہ ہو وہ اپنے مقصد کو پا لیتا ہے۔ نیز جو شخص ہمارے مرشد یا شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی کتاب پر عمل پیرا ہو وہ بھی اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ مرشد کی کتاب سے بھی رہنمائی ملتی ہے"۔

جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں فارسی "مخزنِ چشت" کا یہ پہلا مکمل اردو ترجمہ $\frac{36 \times 23}{16}$ سائز کے تین سو بانوے [۳۹۲] صفحات [۱] پر محیط ہے۔ اگر ہر سطر میں چودہ [۱۴] اور خالی جگہوں اور سرخیوں کا خیال کرتے ہوئے ہر صفحہ میں دو سو نوے [۲۹۰] الفاظ مان لئے جائیں تو لفظوں کی کل تعداد ایک لاکھ تیرہ ہزار چھ سو اسّی [۱۱۳۶۸۰] بنتی ہے، جو اصل فارسی کتاب کے ساڑھے پچاسی ہزار [۸۵۵۰۰] الفاظ سے اٹھائیس ہزار ایک سو اسّی [۲۸۱۸۰] الفاظ یا لگ بھگ ۳۳ فی صد زیادہ ہے۔

لسانیات کے ماہر جانتے ہیں کہ لفظ بلفظ ترجمہ میں الفاظ کا اضافہ ناگزیر ہے، خصوصاً جب طرزِ تحریر کو جوں کا توں رہنے دیا جائے، عربی اقتباسات شامل کئے جائیں، فارسی اشعار کا اعادہ ہو اور اردو کے مروجہ اسلوب اور آداب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔

---

[۱] خالی جگہوں کے پیشِ نظر آٹھ [۸] صفحے چار سو [۴۰۰] میں سے منہا کر لئے گئے ہیں۔

نیز حوالہ جات بھی دیئے جائیں اور ترتیب کو بھی نہ چھیڑا جائے۔ دراصل یہی وہ خصوصیات ہیں جو زیرِ نظر ترجمہ کی مقبولیت کا باعث بنیں اور انہیں کی بدولت فاضل مصنّف اور مترجم و مرتّب کو مقبولیت کا یہ منفرد مقام ملا ہے۔

الحمد للہ مجھ خاطی وعاصی کے لئے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوگا کہ حسب سابق مخدومی جناب پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی دامت برکاتہٗ نے اس اشاعتِ دوم کی تیاری میں بھی باوجود میری تمام خامیوں اور کمزوریوں کے مجھے اپنا شریکِ کار ہونے کا امتیازی شرف بخشا اور میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائی وہ سراپا شفقت کے ساتھ لے کر چلنا کوئی ان سے سیکھے۔ تربیت کا یہ انداز پُر اثر بھی ہے اور باعثِ رحمت بھی۔ میں ان کی کرم فرمائیوں کا دِلی طور پر احسان مند ہوں۔ توسیع واشاعتِ سلسلہ کے اِس عظیم کام میں اللہ ربّ العزت بطفیل نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضراتِ خواجگانِ عظام انہیں برکت دے۔ آمین۔ اور مجھے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ ثم آمین۔

دو سال قبل جب "مخزنِ چشت" کا پہلا ملخّص ترجمہ شائع ہوا، جواب ختم بھی ہو چکا ہے تو گمان بھی نہ کیا جا سکتا تھا کہ اتنی جلدی اس قدیمی فارسی قلمی نسخہ کا پہلا مکمل اردو ترجمہ بھی دیکھنے میں آئے گا۔ صد شکر اس ذات والا صفات کا کہ جس نے نہ صرف مطلوبہ وقت، فاضل توفیق، جسمانی و روحانی صحت اور وافر استطاعت سے نوازا بلکہ علائقِ زمانہ کو بھی اس گرانقدر خدمت کے آڑے نہیں آنے دیا۔ اپنی کم مائیگی کو دیکھتے ہیں تو یہ امر اور بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ربّ العزت اور اس کے محبوب صلّی اللہ علیہ وسلّم سے پیار کرنے والوں کے کارہائے نمایاں کس خوش اسلوبی سے قائم و دائم رکھے جاتے ہیں۔ دراصل یہ کسی اور ہی نظام کے تابع ہیں۔ ضائع ہونا تو درکنار یہ تو وقت کے ساتھ ساتھ نئے سانچوں میں ڈھال دیئے جاتے ہیں تاکہ نت نئے روپ اور بہتر اسلوب میں ہر خاص و عام کے دِل کو گرما سکیں۔ یوں دعوت کا یہ اہم کام جو اللہ

کے دوستوں نے صدیوں پہلے شروع کیا تھا، جاری رہتا ہے اور رہے گا۔

اس تذکرہ کے مصنف اور اس کتاب میں جن اللہ کے پیارے بندوں کا ذکرِ خیر ہے، اُن کا بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہونے کا ادنےٰ ثبوت یہ ہے کہ اُن کے ذکرِ خیر کو بھی دوام حاصل ہے۔ سبحان اللہ کرامت کا یہ انداز اور وہ بھی بعد از وصال۔

سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ١٨٠ وَسَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ١٨١ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ١٨٢ (الصّٰفّٰت ۳۷)

مندرجات

مخزن چشت شرح سلسلہ چشتیہ بہشتیہ

خاکپائے چشت اہلِ بہشت
نور جہاں منیزہ چوہدری

"مخزن الچشت" کے جس خطی نسخہ سے یہ مکمل اردو ترجمہ پیش کیا جارہا ہے، اُس کے پہلے چار صفحات بطور تبرک شامل ہیں

رب یسر و لاتعسر

بسم الله الرحمن الرحیم

و تمم بالخیر

سپاس گوناگون و ستایش از حد افزون مر حضرت بیچون را که ملائکه مکرم
از جمله عالم بو قلمون نوع انسان را بجنس لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم
بنده ساخته و در خلعت خلافت انی جاعل فی الارض خلیفة بنواخته
و فرقش را بتاج تکریم و لقد کرمنا بنی آدم افراخته و دلش را بنوازش
الانسان سری و انا سره مخزن الاسرار گردانیده و روحش را بآرایش
و نفخت فیه من روحی آراسته گردانیده و درود نا محدود بران محمود
که وجود او باعث ایجاد کائنات است و علة غائی بنیاد جمیع ممکنات
و لولاک لما خلقت الافلاک و لولاک لما اظهرت الربوبیة شان اوست
و قاب قوسین او ادنی مقام او و هم بر آل ذوی الافضال و اصحاب
انجناب که هر یک رهنمائی امت اوست کما ورد فی الحدیث اصحابی کالنجوم

بایهم اقتدیتم اهتدیتم و بر تابعان و پیروان ایشان ما دام الایام واللیالی

علی التوالی باد اما بعد میگوید فقیر عاجز الراجی الی رحمة الله الملک المجید

امام بخش بن حافظ غلام فرید بن خواجه نور احمد بن قدوة العارفین

زبدة الکاملین سند الموحدین بندگی حضرت خواجه نور محمد غفر الله لهم

چون این سلسلهٔ چشتیه نظامیه فخریه که شجرهٔ طیبه اصلها ثابت و فرعها فی السماء

که مشتمل است بر دعا و متضمن است بر القاب و اسماء پیران عظام رضوان الله تعالی

علیهم اجمعین و بس مقبول است در میان انام هر خواص و عوام هر تمام مشایخ

عظام علی الدوام او را باین ترتیب ورد گردانیده و بغایت لذت

آمیز است و نهایت شوق انگیز و موجب حضور دل و جان و موجب سرور و ذوق

جان چنانچه بزرگی فرموده بیت هرکرا جاوید باید جنت الماوا بهشت

هر سحر با صدق خواند شجرهٔ پیران چشت و مؤلفش معلوم نیست اگر

کیست مگر مفهوم میشود شاید که کدام از مشایخ عظام در ابتدا باین

طریق تالیف نموده باشند و متاخران باستدعا دعا برحسب احباب

و حسب نسب مشائخ این طریقه را سابقه تصور نموده تصنیف کرده آمده باشند

ازان بعض دوستان حقانی و برادران ایمانی که طالبان فهم معانی و راغبان

سلک ایشان بودند باین ناتوان تجدید انساب الشمس آوردند و در تعیین القاب مشایخ
سلسله از حروف و حرکات و وجوه مناسبات و تواریخ اعراس بعضی
مناقب تشککی داریم اگر ترجیح آنها نموده آید بغایت مطلوب است و نهایت مرغوب
و این بیچاره که بمقتضای من احب شیئا اکثر ذکره اکثر نقد عمر گرانمایه در مطالعه
کتب مشایخ مصروف نموده و در اوقات خجسته بعبارت مطابق بصیرت ساخته
در احوال ایشان مصروف کرده از هر خرمن خوشه چیده و از هر گلشن
نسیمی شمیده بود ناچار دست دعا برای طلب توفیق بدرگاه بلا اشتباه
برداشته و همت ضعیف را برای انجامی آن برگماشته چند فوائد
و قصائص از کتب تواریخ معتبره مناسب احوال آن مشایخ با کمال
بوده نگاه داشته بعبارت بی تکلف برنگاشته مخزن الحجت موسوم ساخته
اما رجا واثق برادران با اهل و النش و منتسبان است که چون در وی
بعین عنایت نظر نمایند اگر خلافی رفته باشد از محمول بر اختلاف
روایات باید فرمود و اگر سهوی سرزده باشد از ذیل عفو پوشیده
باید نمود که الانسان لیسابق السهو والنسیان و این بیچاره نارسیده
را گوشه نظر مرحمت ما ترك محمود منسوب داشته بدعا خیر یاد و شاد
میفرمایند و ما توفیقی الا بالله العلی العظیم وهو بکل شیء علیم

مخزنِ چشت

مکمل اُردو ترجمہ

دیباچہ مصنّف

خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رب یسر ولا تعسر وتمم بالخیر

گوناگوں حمد و سپاس اُس ذاتِ باری کی جس نے اس رنگارنگ عالم میں انسان کو "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (بے شک ہم نے انسان کو بہتر صورت میں پیدا کیا۔) کے مطابق ایک حسین سانچے میں پیدا فرمایا۔ اس کے وجود کو "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" (بے شک میں زمین میں نائب پیدا کر رہا ہوں۔) کا لباس پہنایا۔ اس کے سر پر "ولقد کرمنا بنی آدم" (بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت عطا کی۔) کا تاج رکھا۔ اس کے دل کو "الانسان سری انا سرہ" (انسان میرا راز ہے میں اُس کا راز ہوں۔) کی عنایت سے اسرارِ الٰہی کا خزینہ بنایا اور اس کی رُوح کو "فنفخت فیہ من روحی" (اور اس میں میں نے اپنی رُوح پھونکی۔) سے سرفراز فرمایا۔

بے شمار درود ہوں، اُس ذاتِ حمیدہ صفات پر جس کا وجودِ گرامی اس کائنات کی تخلیق کا سبب بنا جو اس عالمِ کون و مکاں کی علتِ غائی اور مقصدِ اعظم ہیں۔ اور "لولاک لما خلقت الافلاک" اور "لولاک لما اظہرت الربوبیۃ" (اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا اور اگر آپ نہ ہوتے تو میں ربوبیت کا اظہار

نہ کرتا۔) جیسے الفاظ جس کی شان کے اظہار میں کہے گئے۔ نیز "قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" (دو کمانوں کا فاصلہ یا اس سے بھی کم۔) جس کا مقام شرف ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک رضی اللہ عنہم و اصحاب رضی اللہ عنہم پر جن میں سے ہر فرد اُمت کا راہنما ہے اور جن کے بارے میں حدیث شریف ہے کہ "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ" (میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین اور جان نثاروں پر، جب تک سلسلۂ شب و روز جاری ہے۔

اما بعد رحمتِ خداوندی کا یہ ناچیز اُمیدوار امام بخش بن حافظ غلام فرید بن خواجہ نور احمد بن قدوۃ العارفین، زبدۃ الکاملین، سند الموحدین حضرت خواجہ نور محمد عفر اللہ لہم، عرض کناں ہے کہ یہ سلسلہ چشتیہ نظامیہ فخریہ ارشادِ ربانی

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ

کے مطابق ایک ایسے پاکیزہ درخت کی مانند ہے، جس کی جڑیں زمین میں مستحکم اور جس کی شاخیں آسمان تک بلند ہیں۔ یہ سلسلہ کئی دعاؤں اور کئی پیرانِ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی اور القاب کی تفصیل پر مشتمل ہے۔ یہ سلسلہ ہر خاص و عام اور تمام مشائخ عظام میں بے حد مقبول ہے۔ اس میں بزرگانِ دین کے اسمائے گرامی کو اس خوبصورت انداز و ترتیب میں ورد بناتے ہیں، جس سے ذوق و شوق میں اضافہ ہوتا ہے، روحانی لذت حاصل ہوتی ہے، دل و جان کو ایک گونہ راحت و سکون نصیب ہوتا ہے اور اشتیاقِ الٰہی میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

ہر کرا جاوید باید جنت الماوٰی بہشت
ہر سحر با صدق خواند شجرۂ پیرانِ چشت

یعنی جو شخص بہشت میں جنت الماوٰی کا طالب ہو۔ اُسے ہر صبح پیرانِ چشت کا یہ شجرہ بطور ورد پڑھنا چاہیئے۔

اگرچہ اس شجرۂ پیرانِ چشت، کے مصنّف کے متعلق کوئی حتمی تعین تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کون صاحب تھے اور ان کا کیا نام تھا۔ تاہم یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے کسی بزرگ نے اسے تالیف کیا ہوگا۔ بعد میں متاخرین حضرات نے بزرگوں کے اسماء القاب اور مشائخ کے حسب و نسب کے اضافہ کے ساتھ اس طریقہ کو متصور سلیقہ کے ساتھ تصنیف کی شکل دے دی ہوگی۔

وجہِ تالیف مخزنِ چشت

میرے بعض مخلص احباب اور دینی بھائیوں نے مجھ ناچیز سے کہا کہ اس سلسلہ کے مشائخ عظام کے بعض القاب مثلاً حروف و حرکات، وجوہِ مناسبات، تواریخِ اعراس (عرسوں کی تاریخیں) اور بعض مقامات و مناقبات میں کچھ شکوک پائے جاتے ہیں اس لئے اگر آپ اُن کی ایک جامع شرح لکھ دیں، تو بہت مفید و مطلوب و مرغوب ہوگی۔ اِدھر میری اپنی یہ حالت کہ بمصداق "مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ" (انسان جس سے محبت کرتا ہے۔ اکثر اس کا ذکر کرتا ہے۔) میری پوری زندگی بزرگانِ دین اور مشائخِ عظام کی کُتب کا مطالعہ کرتے اور ان کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لیتے ہوئے بسر ہوئی۔ اور اکثر ان کے حالات پر چشمِ بصارت کے ساتھ چشمِ بصیرت بھی منعطف ہوئی۔

مَیں نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی اور ہر باغ کی خوشبو سے دماغ معطّر کیا۔ بالآخر درگاہِ ایزدی میں دستِ دُعا برائے توفیق و ہمّت دراز کیا اور ان مشائخ کے حالات کی مناسبت سے متعدّد مفید اور معتبر واقعات تاریخ سے اخذ کئے اور احباب کے اصرار کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کر لیا۔ ان مشائخ کے حالات اور تعلیمات کو جمع کرنے کے بعد سادہ عبارت میں تحریر کر کے اس کتاب کا نام "مخزن الچشت" رکھا

مجھے اربابِ بصیرت سے امید واثق ہے کہ وہ اس کتاب کو نظرِ عنایت سے ملاحظہ فرمائیں اور اگر اس کتاب میں دیگر کتب سے کوئی مختلف بات نظر آئے، تو

اسے اختلافِ روایات پر محمول فرمائیں۔ کہ "اَلْاِنْسَانُ مُرَکَّبٌ مِنَ السَّهْوِ وَالنِّسْيَانِ" کے مطابق انسان بے چارہ سہو و خطا کا پتلا ہے۔ اس لئے اگر کوئی غلطی نظر آئے تو اسے میری بشری کمزوری سمجھتے ہوئے درگزر فرمایا جائے۔ میری درخواست ہے کہ قارئینِ کرام اس بندۂ ناچیز کو اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

"وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمٌ" (اور میری توفیق تو صرف اس پروردگار کی عطا کردہ ہے جو بلند مرتبت اور عظیم ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔)

اس سلسلہ کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کلام خداوندی، فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس کا آغاز "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" سے کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد فھٰذہ سلسلتی من مشائخی فی الطریقۃ الچشتیۃ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ؕ

شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اس میں "با" بطور طلب اعانت یا بطور مصاحبۃ استعمال ہوئی ہے۔ با، حرف جار ہے۔ جار اور مجرور متعلق بفعل محذوف ہیں جو کہ ابتدا ہے اور حذف کر دیا گیا ہے۔ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض اس کو مقدم سمجھتے ہیں چنانچہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے "سبحۃ الابرار" میں فرمایا ہے۔

ابتدا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم المتوال الاحسان ؛

بعض اس کو مؤخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اصل میں عبارت یوں تھی: "بسم اللہ ابتدءُ" یعنی میں اللہ تعالیٰ کے نام نامی سے ابتداء کرتا ہوں۔ ابتدءُ کا لفظ بعد میں تھا جو حذف کر دیا گیا۔

جب مفعول فعل سے مقدم کیا جائے تو حصر اور اختصاص کا معنی پایا جائے گا یعنی اس کا ترجمہ یوں ہوگا کہ میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتداء کرتا ہوں، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "ایاک نعبد وایاک نستعین" کہ وہاں بھی حصر کا مفہوم پایا جاتا ہے، جس کا معنی ہے کہ اے اللہ! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی اعانت کے طالب ہیں۔

مزید براں اس میں مشرکین کی تردید کی گئی ہے کہ وہ ہر کام کی ابتداء لات وعزیٰ کے نام سے کرتے تھے؛ بنو شقیق قبیلہ جب بھی کوئی کام کرتا تو وہ ایک ایسے بت کے نام سے آغاز کرتا جس کو وہ لات کہتے تھے اور جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے۔ عزیٰ اعز سے مؤنث ہے اس کا لفظی معنی ہے غالب ترین۔ لیکن

اس نام کا ایک بُت بھی تھا۔ مشرکین مکّہ میں سے قبیلہ غطفان نے ایک درخت کا نام بھی عزّیٰ رکھا ہوا تھا۔ جس کی وہ نہ صرف پرستش کیا کرتے تھے بلکہ اس کے قریب بطور حصولِ تبرک انہوں نے بُت خانہ بنا رکھا تھا۔ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ اس بُت خانے کو تباہ کر دیں۔ جیسا کہ مدار اور منتخب میں مذکور ہے۔

اِسم کی تشریح سالکانِ طریقت کے نقطۂ نظر سے

اسم کا لفظی معنی ہے، نام۔ لیکن سالکین کی اصطلاح میں اسم، وہ لفظ ہے جو ذاتِ مسمّیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ کبھی بطور صفتِ وجود یہ استعمال ہوتا ہے، جیسے علیم اور قدیم میں صفات وجودی پائی جاتی ہیں۔ اور کبھی بطور عدمیہ، جیسے قدّوس اور سلام کے اسماء ہیں۔ ایک بزرگ نے کہا ہے۔ بیت:

عارفانے کہ علم ما دانند — صفت و ذاتِ اسم را خوانند

(یعنی وہ عارف جو ہمارے علم سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اسم کی ذات وصفت کا ورد کرتے ہیں۔ جیسا کہ کشف اللغات میں ہے)

لفظ "اسم" دراصل سِمْوٌ تھا جس کا معنی بلندی اور رفعت ہے۔ مگر بصرہ کے علماء کا خیال ہے کہ اس کی اصل صورت سَمَا، یَسْمُوٌ ہے۔ اسی طرح جس طرح عَلَا یَعْلُوٌ ہے۔ گویا یہ فعل ناقص واوی ہے۔ چونکہ واوُ پہ پیش کو پڑھنا زبان پر ثقیل گذرتا ہے اس لئے گرا دیا گیا ہے۔ اور بسبب التقاءِ تنوین واؤ کو حذف کر کے سین کے کسرہ کو میم کی طرف منتقل کر دیا گیا ہے۔ تاکہ صحیح طور پر وقف ہو سکے۔ اب چونکہ پہلے لفظ کو ساکن قرار دے کر پڑھنا ناممکن ہوا اس لئے اس کی ابتداء میں ہمزہ وصل کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

علمائے کوفہ کے نزدیک اسمٌ دراصل وسم تھا اور اس کا باب وسم یوسم مثال واوی ہے۔ وسم، کا معنی ہوتا ہے نشان لگانا یا داغ دینا۔ لیکن بعد میں

صرفیوں کے قاعدہ وشاح کے مطابق واؤ کو الف سے مبدّل کر دیا گیا۔ کیونکہ ہر وہ لفظ جو واؤ مکسورہ سے شروع ہو اس کی واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا جاتا ہے اور کثرت استعمال کے سبب ہمزہ قطعی کو وصلی بنا دیا گیا۔ اس ضمن میں مَیں نے حضرت مولانا نور محمد مدقق سے استفادہ کیا ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ "بسم اللہ" فی الحقیقت "باسم اللہ" تھا تو پھر اس میں سے ہمزہ کیوں حذف کر دیا گیا؟

جواب: چونکہ بسم اللہ کی کثرتِ استعمال مکمل اختصار کا تقاضا کرتی تھی اور یہ ہمزہ کو حذف کئے بغیر حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے قرأت وکتابت میں اسے حذف کر دیا گیا۔

سوال: اگر کہا جائے کہ کوئی لفظ بغیر کسی قرینہ کے حذف نہیں کیا جاتا۔ آخر یہاں ہمزہ حذف کرنے کا کیا قرینہ ہے؟

جواب: میں کہتا ہوں "بسم اللہ" کی باء کا طول اس کے حذف کا قرینہ ہے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ "باللہ الرحمٰن الرحیم" سے بھی مفہوم بخوبی ادا ہو جاتا ہے۔ تو اسم کے اضافہ کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اگر "باللہ" ہوتا تو شبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید یہ باء قسمیہ ہے۔ حالانکہ دراصل یہ باء قسمیہ نہیں بلکہ بائے استعانت ہے۔ چنانچہ اسم کے اضافہ کرنے سے اس قسم کے شبہ وشک کا قطعاً کوئی امکان باقی نہ رہے۔

لفظِ اللہ کی تحقیق

"اَللّٰہ" خدائے بزرگ و برتر کا وہ نام ہے جو تمام تعریفوں کا جامع ہے اور جس میں کمال کی تمام صفات پائی جاتی ہیں۔ اس لفظ میں کئی طرح کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اسے عربی لفظ کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ کچھ اہلِ علم کا خیال ہے کہ یہ لفظ اسم ہے اور کچھ کا خیال ہے کہ یہ صفت ہے۔ نیز چند علماء اسے مشتق قرار دیتے ہیں اور دیگر چند علماء کا

موقف یہ ہے کہ یہ لفظ غیر مشتق ہے۔ کچھ حضرات اسے عَلَم یعنی ذاتی نام قرار دیتے ہیں۔ اور کچھ غیر علم سمجھتے ہیں۔

لفظ اللہ، دراصل "الاِلٰہ" تھا۔ دوسرے ہمزہ کو حذف کر کے دونوں لاموں میں ادغام لازم کیا گیا ہے۔ اگر ہمزہ کا حذف بموجب قیاس ہے تو ادغام کا وجوب غیر قیاسی ہے۔ اور اگر اس کے برعکس ہے۔ یعنی غیر قیاسی ہے تو ادغام قیاسی ہے۔ بہر حال یہ غیر قیاسی ہے کہ اس کا مسمّٰی بھی قیاس سے ماوراء ہے۔ لفظ "اللہ" میں ایسے خواص پائے جاتے ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اس کے مسمّٰی میں وہ خواص ہیں، جو کسی اور میں نہیں۔ (افادہ مولانا عصمت اللہؒ)

اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ :- جس طرح نَدِمَ سے ندمان اور ندیم بطور صفت مشبہ استعمال ہوتے ہیں۔ بعینہٖ رَحِمَ سے رحمٰن اور رحیم بھی صفت مشبہ ہیں۔

سوال :- صفت مشبہ تو ہمیشہ فعل لازم سے آیا کرتی ہے لیکن رحم تو فعل متعدّی ہے۔ اس سے صفت مشبہ کیسے بن گئی۔

جواب :- فعل متعدی بھی کبھی کبھی فعل لازم ہو جایا کرتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اس فَعِلَ متعدّی کو فعل لازم کی طرف ضم العین کے ساتھ منتقل کر دیا جاتا ہے اور پھر اس سے صفت مشبہ کا اشتقاق کر لیا جاتا ہے اور یہ مدح و حمد میں عام ہے۔ جیسے "تصریف المفتاح" میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے۔

"رحمٰن" کا لفظ خاص ہے یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی شخص کو رحمٰن نہیں کہا جا سکتا۔ مگر معنوی لحاظ سے یہ عام ہے۔ یعنی رحم کرنے والی وہ ذات جس کی رحمت بے پایاں اور عام ہے۔ اور رحیم کا لفظ عام ہے۔ اسے اللہ کے سوا بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسے کہ قرآن پاک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ" نبی مومنوں کے لئے رؤف بھی ہے رحیم بھی ہے۔ مگر معنوی لحاظ سے یہ لفظ خاص ہے۔ اور اس

کا معنی ہے کہ وہ صاحب رحمت ہے اور اس کی رحمت مومنوں کے لئے مخصوص ہے۔
جیسے کہ فرمانِ الٰہی ہے "وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا" (اور اللہ ایمان والوں پر رحم فرمانے والا ہے۔)

سوال:۔ "رحمٰن" کو "رحیم" سے پہلے کیوں لایا گیا ہے۔

جواب:۔ "رحمٰن" کا لفظ اپنے مخصوص معنی میں لفظ اللہ کے مشابہ ہے۔ اس لئے "اللہ" کے فوراً بعد "رحمٰن" لایا گیا۔ نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "رحمٰن" کا تعلق اس موجودہ دنیا کے ساتھ ہے مگر "رحیم" کا تعلق اگلی دنیا کے ساتھ ہے۔ چونکہ یہ دنیا اگلی دنیا سے مقدم ہے اس لئے اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے لفظ کو بھی مقدم کیا گیا ہے۔

اسماءِ الٰہی کی تعداد

:۔ "تفسیر بحر المواج" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں۔ ان میں سے ایک ہزار اسماء کا علم تو فرشتوں کو ہے۔ دوسرے ہزار کا علم فقط انبیاء علیہم السلام کو دیا گیا۔ اور تیسرے ہزار اسماء کا ذکر اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتب میں آیا ہے۔ چنانچہ تین سو اسماء تورات میں تین سو انجیل میں، تین سو زبور میں اور ننانوے اسماء کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ اور ان کا علم مومنین کو دیا گیا۔ ان تین ہزار اسماء میں سے اب صرف ایک نام بچ گیا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کے ان تین اسماء یعنی اللہ۔ رحمٰن، اور رحیم کو بسم اللہ شریف میں لانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ یہ تین اسماء دراصل اللہ کے ان تین ہزار اسماء کی ترجمانی کرتے ہیں نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بنو اسرائیل کے تین گروہ تھے۔ جو اللہ رب العزت کو ان تین اسماء کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ تین طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے طالب ہیں ان کے لئے لفظ اللہ ہے۔ وہ جو دنیا کے طلبگار ہیں ان کے لئے رحمٰن ہے۔ تیسرا گروہ، جو عقبیٰ کا طالب ہے، اس کے لئے رحیم کا

کا لفظ ہے۔

دفع مصائب کیلئے عمل:-

حضرت شاہ صاحب شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ مرقع شریف میں لکھتے ہیں، کہ جو شخص کسی ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے جو کسی طور پر بھی دفع نہیں ہو رہی ہو تو اسے چاہیئے کہ بروز جمعہ بعد از نمازِ عصر "یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم" کا وظیفہ شروع کرے اور غروبِ آفتاب تک یہ وظیفہ کرتا رہے اور کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہو تو اس کی مصیبت دور ہو گی۔

بسم اللہ کے فوائد:-

بزرگانِ سلف نے اپنی کتب میں تسمیہ یعنی بسم اللہ کے بے شمار فوائد درج کئے ہیں۔ "درّ النظیم" میں ایک حدیث منقول ہے کہ جو شخص خلوصِ قلب سے ایک بار بسم اللہ پڑھتا ہے۔ ہر حرف کے بدلے چار ہزار نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں درج کی جاتی ہیں۔ اور چار ہزار برائیاں اس کے نامۂ اعمال سے محو کر دی جاتی ہیں۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ دوزخ کے کل انیس زبانیہ یعنی عذاب کے فرشتے ہیں۔ (بعنی شعلہ) اور بسم اللہ کے حروف بھی انیس ہیں۔ چنانچہ بسم اللہ کے ہر ہر حرف سے ایک ایک زبانیہ ختم ہو جاتا ہے۔

روایت ہے کہ گناہ کی چار قسمیں ہیں۔ کچھ گناہ ظاہری ہیں اور کچھ باطنی، کچھ گناہ دن میں سرزد ہوتے ہیں اور کچھ رات کو اور بسم اللہ کے بھی چار کلمات ہیں۔ چنانچہ ان چار کلمات کے پڑھنے سے یہ چاروں طرح کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ مرقع شریف میں فرماتے ہیں کہ حروفِ ابجد کے لحاظ سے بسم اللہ کے اعداد سات سو ستاسی بنتے ہیں۔ بشرطیکہ الرحمٰن کی الف بھی شمار کی جائے۔ تو اگر بسم اللہ کو اتنی تعداد میں اتنے دن خلوصِ قلب سے ورد کیا جائے تو جس مقصد کے لئے بھی یہ ورد کیا جائے وہ مقصد پورا ہو گا۔

ابو بکر سراج قدس اللہ سرہٗ نے بعض مشائخ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص

چھ سو چھیس بار بسم اللہ کو لکھ کر اپنے پاس رکھے وہ لوگوں کی نظر میں محترم ہو گا اور دشمن اُسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔

بعض شیوخ نے لکھا ہے کہ اگر بارہ ہزار بار بسم اللہ اس طرح پڑھی جائے کہ ہر ہزار بار پڑھنے کے بعد دو رکعت نفل پڑھے جائیں اور عمل ختم کرنے کے بعد رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجا جائے تو یہ عمل جس مقصد کے لئے کیا جائے وہ مقصد پورا ہوتا ہے اور ہر حاجت روا ہوتی ہے۔

ایک بزرگ نے لکھا ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر پانی پر دم کیا جائے اور مریض کو وہ پانی پلایا جائے تو اس کا بخار یا مرض دُور ہو جائے گا اور ان شاء اللہ شفا حاصل ہو گی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ :- اہلِ سُنّت والجماعت کے نزدیک الحمد میں الف لام برائے جنس یا برائے استغراق ہے۔ یعنی ہر طرح کی حمد صرف اللہ کے لئے ہے۔ اور ہر حمد کرنے والا خواہ وہ کسی بھی قابلِ حمد بات پر حمد کرے۔ ہر ہر نعمت کی حمد ہر صفتِ کمال کی حمد ہر معنی اور ہر سبب سے ہونے والی حمد۔ ہر وقت اور ہر مقام کی حمد۔ ازل سے لیکر ابد تک کی حمد بلا کسی انقطاع اور وقفہ کے صرف اللہ کی ذات کے لئے ہی خاص ہے۔

حمد کا معنی اور مطلب :- حمد کسی عمدہ اور خوبصورت کام پر جمیل و حسین انداز میں تعریف کا نام ہے۔ جس سے محمود کی عظمت کا اظہار نمایاں ہو۔

صوفیہ کے نزدیک حمد کا مفہوم :- صوفیاء کے نزدیک بھی حمد کا مفہوم یہ ہے کہ ذات محمود کے اوصاف وصفات کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ اس محمود کی عظمت وجلال آشکارہ ہو جائے۔ حمد کی چار قسمیں ہیں۔

① اوّل: مقامِ جمع بر جمع۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

وے عشق نشان بے نشانی میگفت
اسرارِ کمالِ جاودانی میگفت
اوصافِ جمالِ خویشتن بے من و تو
باخود بزبان بے نشانی میگفت

② دوم: مقامِ جمع بر فرق۔ چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

عشق است غنی ز بودہ و نابودہ
جاوید بمستقر عز آسودہ!
رخ عکس خود زاین و آں بنمودہ
وانگہ بجمالِ حسن شان بستودہ

③ سوم: مقامِ فرق بر جمع۔ ایک قائل فرماتے ہیں:

خوباں کہ فریبِ عقل جانند ہمہ
در عشقِ تو شہرۂ جہانند ہمہ
ہر چند بحسن داستانند ہمہ
اوصاف و شمائلِ تو خوانند ہمہ

④ چہارم: مقامِ فرق بر فرق۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے:

ہر صبح کہ میزنند مرغانِ چمن
گلبانگ جمال سوزی و سرو و سمن
باشد ہمہ وصف شاہِ خوبانِ زمن
کاید نہ زباں شان بگوشِ دلِ من

(بحوالہ تصانیف مولانا جامیؒ)

متکلمین کے نزدیک حمد کا مفہوم

۲۔ متکلمین کے نزدیک حمد ایک

ایسا فعل ہے جو نعمت عطا کرنے والے کی نعمت کا مظہر ہوتا ہے۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:

اوّل: حمدِ قلبی یعنی مُنعم کی نعمت کا دل کی گہرائیوں سے اعتراف کیا جائے۔

دوم: حمدِ لسانی یعنی منعم کی عطا کردہ نعمتوں کا زبان سے اظہار کیا جائے۔

سوم: حمدِ جوارح، یعنی منعم کے احکام کی اطاعت پورے جسم اور بدن سے کی جائے۔

لِلّٰہِ: لِلّٰہِ میں لام، حصر کا ہے، یعنی ہر قسم کی حمد صرف اور صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں، جیسا کہ صاحبِ کشاف نے صراحۃً کہا ہے۔

رَبِّ: رَبّ یا تو مصدر ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت کا اظہار بصیغۂ مبالغہ مقصود ہے۔ جیسے زیدٌ عدلٌ میں صفتِ عدالت کا مبالغہ مراد ہے۔ یا یہ صفتِ مشبّہ ہے اور یا اسم فاعل۔

سوال:۔ رَبّ کا لفظ فعل متعدّی ہے جبکہ صفت مشبّہ صرف فعل لازم سے آتی ہے۔ اسی طرح اسم فاعل بھی عربی زبان میں اس وزن پر نہیں آیا۔

جواب:۔ باب مدح و ذم میں فعل متعدّی سے صفت مشبّہ کا اشتقاق جائز ہے۔ یہ اسم فاعل بھی ہو سکتا ہے کیونکہ رَبّ دراصل راب تھا۔ درمیانی الف کو تخفیف کے لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ رَبّ کا اسم اللہ کے سوا استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اگر رَبّ کسی کی طرف مضاف کر دیا جائے تو پھر انسان کے لئے بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ مثلاً رَبّ الدار، ربّ المال، یعنی مکان کا مالک۔ مال کا مالک۔

عٰلَمِین:۔ عالَم کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر وہ چیز جو کائنات میں ہے خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان، اس پر عالم کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

چنانچہ مولانا جامیؒ نے فرمایا ہے:

جہاں یکسر چہ ارواح و چہ اجسام
بود شخصِ معیّن عالمش نام

اور عالمین کو بصیغہ جمع اس لئے لایا گیا کہ اس میں تمام افراد و انواع شامل ہیں۔
عالم کی وجہ تسمیہ:۔ عربی زبان میں فاعل وہ ہے جس کے ذریعے فعل انجام پائے۔
جیسے خاتم اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے۔ قالب اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ الٹ پلٹ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح عالم وہ ہوتا ہے جسکے ذریعے صانع اور بنانے والے کا علم ہو۔ مگر بعض کا خیال ہے کہ عالم اصل میں علم تھا۔ اشباع کی خاطر اس میں الف کا اضافہ کر دیا گیا۔

وَالعَاقِبَۃُ:۔

ہر بعد میں آنے والی چیز یا آخر کار کو عاقبۃ کہا جاتا ہے۔ فرزند اور نیکی کو بھی عاقبت کہا جاتا ہے۔ (کشف اللغات) یہاں جہانِ آخر کی بہتری مراد ہے۔ اور در اصل یہ ایسا مقام بلند وارفع ہے جو متقین کے لئے مخصوص ہے جیسے کہ ارشادِ الٰہی ہے "اِنَّ خَیرَ الزَّادِ التَّقوٰی" (بے شک بہتر زادِ سفر تقویٰ ہے۔)

لِلمُتَّقِین:۔

متقین متقی کی جمع ہے اور اِتَّقٰی یَتَّقِی سے اسم فاعل ہے یعنی پرہیزگار لوگ۔ وہ لوگ جو ہر دم اپنے نفس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھیں جو شرعاً نقصان دہ ہوں۔ تفسیر حسینی میں متقی کی چار علامات ذکر کی گئی ہیں۔

متقی را بود چہار نشان
حفظ ارکان شرع اول دان
ثانیاً آنچہ دسترش باشد
بر فقیراں دبیکساں باشد
عہد را با وفا کند پیوند
ہر چہ باشد بداں بود خورسند

یعنی پہلی یہ کہ وہ شخص احکامِ شرعی کا پابند ہو۔ دوم مفلوک الحال اور مسکینوں کی خبر گیری اور امداد کرے۔ سوم وعدہ وفائی کا پابند ہو چہارم اس کے ساتھ خدا جو سلوک بھی کرے وہ اس پر خوش رہے۔

سوال :۔ اس جملہ کا سابقہ جملہ پر عطف ہے معطوف اور معطوف الیہ۔ اس لئے ان دونوں میں کوئی نہ کوئی مناسبت ہونا ضروری ہے؟

جواب :۔ یہاں "والعاقبۃ" میں واؤ عاطفہ نہیں بلکہ واؤ اعتراضیہ ہے یعنی دو جملوں کو آپس میں جدا کرنے والی ہے۔ "ربّ العلمین" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام عالمین کے ساتھ مربیانہ سلوک کرے گا۔ تو ظاہر ہے کہ اس اعلان کے سننے سے آدمی مغرور ہو جاتا ہے اور عملِ صالح کرنے کی زحمت نہیں کرتا۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے "والعاقبۃ للمتقین" کے عطف سے ان کا یہ غرور اور وہم دور کر دیا کہ جہانِ آخر اور اس کی نعمتیں صرف متقین کو عطا کی جائیں گی۔

سوال :۔ "وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ" کے جملہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ مبارک سے پہلے لایا گیا ہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسبِ فیض کئے بغیر کوئی شخص متقی نہیں بن سکتا۔

جواب :۔ یہ جملہ ثنائیہ نہیں بلکہ دراصل جملہ دعائیہ ہے اور اس طرح دو بار رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ایک بار متقین کے ضمن میں اور دوسری بار رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ذکر میں۔ کیونکہ درود وسلام بھی دعا ہی ہے۔

سوال :۔ متقین کو تو دعا کی حاجت ہی نہیں ہوتی۔

جواب :۔ یہ اعتراض تو پھر درود شریف پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ تو جو جواب آپ کا ہوگا وہی جواب ہمارا ہے۔

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ

صلوٰۃ : لفظ "صلوٰۃ" مصدر "تصلیۃ" کے قائم مقام اسم ہے، اگرچہ یہ مصدر آج کل متروک ہے۔ جبکہ "صَلَّیت صَلوٰۃ" مستعمل ہے۔ اور "تصلیۃ" مستعمل نہیں ہے جیسا کہ "الصحاح" میں ہے "نہایۃ" میں ہے کہ صلوٰۃ کا مفہوم دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی مقبولیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی بقاء ہے اور آخرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی قبولیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر میں کئی گنا اضافہ ہے۔

مشہور ہے کہ اگر "صلوٰۃ" کے لفظ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کا معنی رحمت ہے، اگر نسبت بندوں کی طرف ہو تو معنی دعا ہے اور اگر نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کا معنی تسبیح ہے۔

"درایۃ النحو" میں ہے کہ "صلوٰۃ" میں الف واؤ کا بدل ہے اور یہ درست ہے مگر واؤ لکھ کر اس کے اوپر الف لکھ دی جائے کہ اس کو واؤ کے ساتھ لکھنا اس لفظ کی تکریم و تعظیم کے طور پر ہے۔ قرآن پاک میں بھی "وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ" (اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں) الف کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

وَالسَّلَامُ :

سلامۃ مصدر سے مشتق ہے جس کا معنی ہے کہ ہر عیب و نقص سے سالم اور پاک (حصن حصین)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بغیر سلام کے مکروہ ہے۔ اسی طرح صرف سلام بغیر صلوٰۃ بھی مکروہ ہے۔ کیونکہ ارشاد الٰہی ہے "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" (یعنی اے ایمان والو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور بھر پور سلام) یہاں صلوٰۃ اور

سلام دونوں کا ذکر موجود ہے۔ لیکن متاخرین کا مسلک ہے کہ صلوٰۃ کا بغیر سلام کے اور سلام کا بغیر صلوٰۃ کے ذکر کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔ اور آیت مذکورہ میں صلوٰۃ وسلام جو بریک حکم مذکور ہوئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونوں کو بیک وقت کرنا ضروری ہے کہ واؤ صرف جمع کے لئے ہے۔

علماءِ جمہور کا مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔ البتہ اس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری زندگی میں ایک بار واجب ہے اور باقی مستحب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نماز میں پہلے تشہد کے بعد سُنّت ہے اور دوسرے تشہد میں واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ ویسے تو درُود پڑھنا واجب ہے لیکن نماز میں اس کا پڑھنا سُنّت ہے۔

جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی آتے تو کیا ہر بار درُود پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض ائمہ کا خیال ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے یا سُنا جائے تو درُود پڑھنا واجب ہے۔ اور اس کا ترک تو وعید و عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ حنفی علماء میں سے بعض کا خیال ہے کہ ایک مجلس میں ایک بار درُود پڑھنا واجب ہے اور باقی مستحب ہے۔ اس پر ہی فتویٰ ہے (مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات)

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا صلوٰۃ وسلام کے الفاظ انبیاء کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔ جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام فقط انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ غیر انبیاء کے لئے جائز نہیں ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درُود بھیجنے کے بعد تبعاً جائز ہے۔ دُرِ مختار میں تصریح ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کے سوا کسی کے لئے صلوٰۃ وسلام کا استعمال جائز نہیں ہاں تبعاً جائز ہے۔ امام السیوطی نے بھی صرف تبعاً جائز قرار دیا ہے۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ اگر صلوٰۃ وسلام انبیاء کے سوا کسی دوسرے کے لئے ممنوع ہے تو یہ ممانعت کس نوعیت کی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اور بعض دیگر علماء کا خیال ہے کہ یہ عمل مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہے۔ "ذخیرۃ" میں مذکور ہے کہ یہ عمل مکروہ ہے۔

درود شریف کے فوائد

درود شریف کے بے شمار فوائد کتابوں میں درج ہیں۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ مِنْ اُمَّتِیْ کُتِبَتْ لَہٗ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّ مُحِیَتْ عَنْہُ عَشْرُ سَیِّاٰتٍ ط

(یعنی جو شخص میری امت میں سے مجھ پر ایک بار درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھ دیتا ہے اور دس برائیاں مٹا دیتا ہے)
ایک اور حدیث ہے۔

مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ کِتَابٍ لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلَیْہِ مَادَامَتْ اِسْمِیْ فِیْ ذٰلِکَ الْکِتَابِ ط

(یعنی جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے گا تو جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا، فرشتے اس کاتب کے حق میں دعا کرتے رہیں گے۔)

حضرت ابو سلمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۰۵ھ) جو ایک مشہور بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ اس کی حاجت پوری ہو، اسے بکثرت درود پڑھنا چاہیئے۔ کثرت سے مراد یہ ہے کہ درود پاک ہمیشہ پڑھا جائے اس میں غفلت نہ برتی جائے۔ مولانا شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح شفا" میں لکھا ہے کہ بکثرت پڑھنے کی کم از کم مقدار تین سو تیرہ بار پڑھنا ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ اس تعداد میں اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر رکھی ہے کہ یہ عدد جہاں بھی ہو گا وہیں فلاح و کامیابی ہو گی۔ اس لئے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسّلام میں تین سو تیرہ رسُول ہیں۔ نیز شرکائے بدر کی تعداد بھی یہی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دشمن کی کثیر تعداد اور کثرتِ اسلحہ کے باوجود فتح عطا فرمائی۔ قرآن پاک کے دوسرے پارہ کے آخر میں طالوت و جالوت کا واقعہ ہے حضرت طالوت نے تین سو تیرہ ساتھیوں کی مدد سے ہی جالوت کو شکست دی تھی۔

بعض بزرگوں نے روایت کیا ہے کہ جو شخص چاہے کہ اس کی دُعا قبول ہو اُسے چاہیئے کہ دُعا کے اوّل آخر میں درُود شریف پڑھے، دُعا مستجاب ہو گی وگرنہ انسان جو بھی نیک عمل کرتا ہے اس کے متعلق احتمال ہو سکتا ہے کہ خُدا اسے قبول کر لے یا اس عمل کرنے والے کے غرور یا ریاکاری کے باعث اپنی کبریائی اور جلال کے تقاضے کے تحت اسے مسترد کر دے۔ کیونکہ ایک نیکی میں جن امور اور آداب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، ان میں اکثر باتیں رہ جاتی ہیں۔ لیکن درُود شریف ایک ایسی دُعا اور عبادت ہے جو بہر حال مقبول ہوتی ہے لہٰذا اس مقبول دُعا کے درمیان اگر انسان کوئی دُعا کرے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اسے بھی درُود شریف کے وسیلہ سے قبول فرمائیگا۔ خواہ دُعا مانگنے والا نیکوکار ہو یا بدکار ہو۔ (مزرع الحسنات)

رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے۔

(۱) مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ غُفِرَتْ لَہٗ خَطِیْئَۃُ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً۔

(۲) مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ تَعْظِیْمًا لِحَقِّیْ خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ ذَالِکَ الْقَوْلِ مَلَکًا لَہٗ جَنَاحٌ بِالْمَشْرِقِ وَالْاٰخَرُ بِالْمَغْرِبِ وَرِجْلَاہُ مَقْرُوْنَتَانِ فِی الْاَرْضِ السَّابِعَۃِ السُّفْلٰی وَعُنُقُہٗ مُلْتَوِیَۃٌ تَحْتَ الْعَرْشِ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَزَّوَجَلَّ لَہٗ صَلِّ عَلٰی عَبْدِیْ کَمَا صَلّٰی عَلٰی نَبِیِّیْ فَھُوَ یُصَلِّیْ عَلَیْہِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔

(۳) من صلّٰی علیّ مرّۃً واحدۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ مَرَّۃٍ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عَشْرَ مَرَّۃٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ ومن صلّٰی علی

مِائَتَہ مَرَّۃً صلی اللہ علیہ الف مرۃ ومن صلی علی الف مرۃ حرّم اللہ جسدہٗ علی النار

(یعنی جو شخص جمعہ کے روز سو بار مجھ پر درود بھیجے گا، اللہ تعالیٰ اس کے اسی سالہ گناہ معاف فرمادے گا۔ اور دوسری حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص میری تعظیم کے پیشِ نظر مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایک بار درود شریف پڑھنے سے ایک ایسا فرشتہ پیدا فرماتا ہے جس کا ایک بازو مشرق میں اور دوسرا مغرب میں چھایا ہوتا ہے۔ اس کے قدم ساتویں زمین میں گڑے ہوتے ہیں اس کی گردن عرش کے قریب پہنچی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ جس طرح میرے فلاں بندے نے میرے نبی پر درود بھیجا ہے اس طرح تم بھی قیامت تک اس شخص کے حق میں مسلسل دعا کرتے رہو چنانچہ وہ فرشتہ دعا کرتا رہتا ہے۔ اور تیسری حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کرتا ہے اور جو شخص سو بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر ایک ہزار رحمتیں نازل کرتا ہے اور جو شخص ایک ہزار بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام کردیتا ہے۔ (دلائل الخیرات)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "جذب القلوب" میں لکھا ہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو تلاش کے باوجود مرشدِ کامل نہ مل سکے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا کرے۔ اس عمل سے وہ خدا تک پہنچ جائے گا۔ نیز "خلاصۃ الفوائد" میں مذکور ہے کہ حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، فخر الاولین والآخرین محب النبی مولانا فخر الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دہلی تشریف لانے سے پہلے میاں فتح محمد صاحب نے جو کہ دہلی کے ایک بزرگ تھے، ایک لاکھ پچیس ہزار درود شریف بطور زکوٰۃ پڑھنے کو فرمایا تھا۔ ابھی

آپ کا عمل مکمل نہیں ہوا تھا کہ ان کا دلی مقصد پورا ہو گیا اور حاجت پوری ہو گئی یعنی حضرت مولانا صاحبؒ دہلی تشریف لے آئے اور حضرت قبلہ عالمؒ بیعت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

بزرگوں نے تاکید کی ہے کہ درود پڑھتے وقت جسم اور لباس پاک ہونا چاہیئے عطر استعمال کیا جائے اور مسواک کر کے منہ صاف کر لیا جائے۔ "مرزع الحسنات" میں بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص درود پڑھتا ہے تو فرشتے اس کا نام اور اس کے والد کا نام حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر کے عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں بن فلاں نے آپ کے حضور درود و سلام عرض کیا ہے۔ اس سے زیادہ شرف و عزت بھلا اور کیا ہو سکتی ہے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلِ مقدسہ میں گنہگاروں کا ذکر آجائے:

قاصد از بہرِ خدا نامہ بجاناں برساں　　　عرضۂ مور بدرگاہِ سلیمانؑ برساں

(اے قاصد خدا کے لئے میرا پیغام میرے محبوب تک اسی انداز میں پہنچا دو جس طرح چیونٹی کا پیغام حضرت سلیمان جیسی عظیم شخصیت کو پہنچایا گیا)

علیٰ: حرفِ جار ہے یا برائے استعلائے حقیقی استعمال ہوتا ہے، جو کہ محسوس ہو جیسے کہ "زَیْدٌ عَلَی السَّطْحِ" یا حکمی ہو یعنی محسوس نہ ہو سکے جیسے "عَلَیْہِ دَیْنٌ"۔ علیٰ کا متعلق یہاں محذوف ہے۔ اصل میں عبارت یوں تھی "نَازِل عَلٰی رَسُوْلِہٖ" (اپنے رسول پر درود نازل فرما) نازل کو حذف کر دیا گیا۔ جو خبر ہے مبتدا "والصلوٰۃ" کی۔

رَسُوْلِہٖ: رسول فعول کے وزن پر ہے جس کا معنی ہے مُرسَل یعنی بھیجا ہوا۔ یا صاحبِ رسالت۔ شریعت میں رسول اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ایک نئی کتاب دے کر احکامِ خداوندی پہنچانے کے لئے انسانوں کی طرف بھیجتا ہے جیسے کہ ارشادِ الٰہی ہے "یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ" (اے رسولِ محتشم جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اُسے

پہنچا دیجئے)

"نبی" اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی طرف اللہ کی وحی نازل ہو خواہ اس کی طرف الگ کوئی کتاب بھیجی جائے یا نہ بعض علماء کا خیال ہے کہ نبی اور رسول مترادف ہیں۔ ان میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ مگر بعض علماء رسول کو خاص اور نبی کو عام سمجھتے ہیں جبکہ بعض اس کے بالعکس خیال کرتے ہیں۔

پیغمبروں کی تعداد:

احادیث کی روشنی میں پیغمبروں کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے، جن میں تین سو تیرہ مرسل ہیں اور باقی نبی۔ ان تین سو تیرہ میں سے چھ انتہائی برگزیدہ ہیں حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہم اجمعین۔ اور ان تمام میں ہمارے نبی سب سے افضل ہیں، جن کے فضائل کے دلائل کا شمار ناممکن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی وجوہ:

(۱) آپ کا دین تا قیامت باقی رہے گا جبکہ کسی اور نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

سوال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخری زمانہ میں تشریف لائیں گے اور شرعی احکام جاری کریں گے تو پھر دینِ محمدی قیامت تک کیسے باقی ہوا؟

جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام احکامِ شرعیہ تو نافذ کریں گے لیکن وہ تمام احکام شرعِ محمدی کے مطابق ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی شریعت تو اس طرح منسوخ رہے گی۔

(۲) امتِ محمدیہ دیگر تمام امتوں سے افضل ہے کہ اس امت میں جتنے علماء صلحاء اور صوفیاء پیدا ہوئے اتنے کسی اور نبی کی امت میں پیدا نہیں ہوئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہی فرمایا ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے تو میں اپنی ربوبیت کو ظاہر نہ کرتا اور نہ ہی اس کائنات کی تخلیق کرتا۔

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "اگر حضرتِ موسیٰ وعیسیٰ ابھی آج زندہ ہوتے تو میری اتباع کے پابند ہوتے اور" مَیں اس وقت نبی بنایا گیا جب کہ آدمؑ پانی اور مٹی کی شکل میں تھے" اور" مَیں پہلے اور آخری لوگوں میں سے افضل ترین ہوں" اور" مَیں اولادِ آدم میں سے سب سے افضل ہوں مگر مَیں اس بات پر اتراتا نہیں ہوں"

مندرجہ بالا وجوہات کے علاوہ اور بھی کئی ایسی وجوہ ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت واضح ہو جاتی ہے، لیکن ان تمام کا اس کتاب میں ذکر کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔

بحث فضیلتِ انبیاء: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سب سے زیادہ افضل ہیں، کیونکہ وہ تمام بنی نوعِ انسانی کے باپ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو متعدد خصوصی انعامات سے سرفراز فرمایا تھا۔ مثلاً پروردگارِ عالم نے آپ کی مٹی کو چالیس روز تک اپنے مبارک ہاتھوں سے گوندھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو ان کا سجدہ کرنے کا حکم دیا اور تمام اسماء کی تعلیم دی۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ نوح علیہ السلام افضل ہیں۔ کیونکہ طوفانِ فنا کے بعد آپ کو اولادِ آدم کا باپ ہونے کا فخر حاصل ہے، جیسے کہ قرآنِ پاک میں ارشادِ ربّانی ہے: "وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَاقِينَ" (اور ہم نے اُن کی اولاد کو باقی رکھا)

بعض علماء کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں اس لئے کہ انہوں نے بغیر کسی بیرونی واسطہ کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی تھی۔

بعض علماء حضرت موسیٰ علیہ السلام کو افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ براہِ راست کلام کیا۔

بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو افضل سمجھتے ہیں کہ آپ بغیر باپ کے پیدا

ہوئے۔

وجہ تسمیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

رسولہ کی ضمیر حق تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور محمد رسولہ کا عطف بیان ہے۔ لغت میں محمدؐ اس کو کہا جاتا ہے جو محمود اور حمیدہ صفات کے لحاظ سے انتہائی اعلیٰ درجہ کا مالک ہو۔

"شرح الشرح" میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ چونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی یعنی پوری زندگی حمد وستائش میں شاغل رہے اس لئے اس مبارک نام سے موسوم ہوئے۔ حضرت نیشاپوری نے "کشف الاسرار" میں لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے حروف کی تعداد چار ہے اور یہ تعداد اللہ کے مطابق اور برابر ہے۔ اسی لئے محمدؐ کا اسم اللہ کے اسم کے ساتھ مذکور ہوتا ہے اور آیت "وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ" (اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کی خاطر بلند کر دیا) میں اس طرف اشارہ ہے۔ محمدؐ کے اسم کی خاص ہیئت اور شکل میں یہ راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ چنانچہ میم انسانی سر کی مانند ہے اور حا دونوں ہاتھوں کی طرح ہے۔ حا کا اندرونی حصہ انسانی پیٹ کی طرف اور حا کا بیرونی حصہ انسانی پیٹھ کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا میم، پشت اور اطراف کے اجتماع کی غمازی کرتی ہے جبکہ "دال پاؤں کی نشاندہی کرتی ہے۔

معنیٰ میم

:- بعض علماء کے نزدیک میم کا معنی کفر کو مٹانا اور اسلام برپا کرنا ہے۔ بعض کے نزدیک میم سے اطاعت شعار کے گناہوں کے مٹانے کی طرف اشارہ ہے۔ بعض اس سے مبشر یعنی بشارت دینے والا یا منذر یعنی ڈرانے والا مراد لیتے ہیں۔ اور بعض کا خیال ہے کہ میم کا معنی ہے، "امت کا آقا"۔ جبکہ دوسروں کے نزدیک اس کا معنی "مقام محمود" ہے۔

معنٰی حا

حا، کا معنی بنی نوع انسان کو اللہ کا حکم پہنچانے والا ہے بعض کے نزدیک حا سے مراد حیاتِ امت ہے یعنی اُمت کی بقا، آپ کی ذات سے وابستہ ہے۔ جبکہ بعض حا کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق خُدا پر حکم چلانے والا مانتے ہیں۔

میم ثانی

سے مراد وہ مغفرت ہے جو غفور رحیم رب اُمتِ محمدیہ پر نازل فرمائیگا۔ بعض کے نزدیک میم ثانی سے 'مناوی موحدین' یعنی توحید پرستوں کو توحید کیطرف پکارنے والا۔

معنٰی دال

دال سے مُراد داعی ہے جیسا کہ قرآن مجید کا ارشاد ہے "وَدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا" (اور آپ اللہ کی طرف اُس کی اجازت سے بلانے والے اور روشن آفتاب ہیں) یا دال سے مُراد دلیلِ مومناں ہے یعنی وہ نشانِ راہ جو دُنیا اور آخرت میں بہشت کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

خصائص اسمِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے جب عرشِ معلّٰی کو پیدا فرمایا تو وہ مضطرب و متحرک ہوا تب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اس پر رقم فرمایا اور اسے سکون و قرار آگیا۔

مولانا جامیؒ نے اسی ضمن میں کتنا ہی خوب کہا ہے۔

وصلّی اللہ نورے کز دشد نورہا پیدا!
زمین از حکم او ساکن فلک از عشق او شیدا
اگر نام محمدؐ را نیاوردی شفیع آدم
نہ آدم یافتی توبہ نہ نوح از غرق نجّینا!

وَآلِہٖ

آل فتح اور مدّ اور تخفیف لام کے ساتھ۔ اس کا معنی ہے فرزند

اور اہلِ خانہ، نیز اہلِ دین اور متبعین کے لئے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔

'صحاح' میں لکھا ہے کہ آل مدّ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی اہل و عیال اور پسماندگان ہے۔ آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک فقط بنو ہاشم ہیں اور امام شافعیؒ کے نزدیک بنو ہاشم اور بنو مطلب۔ شیخ ابن عبداللہ نے کتابِ 'تمہید' میں لکھا ہے کہ آل سے مُراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور ازواجِ مطہرات ہیں۔ امام نوویؒ کے نزدیک آل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین ہیں جیسے کہ شرح حصن حصین میں ارشادِ نبوی ہے "كُلُّ مُؤْمِنٍ تَقِيٍّ وَنَقِيٍّ فَهُوَ اٰلِي" (یعنی ہر نیک و پاکباز مومن میری آل ہے۔)

سوال : قرآن مجید میں ہے "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" اس حکمِ خداوندی کے بموجب صلوٰۃ وسلام صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کے لئے مخصوص ہے، نیز جیسے کہ 'درالمختار' میں مذکور ہے کہ فقہا نے صلوٰۃ وسلام کا استعمال انبیاء کے سوا ممنوع قرار دیا ہے۔ تو پھر مصنفِ کتاب نے آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کیونکر صلوٰۃ وسلام لکھا ہے۔ اور آل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معطوف اور معطوف علیہ بنا کر شاملِ صلوٰۃ وسلام کیا ہے؟

جواب : فقہائے کرام نے تبعی اور ضمنی طور پر غیر انبیاء کے لئے بھی صلوٰۃ کی اجازت دے رکھی ہے۔ نیز حدیثِ نبوی ہے۔

من صلّٰی علیّ ولم یُصلّ علی اٰلی فھو لیس منّی

(یعنی جس شخص نے مجھ پر درود بھیجا اور میری آل پر درود نہ بھیجا تو اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں) بعض تفاسیر میں ہے کہ جب آیت "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" نازل ہوئی تو اس کی پابندی کرتے ہوئے بعض صحابہ نے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ترک کر دیا۔ جب حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہُوا کہ اس آیت کی وجہ سے صحابہ میری آل پر درود نہیں بھیج رہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لَا تُصَلُّوْا عَلَيَّ صَلٰوةَ الْبَتْرَاءِ" (یعنی مجھ پر

کرتا ہُوا درود نہ بھیجا کرو) تو صحابہؓ نے دریافت کیا! درُودِ بتراء کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ درُود جو صرف مجھ پر بھیجا جائے مگر میری آل پر نہ بھیجا جائے" اس لئے ان وجوہ کی بناء پر آل کو صلوٰۃ وسلام سے مستثنیٰ رکھنا درست نہیں اور آیۂ کریمہ میں آل کے ذکر نہ ہونے کی کوئی ایسی وجہ ہو جو ہمارے فہمِ ناقص میں نہ آ رہی ہو۔

وَاَصْحَابِہٖ

اصحاب کا واحد صحب ہے۔ جس کا معنی دوست اور ساتھی ہے۔ مولوی محمد اکرم نے 'شرح گلستان' میں لکھا ہے کہ 'شرح کشاف' کی تصریح اور وضاحت کے مطابق فاعل کی جمع افعال نہیں آیا کرتی۔ اس لئے اصحاب کا واحد صَحَبْ ہے۔ جیسے ثمر کی جمع اثمار ہے۔ اور جیسے نہر کی جمع انہار ہے۔

بحثِ اصحابؓ

پُوری اُمت سے صحابہ کرامؓ کا مرتبہ افضل و اعلیٰ ہے کیونکہ یہی وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و تائید کے لئے منتخب فرمایا اور ان کے ہاتھوں ہی دینِ محمدی کو تقویت اور شریعت کو استحکام نصیب ہُوا جیسے کہ قرآنِ مجید میں وارد ہُوا:

"وَکَانُوْٓا اَحَقَّ بِہَا وَاَہْلَہَا وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْئٍ عَلِیْمًا۝"

(اور وہ اس کے حقدار بھی تھے اور اہل بھی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت اور مدح میں اس قدر احادیث و آثار ملتے ہیں کہ اس مختصر سی کتاب میں اس کی تفصیل دینا ناممکن ہے تاہم سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان حضرات نے بغیر کسی واسطے کے حضور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ مبارک کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور پُوری بصیرت سے آپ پر ایمان لے آئے۔ گویا بصارت و بصیرت جمع ہو گئیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں صحبت نصیب ہُوئی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے قرآنِ مجید سُنا اور بغیر کسی واسطے کے وہ خدا کے احکام یعنی اوامر و نواہی کے مخاطب قرار پائے۔ صحابہؓ

وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنا تن من دھن سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے غزوات اور جنگوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا ہو اور کم از کم چھ ماہ تک ساتھ دیا ہو۔ اس لئے صرف ایک نظر دیکھنے والے کو صحابی نہیں کہیں گے۔ نیز عام بول چال میں بھی کوئی شخص ایک اچٹتی سی نگاہ پڑ جانے سے ساتھی نہیں کہا جاتا۔ لیکن جمہور علماء کا فیصلہ ہے کہ جس شخص نے ایمان کی حالت میں ایک نگاہ بھی حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پر ڈال لی، وہ صحابی قرار پائے گا۔

'قوت القلوب' میں مذکور ہے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نظر دیکھ لینا اور صرف ایک لمحہ کے لئے اُن کی محفل میں شریک ہونا دوسرے لوگوں کی مجالس میں سالہاسال بیٹھنے سے افضل ہے۔

صحابہؓ میں افضل ترین حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں کیونکہ ان کی شان میں متعدد آیات اور احادیث وارد ہیں ارشاد ربانی ہے "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ"

قسم ہے زمانہ کی یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے بجز ان کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے حضرت صدیق اکبرؓ، "وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" سے حضرت عمر فاروقؓ، "وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ" سے حضرت عثمان غنیؓ اور "وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ" سے حضرت علی المرتضیٰؓ کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَاَسَاسُھَا اَبُوْبَکْرٍ وَجِدَارُھَا عُمَرُ وَسَقْفُھَا عُثْمَانُ وَبَابُھَا عَلِیٌّ" (یعنی میں علم کا شہر ہوں اور اس کی بنیاد ابوبکرؓ ہیں، دیوار عمرؓ چھت عثمانؓ اور اس کا دروازہ علیؓ ہیں)

یہ خلفاء اربعہ اور حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعدؓ

حضرت سعیدؓ اور حضرت ابو عبیدۃ بن الجراحؓ یہ وہ کل دس عظیم شخصیات ہیں جن کو جنّت کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس دُنیا میں دے دی تھی۔ یہ عشرہ مبشرہ وہ حضرات ہیں جو تمام صحابہؓ میں سے افضل اور زیادہ قابلِ احترام و اکرام ہیں۔ جنّت کی بشارت صرف ان ہی تک محدود نہیں بلکہ ان کے علاوہ حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر جیسے بزرگ و برتر افراد بھی ایسے ہیں جن کو جنّت کی بشارت مل گئی تھی۔ ان حضرات کو عشرہ مبشرہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دسؓ افراد کا ذکر ایک ہی حدیث میں یکجا آیا ہے۔

ان عشرہ مبشرہ کے بعد اہلِ بدر کا درجہ ہے یہ وہ تین سو تیرہ پاک نفوس ہیں۔ جنہوں نے ۲ھ ہجری میں عتبہ، شیبہ اور ابوجہل جیسے دُشمنانِ اسلام کا مقابلہ کیا۔ جبکہ دُشمن کی عسکری طاقت بھی زیادہ تھی۔ تقریبًا پانچ ہزار فرشتے اس جنگ میں مسلمانوں کی نصرت کے لیے بھیجے گئے۔ اہلِ بدر کے بعد اہلِ اُحد آتے ہیں جو صرف سات سو کی تعداد میں تھے مگر کفار کے لشکرِ جرار کا ہجرت کے چوتھے سال مقابلہ کیا۔ اسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا دانت شہید ہُوا۔ جیسا کہ "تحیۃ الحق" میں بالتفصیل مذکور ہے۔

اَجْمَعِیْنَ۔

یہ لفظ تاکید کے لیے لایا گیا۔ اس سے روافض کی تردید مطلوب ہے۔ کہ وہ صلوٰۃ وسلام تمام صحابہؓ کی بجائے صرف حضرت علیؓ پر بھیجتے ہیں۔ یا یہ لفظ خوارج کی تردید کے لئے لایا گیا ہے کیونکہ وہ حضرت علیؓ اور اُن کی اولاد سے بے رغبتی کے باعث اُن پر درود وسلام پیش کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں۔ مصنّف کا مسلک اہلِ سُنّت والجماعت کا ہے۔ اس لئے اُن کی نگاہ میں تمام صحابہ محترم ہیں۔ لہٰذا انہوں نے اجمعین کے کلمہ میں جمیع صحابہؓ کرام کو شامل کیا ہے۔

اَمَّابعد

اَمَّابعد:- اَمَّا اصل میں اِنْ + مَا تھا۔ نون کو م سے بدل کر دونوں میموں کو آپس میں مدغم کر دیا۔ اور الف کے کسرہ کو فتحہ سے بدل دیا۔ تاکہ التباس نہ ہو۔

بعض کا خیال ہے 'اَمَّا' اصل میں 'مَہما' تھا، ہا کو ہمزہ سے بدل کر اس کی جگہ بدل دی گئی۔ یعنی ہمزہ کو میم کی جگہ اور میم کو ہمزہ کی جگہ رکھ دیا گیا۔ اس طرح دو حرف ایک ہی کلمہ میں ایک ہی جنس کے آگئے۔ اب ان دو میں سے پہلا حرف ساکن تھا اس لئے اس کو دوسرے میں مدغم کر دیا۔ اور ہمزہ کو فتحہ دے دی۔ کیونکہ سکون سے ابتدا ناممکن ہے 'شرح التہذیب' میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اَمَّا کلمہ شرط ہے۔ اس کی جزاء میں فا لازمی طور پر آتی ہے جیسے کہ قرآن کریم میں "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"۔ (اور اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے۔)

اَمَّا کا لفظ ابتداء کے معنوں میں ہے۔ اور یہ فعل کے ساتھ ملحق ہونے کی بجائے اسم کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔ عرب کسی مجمل بات کی تفصیل بیان کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ 'بعد' کا لفظ ظرف زمان ہے اور مبنی بر ضمہ ہے۔ اس کا عامل کلمہ اَمَّا ہے۔ کہ وہ فعل کے نائب کی حیثیت سے عمل کر رہا ہے۔

فَهٰذِهٖ

فَهٰذِهٖ:- فاء کلمہ اَمَّا شرطیہ کی جزا ہے 'ذا' اسماءِ اشارہ ہے اور مشارٌ الیہ پر دلالت کرتا ہے۔ کبھی ہائے تنبیہ بھی اس کے ابتداء میں بڑھا دیتے ہیں۔ 'ذا' کا لفظ کلامِ عرب میں مشارٌ الیہ قریب اور محسوس کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ذاکَ، مشارٌ الیہ متوسط کے لئے یعنی جو نہ بہت دور ہو اور نہ ہی بہت قریب ہو۔ اور ذٰلِکَ مشارٌ الیہ بعید کے لئے مستعمل ہے۔

سوال:- ہٰذا تو مشارٌالیہ قریب کے لئے استعمال ہوتا ہے جو محسوس بھی ہو لیکن یہاں مشارٌ الیہ تو "سلسلہ عالیہ" ہے جس کا ابھی ذکر نہیں ہوا تو پھر یہاں "ھٰذا" کا استعمال کیسے جائز ہوا؟

جواب:- خطبہ کتاب لکھنے کے بعد درج کیا گیا ہے اسی لئے یہ اعتراض پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خطبہ کتاب سے پہلے لکھا گیا ہے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ اس سلسلہ عالیہ کے پیرانِ عظام کے اسمائے گرامی مصنّف کے دِل پر منقوش تھے اور مصنّف کے لئے معنوی لحاظ سے انتہائی قریب تھے۔ لہٰذا اس نے ہٰذا کا استعمال کیا ہے۔

سِلسِلَۃٌ:-

علم لغت میں سلسلہ زنجیر کو کہا جاتا ہے سلسلہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی پُشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی ہے جس کا ایک سرا آسمان پر ہے اور دوسرا حصہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے اور پھر دیکھا کہ وہ زنجیر درخت بن گئی اور وہ درخت نُورانی اور تابندہ و درخشندہ ہے اور مغرب و مشرق کے لوگ اس کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ حضرت عبدالمطلب جب نیند سے بیدار ہوئے تو تعبیر دانوں کے پاس اس خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے گئے۔ اُنہوں نے بتلایا کہ تمہاری نسل میں ایسی عظیم ہستی پیدا ہو گی کہ پورے مشرق و مغرب کے لوگ اس سے مستفیض ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ناکس اپنے شیخ سے تعلق پیدا کرتے ہیں۔ اور شیخ اپنے شیخ سے تعلق پیدا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔ چونکہ یہ فیض دست بدست ایک کڑی سے دوسری کڑی تک پہنچتا چلا آ رہا ہے۔ اس لئے اس کو سلسلہ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور بعض اسے درخت کی مناسبت سے شجرہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ "مطلع انوار" اور کُتب سیر میں مرقوم ہے۔

مِنْ مَشَائِخِی

جب کلام کا ماقبل اور مابعد مبہم ہو تو اس کی وضاحت کے لئے مِنْ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ گویا مِنْ ایک ایسا حرفِ جار ہے جس کا مجرور ماقبل کی تفسیر اور تشریح کرتا ہے جیسے "خاتم مِن فِضّۃ" یعنی چاندی کی انگوٹھی اس میں فضہ، خاتم کی تفسیر ہے۔ مشائخ میں میم پر فتحہ ہے اس کا معنی ہے پیران اور خواجگان اور اس کا واحد شیخ ہے "کشف اللغات"

فی الطریقۃ

عربی میں فی کا لفظ ظرفیت کی دلالت کے لئے آتا ہے یعنی کوئی چیز اپنے مظروف میں داخل ہے۔ ظرف کی دو قسمیں ہیں ظرفِ حقیقی اور ظرفِ مجازی۔ ظرفِ حقیقی کا تعلق محسوس اشیاء کے ساتھ ہے۔ جیسے کہ "اَلمالُ فِی الکِیسِ" (مال جیب میں ہے) یہ ظرفِ حقیقی ہے کیونکہ مال محسوس شے ہے۔ ظرفِ مجازی کا تعلق محسوس اشیاء کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اس کی مراد غیر محسوس اور معنوی ہوا کرتی ہے جیسے کہ "نَظَرْتُ فِی الکِتَابِ"

اگر جار و مجرور کا متعلق مذکور ہو تو اسی ظرف کو ظرف لغو کہتے ہیں اور اگر اس کا تعلق افعالِ عامہ سے ہو تو اسے ظرف مستقر کہا جاتا ہے۔ افعالِ عامہ اس شعر میں مفصل مذکور ہیں:

افعالِ عامہ چار است نزد اربابِ عقول
کون است و وجود است و ثبوت است و حصول

یہاں بھی ظرفِ مستقر ہے کیونکہ اس کا متعلق غیر مذکور ہے۔ اس کا متعلق اصل میں "ثابتون" ہے۔ تو عبارت یوں ہے "مِنْ مَشَائِخِ الثَّابِتِیْنَ فِی الطَّرِیْقَۃِ"

طریقہ کا لغوی معنی ہے راستہ، صوفیاء کی اصطلاح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ مبارک کو طریقہ کہا جاتا ہے۔

الچشتیہ: چشت کی طرف نسبت ہے جو ہرات سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے "مطلوب الطالبین" میں "لطائف اشرفی" کے حوالہ سے سلسلۂ چشتیہ کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ حضرت ابواسحاق شامی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ ممشاد رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے بغداد شریف گئے۔ جب آپ حضرت ممشادؒ کے حضور پیش ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا کہ "اے درویش تمہارا نام کیا ہے؟" عرض کیا! ابواسحاق شامی۔ ارشاد ہوا کہ آج سے ہم تمہیں ابواسحاق شامی چشتی کے نام سے پکاریں گے کیونکہ اہالیانِ قصبۂ چشت کو تیری وجہ سے ہدایت نصیب ہو گی اور تیرے خاندان کو قیامت تک چشت کے نام سے یاد کیا جائے گا۔ الغرض جب آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق وہاں پہنچے تو خاندان چشت کی ابتداء ہوئی اور پھر اسی سبب سے چشتیہ کہلائے۔ کہ "تَسْمِیَۃُ الْکُلِّ بِاَکْثَرِ اَجْزَاءِہٖ" اکثریت کے سبب سب کو نام دیا جاتا ہے۔

رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْنَ:

رِضوان کی "ر" پر کسرہ ہے اس کا معنی ہے رضامندی، خوشنودی اور پسندیدگی۔ نیز بہشت کے ایک دربان کا نام بھی رضوان ہے۔ کہتے ہیں بندے کی طرف سے رضا تو یہ ہے کہ وہ ہر طرح کے اعتراض سے باز رہے۔ اور اللہ کی رضا یہ ہے کہ وہ ثواب عطا کرے۔

اللہ: ذاتِ مقدّس کا نام ہے

تعالیٰ: بابِ تفاعل سے فعل ماضی کا صیغہ ہے یا تو یہ جملہ معترضہ کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی وہ اللہ جو ہر طرح کے نقص سے پاک اور بلند ہے۔ یا پھر یہ اللہ کی صفت ہے۔

سوال: نحو میں معرفہ کی صفت جملہ کی شکل میں نہیں آتی؟

جواب: علامہ تفتازانی نے اپنی تصنیفات میں اس کی صراحت کی ہے کہ اگر صفت موصوف کے ساتھ مخصوص و مختص ہو تو ایسا جائز ہے اور یہاں یہی صورت ہے۔

چونکہ اس سلسلہ کی تصنیف سے مصنّف کا مقصد ایک نوع کی استدعا تھی۔ اور یہ استدعا بزرگانِ دین کے حسب و نسب اور اسماء گرامی پر مشتمل ہے اس لئے مصنّف نے یہ منفرد طریقہ اختیار کیا اور کہا "الٰہی بحرمت"

الٰہی بحرمت سید الکونین، رسول الثقلین شفیع المذنبین

رحمۃ للعالمین، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

الٰہی بحرمت:

بحرمت میں باء سببیہ ہے جیسے کہ قرآن کریم کی آیت ہے۔ "فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا" میں باء سببیہ ہے۔ باء کا متعلق وہ آخری کلمہ ہے جو سلسلہ کے اختتام پر شیخ اپنے دستخط کے ساتھ لکھتا ہے۔ حرمت کا معنی مثنوی کے مطابق کسی چیز کو محترم اور بزرگ بنانا یا رکھنا یا جاننا ہے۔

سید الکونین:

سیّد کے سین پر زبر اور یاء پر زیر ہے اور یہ فیعل کے وزن پر ہے۔ صرف میں اس کی گردان یوں ہے۔ سَادَ یَسُوْدُ سُوْدًا، سِیَادَۃً، سَیْدُوْدَۃً۔ معنی ہے: سردار ہونا۔ سیّد کا لفظ اصل سیود یا سُوید تھا۔ واؤ کو یاء سے بدل دیا۔ اور صرفی کے قاعدہ کے مطابق ادغام دیا گیا تو سیّد ہوا۔

کَوْن کا معنی ہے، نیا بننا اور مراد اس سے یہ عالم دُنیا ہے کونین سے دُنیا اور عقبیٰ دونوں عالم مراد ہوتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کائنات کا سردار ہونا اظہر من الشمس ہے۔ جیسے کہ آپ کا ہی ارشاد ہے "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَم" یعنی میں اولاد آدم کا تمام صفات کمال میں سردار ہوں۔

سوال: اولادِ آدم سے بزرگ تر ہونا کونین یعنی دُنیا و عقبیٰ میں ــــ تر ہونے کو تو ثابت نہیں کرتا۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ" کی روشنی میں انسان ــــ ات میں اشرف المخلوقات ہے۔ تو اسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باقی مخلوقات سے اشرف الاشراف ہو گئے۔ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

کرامجال کہ وصف تو در خور اندساخت
ولیک غایتِ علم آنکہ بہتری زہمہ

سوال ۔ اگر سید الکونین کی جگہ سید الدارین لکھا جاتا تو یہ زیادہ واضح ہوتا کہ اس سے دونوں جہان سمجھے جاتے ۔

جواب ۔ دارین کے لفظ سے دارِ دنیا اور دارِ عقبیٰ مراد ہے لیکن کونین میں صرف دُنیا اور آخرت ہی نہیں بلکہ ہر چیز جو زمین آسمان میں ہے آتی ہے۔ جو عمومیت کونین کے لفظ میں موجود ہے وہ دارین کے لفظ میں نہیں اور یہ ہر وہ شخص جانتا ہے۔ جو عقلِ سلیم اور طبعِ مستقیم رکھتا ہے۔

رسُولُ الثقلین ۔ ثَقَل کے ثاء پر فتحہ اور قاف پر جزم ہے۔ ثقل کا معنی ہے کسی چیز کا وزن کرانا اور ہاتھ میں پکڑ کر اندازہ لگانا کہ یہ چیز بھاری ہے یا ہلکی ہے۔ ثقلین دونوں پر زبر تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد انسان اور جن ہیں (کشف اللغات) اس کا مطلب یہ ہوا کہ باعتبارِ رحمت اور فیضِ ربانی کے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بے مثال ہے۔

مولٰنا عنایت اللہ قادری نے حرزِ یمانی کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ ایک رسُول کسی مخصوص قوم یا قبیلہ کی طرف مبعوث ہُوا ہے لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مردوں، عورتوں، انسانوں اور جنوں سب کے لئے ہے۔

شفیع المذنبین ۔ یعنی اُمت کے گناہگاروں کے لئے دربارِ ایزدی میں درخواست کرنے والا۔ اور اس غفور رحیم کے دربار میں ان کے جرائم کی معذرت پیش کرنے والا۔

شفاعت ۔ رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کتنی قسم کی ہوگی اور

آپ ہر شخص کے حال کے مطابق شفاعت فرمائیں گے۔

① اوّل۔ **شفاعتِ کبریٰ**: جو تمام نوعِ انسان کے لئے ہوگی۔ یہ شفاعت انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نہ کر سکے گا۔ یہ شفاعتِ کبریٰ آپ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ میدانِ حشر میں جب پوری انسانیت حساب وکتاب کے انتظار میں کھڑے تھک جائے گی اور کافی وقت بیت جائے گا، تو ان کو اس شدید انتظار سے نجات دلانے اور حساب وکتاب جلد شروع کرانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے۔

② دوم۔ **صالحین کے لئے شفاعت**: یہ صرف اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لئے ہوگی۔ کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنّت میں بغیر حساب کے داخل فرمائے گا۔ اگر حساب لیا جائے گا۔ تو وہ بہت ہلکا اور سرسری ہوگا۔ اور یہ درجات کی بُلندی کے لئے ہوگی۔

③ سوم۔ **گنہگاروں کے لئے شفاعت**: یہ گنہگاروں کی مغفرت کے لئے ہوگی۔ یا اس بات کی شفاعت ہوگی کہ ہر گنہگار کا قیام دوزخ میں کم سے کم مدت کے لئے ہو۔

④ چہارم۔ **اہلِ مدینہ کیلئے شفاعت**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفاعت اہلِ مدینہ کے لئے یا اُن افراد کے لئے ہوگی جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کی ہوگی۔

⑤ پنجم۔ **شفاعتِ مخصوص**: یہاں خاص شفاعت سے مراد وہ شفاعت ہے جو صرف گنہگاروں کے لئے ہوگی:

غم نخورد آنکہ شفیعش توئی — پایہ چہ بے قدر رفیعش توئی
حاصل ادنیست زطاعت مرا — ہست امیدے بشفاعت مرا

⑥ ششم۔ **شفاعتِ عُظمیٰ**، مولانا عنایت اللہ قادریؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا۔ تمام اگلے پچھلے لوگ میدان میں حاضر ہوں گے۔ سورج زمین کے قریب ہوگا اور زمین سخت گرم ہوجائے گی۔ لوگ ننگے پاؤں اور ننگے بدن پسینہ میں غرق ہوں گے۔ کوئی گلے تک غرق ہوگا کوئی سینہ تک۔ غرضیکہ سب اپنے اپنے اعمال کے مطابق پریشان ہوں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کے جلال کی یہ کیفیت

ہوگی کہ کوئی شخص یہ جرأت نہ پائے گا کہ خدائے پاک سے التجا کرے کہ وہ لوگوں کا حساب کتاب شروع کرے۔ تمام انبیاء و رسل بھی اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے دم سادھے ہوں گے۔ حتیٰ کہ بنی نوع انسان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ سے التجا کیجئے تاکہ وہ اعمال کا حساب شروع کرے۔

چنانچہ سرور کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دربار میں عرض کریں گے اور پھر حساب شروع ہوگا اور ہر شخص کے اعمال کے مطابق اسے جزا یا سزا ملے گی یہ شفاعت عظمیٰ فقط ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے مخصوص ہے۔

مُذنبین:۔ اس کا واحد مذنب ہے۔ (میم پر پیش اور نون پر زیر) اس کا معنی ہے گنہگار (کشف اللغات)

رحمۃ للعالمین:۔ سے مراد وہ ذات ہے جو مجسم رحمت ہے اور جس کے وجود سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لئے تو دونوں جہان میں رحمت ہیں اور کافروں کے لئے اس جہان میں رحمت ہیں کہ انہیں ان گنت دنیاوی نعمتیں عطا ہوتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان پر دنیا میں عذاب جلد نہیں آتا۔ اور بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں اور کافروں کے لئے اس جہان میں رحمت ہیں کہ اس رحمت کی وجہ سے عذاب و سزا میں تاخیر ہوتی ہے اور کسوف وخسوف سے امان مل گئی ہے۔ حالانکہ پہلی قومیں گناہوں کی وجہ سے زمین میں دھنس جایا کرتی تھیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے عذاب کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

معارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنے دربار سے نکال باہر کیا تو اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جو ہر روز اس کی گردن کی پشت پر

ایک تھپڑ لگاتا۔ اس تھپڑ کا اثر دوسرے دن تک باقی رہتا اور دوسرے دن وہ پھر تھپڑ لگاتا۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور ان کے بارے میں "وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" ارشاد فرمایا تو اس آیت کے نازل ہونے سے شیطان اللہ تعالیٰ کے دربار میں رویا کہ اے اللہ میں بھی تو عالم کا باشندہ ہوں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے مجھے کوئی حصہ نہ ملے گا۔ اس کی آہ وزاری پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آئندہ شیطان کو وہ روزانہ کا تھپڑ نہ مارا جائے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے اسے بھی فیض مل جائے۔

نورِ شفاعتش کہ اگر پرتوے زند
ابلیس را ز ظلمتِ عصیاں دہد خلاص

عالمین:۔

جمع عالم ہے اور یہ جمع یا تو باعتبار افراد کے آئی ہے یا باعتبار جنس کے۔

احمد مجتبیٰ:۔

احمد کا معنی ہے، وہ شخص جو اگلے اور پچھلے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ حمد و ستائش کا حقدار ہو یا ایسا شخص جو آقا کی نگاہ میں سب سے زیادہ حمد کا حقدار ہو۔ چنانچہ مقام محمود کا دروازہ جو پہلے کسی شخص کے لئے نہ کھولا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وا کر دیا گیا اور لواء حمد آپ کے لئے مضبوط کیا گیا۔

"تفسیر حسینی" میں مذکور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اطلاع دی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام فارقلیط ہوگا۔ فارقلیط کا معنی احمد کے معنی کے بالکل مترادف ہے۔

مجتبیٰ:۔

وہ ذات جو اہل فضیلت اور صاحب کمال لوگوں میں سے منتخب ہو اور خدائے ذوالجلال کی درگاہ میں قرب کے اعلیٰ ترین مقام پر ہو۔

محمد مصطفیٰ

"محمدؐ" آپ کا یہ نام مبارک آپؐ کے تمام دیگر ناموں سے زیادہ معروف ہے۔ اس نام کے سننے سے ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی ہے اور حضور خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود وسلام پڑھتے وقت اس نام کی ادائیگی سے ایک خصوصی شوق بھڑک اٹھتا ہے۔ یہ اسم علم ہے اور اس ذاتِ ستودہ صفات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ذات بہت ہی زیادہ ستودہ صفات ہے۔ یعنی بلاشبہ رسولِ کریم محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم زمین، آسمان، دنیا اور عقبیٰ میں ہر لحاظ سے قابلِ حمد و لائقِ ستائش ہیں:

مقامِ تو محمود و نامت محمدؐ بدینساں مقامے و نامے کہ دارد

کہا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل یہ نام کسی کا نہیں رکھا گیا۔ "مزرع الحسنات" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا یہ نام تخلیق کائنات سے دو ہزار سال قبل ہی رکھ دیا تھا۔

"معارج النبوۃ" اور "مطلع الانوار" میں رقم ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ مبارک سے قبل خواب میں دیکھا کہ چاندی کی ایک زنجیر ان کی پشت سے نکل کر آسمان تک جا پہنچی ہے اور اس نے پورے مشرق و مغرب کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے۔ اس کے بعد وہی زنجیر ایک درخت کی شکل اختیار کر گئی۔ اور اس پر نور ہی نور نظر آنے لگا۔ سب اہلِ مشرق اور مغرب اس نور کے ساتھ معلق ہو گئے۔ یہ خواب آپ نے معبّروں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اس کی یہ تعبیر بتلائی کہ آپ کی پشت سے ایسی عظیم المرتبت ہستی پیدا ہوگی کہ اہلِ مشرق اور اہلِ مغرب ان کی اطاعت کریں گے اور پوری دنیا اس ہستی کی تعریف اور حمد کرے گی۔ اس وجہ سے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا۔ نیز آپ کی والدہ محترمہ بی بی آمنہؓ نے ایام حمل میں ایک خواب دیکھا کہ ایک معمر شخص کہہ رہا ہے کہ آپ کے بطن میں امت کا سردار اور اللہ کا نبی ہے۔ اس لئے جب اس بچہ کی ولادت ہو تو ان کا نام محمد رکھنا۔

"مصطفےٰ" کا معنی ہے برگزیدہ، یعنی وہ جسے پوری کائنات میں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قربت اور اعلیٰ مدارج کے لئے منتخب فرما لیا۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ - صلّی فعل ماضی ہے۔ اس کے مصدر صلوٰۃ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" کے ساتھ مومنوں کو صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا۔ تو درود وسلام کی تعداد کا ذکر نہ تھا، اس لئے واجب کی عدم ادائیگی کے خطرہ کے پیش نظر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی۔ (جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں لکھا گیا ہے)

"آل واصحاب" کا عطف ضمیر مجرور پر اہل بصرہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ممکن ہے اہل کوفہ کے ہاں اس کی اجازت ہو۔ یا ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ البتہ عبارت میں تینوں ضمیریں حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف راجع ہیں۔

"وَسَلَّمَ" یہ صلّی پر معطوف ہے۔

نورِ محمد
علیہ الصلوٰۃ والسلام

صاحب مطلع الانوار نے شارح اوراد کے حوالے سے لکھا ہے کہ تخلیق کائنات سے دو ہزار سال قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کر دیا گیا تھا اس نور کو ایک موتی میں عرش معلیٰ کے نیچے رکھ دیا گیا جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس موتی سے وہ نور نکال کر حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں رکھ دیا گیا۔ وہ موتی جس سے یہ نور نکالا گیا تھا، فراق میں ذرہ ذرہ اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ وہ ذرے چاول کے دانے بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "الارز منی" یعنی چاول مجھ سے ہیں۔ ارز کا معنی ہوتا ہے چاول (کشف اللغات)

سیر کی کتب میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ ان میں بعض انبیاء تھے اور بعض غیر انبیاء۔ تاہم وہ سب اہل قبلہ تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے "وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ" جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ان میں بعض کافر بھی تھے تو وہ غلطی پر ہیں اور بغیر کسی دلیل کے اس موقف پر قائم ہیں۔

قصص الانبیاء میں ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نور آپ کے اجداد میں سے جس کسی کی صلب میں منتقل ہوتا، لوگ اس کی خوبصورتی اور کمال پر دنگ رہ جاتے حتیٰ کہ یہی نورِ فیض گنجور آپ کے والد حضرت عبداللہ کی طرف منتقل ہوا۔ آپ کی پیشانی اور آپ کا پورا بدن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا جس کی نظر بھی آپ پر پڑتی وہ آپ کا دیوانہ ہو جاتا۔ ایک دن قبیلہ نوفل کی ایک عورت جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پھوپھی تھی، کی نظر آپ کے رخسارِ روشن و مزین پر پڑی تو وہ دیوانی ہو گئی اور آپ کو شادی کا پیغام بھجوایا۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ آپ کے پیغام کا میں کل جواب

دوں گا۔ اتفاق سے اُسی رات وہ نور حضرت عبد اللہ کی پشت سے آپؐ کی والدہ محترمہ کے بطن میں منتقل ہو گیا اور آپ کی پیشانی اس نور سے خالی ہو گئی۔ حضرت عبد اللہ اس عورت کے پاس آئے اور گذشتہ روز کے پیغام کے جواب میں کہا کہ میں شادی کے لئے آمادہ ہوں۔ اس عورت نے جب آپ کی پیشانی کو اس نور سے خالی دیکھا تو کہا کہ اب مجھے خواہش نہیں کہ جس نور کے حصول کی میں متمنی تھی وہ کہیں اور منتقل ہو چکا ہے

"مطلع الانوار" میں لکھا ہے کہ دوشنبہ کے روز جمادی الاوّل کی سولہ تاریخ کو یہ نور پُرسرور حضرت آمنہؓ کے بطن میں منتقل ہوا۔ اسی روز یوسف نامی کاہن عبد المطلب کے پاس آیا اور کہا کہ اے عبد المطلب آج حضرت آمنہؓ کے بطن میں پیغمبر آخر الزماں کا نور قرار پا گیا ہے اور جمعہ کی رات یعنی جمادی الآخر کو سحر کے وقت حضرت عبد المطلب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت عبد اللہ کے گھر سے ایک روشن سرخ ستارہ طلوع ہوا اور اونچا ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ آسمان تک جا پہنچا اس وقت وہ ستارہ اس قدر بڑا ہو چکا تھا کہ سورج چاند ستارے تمام کے تمام اس کے نور کے احاطہ میں آ چکے تھے۔ صبح کو حضرت عبد المطلب نے یہ خواب عبد الرحمٰن نامی ایک معبّر (خواب کی تعبیر کرنے والا) سے بیان کیا تو اس نے کہا کہ مبارک ہو کہ عبد اللہ کے گھر میں ایک ایسا پیغمبر پیدا ہو گا کہ جس کا دین پوری دنیا میں پھیل جائے گا اور تمام ادیان پر غالب آ جائے گا۔ تا قیامت باقی رہے گا اور دیگر تمام ادیان اس کے آنے سے مغلوب و منسوخ ہو جائیں گے۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت

"شجرۃ الانوار فخری" میں مذکور ہے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد اور طلوع آفتاب سے قبل دوشنبہ کے روز سرائے مکہ میں صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت ہوئی۔ یہ سرائے مکہ آجکل سرائے محمد برادر حجاج بن یوسف کے نام سے مشہور ہے۔ ولادت مبارک کی تاریخ اور سن ولادت کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے۔ اکثر کی رائے یہ ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ولادت سال فیل میں ابرہہ کی لشکر کشی کے چالیس پچاس روز بعد ہوئی۔ بعض کا خیال

ہے کہ یہ دونوں واقعات یعنی آپ کی ولادت اور اصحابِ فیل کا حملہ ایک ہی دن ہوئے۔ بعض کی رائے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقعۂ فیل کے تیس سال بعد پیدا ہوئے بعض نے اس واقعہ کے چالیس سال بعد لکھا ہے لیکن پہلا قول ہی درست ہے۔ بعض علماء کا یقین ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت بارہ ربیع الاول کو ہوئی۔ بعض نے دو اور آٹھ ربیع الاول بتلائی ہے۔ امام محمد باقرؒ کے نزدیک دس ربیع الاول کو آپ کی ولادت ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ ربیع الاول کی بجائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ماہِ رمضان المبارک میں ہوئی۔

"جامع الاصول" میں آیا ہے کہ سکندر رومی کے آٹھ سو بہتر سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ سے چھ سو سال بعد حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک ہزار آٹھ سو سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو سال بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھ ہزار سات سو پچاس سال بعد وہ خورشیدِ جہاں مطلعِ محمدیت سے منور اور طلوع ہوا۔

"مطلع الانوار" جیسی کتبِ تاریخ میں مذکور ہے کہ نوشیروان عادل کے عہد میں تخت نشینی سے بیالیس سال بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم متولد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ چاشت کے وقت حضرت آمنہؓ کو دردِ زِہ کی تکلیف کا آغاز ہوا تو اس دور کے نجومی نوشیروان کے دربار میں پہنچے اور کہا کہ آج رات نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہو جائے گی۔ اس کا دین تمام ادیان پر غالب آجائے گا اور تاقیامت قائم رہے گا۔ الغرض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو شب کا آخری حصہ تھا۔ آپ کی ولادت پر کسریٰ کا قلعہ جو سنگ اور قلعی سے بنا ہوا تھا اور جو ایک سو بیس ہاتھ بلند تھا، میں شگاف پڑ گیا۔ چنانچہ شاعر نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

طاقِ کسریٰ سر کشیدہ کان با وجِ آسمان
در شبِ مولودِ آنحضرتؐ فتاد اندر زمان

اس قلعہ میں شگاف پڑنے سے جو آواز پیدا ہوئی وہ ستر ستر میل تک سنی گئی۔

اور تمام لوگ نیند سے بیدار ہو گئے۔ نوشیرواں نے بآوازِ بلند پوچھا کہ قلعہ کے اندر یہ خوفناک آواز کیا تھی؟ نجومیوں نے بتلایا کہ عالیجاہ! جس بچہ کی ولادت کی خبر کل ہم نے آپ کے حضور عرض کی تھی، وہ بچہ اب رحمِ مادر سے صحرائے دنیا میں تشریف لے آیا ہے اور مکہ میں اس کی ولادت ہو گئی ہے۔ نوشیرواں نے عجیب و غریب تحائف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں بطور مبارکباد حضرت عبدالمطلب کے پاس بھیجے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "اَنَا وُلِدْتُ فِیْ زَمَانِ الْعَادِلِ" یعنی میں ایک عادل بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب

بہ و شجرۃ الانوار، مشارق الانوار اور مطلع الانوار میں لکھا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرہ نسب یوں ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدالمناف (میم پر پیش) بن کعب بن قصی (قاف پر پیش) صاد پر زبر اور یاء پر تشدید) بن کلاب (کاف پر زیر) بن مرہ (میم پر پیش، اور راء پر تشدید) بن کعب (کاف پر زبر اور عین ساکن) بن لوئی (لام پر پیش، ہمزہ پر زبر اور یاء پر تشدید) بن غالب بن فہر (فاء کے نیچے زیر اور ہاء پر جزم) بن مالک بن نضر بن کنانہ (کاف پر زیر) بن خذیمہ بن مدرکہ (میم پر پیش) بن الیاس بن مُضَر (میم پر پیش اور ضاد پر زبر) بن نزار (نون پر زیر) بن معد (میم پر پیش عین پر زبر) بن عدنان یہاں تک تو تمام مورخ متفق ہیں۔ عدنان سے آدم علیہ السلام تک افراد کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کسی نے تو عدنان و اسمٰعیل علیہ السلام کے درمیان چھتیس ۳۶ افراد کا ذکر کیا ہے اور کسی نے چالیس ۴۰ کا۔ اسی طرح اسمٰعیل علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک بھی تعداد میں اختلاف ہے۔ کسی نے نوے ۹۰ افراد کا ذکر کیا ہے اور کسی نے تعداد کم و بیش بتائی ہے۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ کا شجرہ یوں ہے: آمنہ بنت وہب بن عبدالمناف بن زہرہ بن کلاب۔ (آخر تک)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف دو سال چار ماہ ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی کھجوروں کی تجارت کے سلسلہ میں مدینہ تشریف لے گئے اور وہیں اُن کی وفات ہو گئی۔ بعض مورخین کی رائے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی رحم مادر میں ہی تھے کہ آپ کے والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ واللہ اعلم

شق صدر کا واقعہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تین چار سال ہوئی تو شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے بچوں کے ہمراہ بکریاں چرانے کے لئے صحرا میں گئے۔ ایک جگہ ذرا ٹھہرے کہ اچانک آدمی کے لباس میں ایک فرشتہ آیا اور بچوں کے درمیان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھا کر کافی فاصلہ پر لے گیا۔ وہاں آپ کو لٹا دیا اور سینہ چاک کر کے دل کو نکال لیا۔ اسے جنت سے لائی ہوئی ایک طشتری میں رکھا اور زمزم کے پانی سے دھویا۔ خون کا کچھ حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے باہر نکال دیا اور کہا کہ یہ شیطانی وساوس و خطرات تھے جو نکال دیئے گئے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر ایک چھوٹا سا نشان جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا تھا، اُسے دھونے کی فرشتے نے کوشش کی لیکن وہ نقطہ محبت نہ دھل سکا۔ جب بچوں نے یہ دیکھا تو وہ دوڑتے ہوئے حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ کسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا یہ خبر سنتے ہی دوڑ پڑیں۔ جب وہاں پہنچیں تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ایک درخت کے سایہ میں بیٹھے ہیں۔ مگر آپ کا رنگ قدرے متغیر تھا۔ حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ کو گھر لائیں اور آپ کی خدمت میں مشغول ہو گئیں۔ شق صدر کا نشان زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر باقی رہا۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ شق صدر کا واقعہ ایک بار نہیں بلکہ تین بار ظہور پذیر ہوا۔ (مطلع الانوار)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھ سال کی ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب اپنے بھائیوں سے ملنے کے لئے مدینہ تشریف لے گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ دورانِ سفر ایک شخص ملا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر مہر نبوت کو دیکھا تو آپ کی والدہ سے کہا "اے محترم خاتون یہ بچہ نبی آخر الزماں ہے اس کی پوری پوری حفاظت کرو اور اس کے شان کے مطابق اس سے سلوک کرو۔ وہ کہنے لگا کہ جب یہ بچہ اعلانِ نبوت کرے گا تو اگر میں زندہ ہوا تو ان کی پوری پوری امداد کروں گا اور اگر میں فوت ہو گیا تو آپ انہیں میرا سلام پہنچا دینا۔

حضرت آمنہ وطن سے واپس آتے ہوئے ابوا کے مقام کے قریب پہنچیں تو تھوڑی سی علالت کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ ابوا مدینہ کے قریب ایک جگہ ہے۔ ام ایمن جو سفر میں ہمراہ تھیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ میں لائیں اور حضرت عبدالمطلب کے سپرد کر دیا۔ حضرت عبدالمطلب کو اس یتیم بچہ سے بہت پیار تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دادا کے دل میں شدید تھی۔ انہیں ایام میں مکہ میں سخت قحط پڑ گیا۔ قریش مکہ نے ایک غیبی آواز سنی کہ اس نبی آخر الزماں کے واسطے سے بارانِ رحمت طلب کرو۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کندھے کے ساتھ کھڑا کر کے خدا سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی اور قحط دور ہو گیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمر ایک روایت کے مطابق سات سال اور دوسری روایت کے مطابق آٹھ سال ہو گئی تو حضرت عبدالمطلب وفات پا گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے اپنے ذمہ لی اور عمدہ طریقے سے آپ کی تربیت کی۔

حضرت اسرافیلؑ اور حضرت جبریلؑ آپ کے خادم کی حیثیت سے

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرافیلؑ کو حکم دیا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہو چنانچہ عمر کے گیارھویں سال تک حضرت اسرافیلؑ آپ کی خدمت کے لئے وقف رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ دورانِ خدمت حضرت اسرافیلؑ چند بار آپ پر ظاہر ہوئے اور چند بار آپ سے ایک دو باتیں بھی کیں۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو حکم دیا کہ اب تم خدمت میں رہو۔

حضرت جبرئیلؑ انتیس سال خدمت میں رہے مگر اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر نہ ہوتے۔ نزولِ وحی سے پندرہ سال قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دائیں بائیں اور اوپر کی جانب سے "یا محمدؐ" کے الفاظ سنائی دیتے لیکن کوئی شخص نظر نہ آتا تھا۔ نزولِ وحی سے سات سال قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف اطراف میں روشنی دکھائی دیتی، لیکن کوئی شخص دکھائی نہ دیتا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ سال ہو گئی، تو جناب ابو طالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہمراہ ملک شام لے گئے۔ وہاں ایک راہب جس کا نام بحیرا تھا، کی نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اس نے فوراً آپ کو پہچان لیا کہ یہی وہ بچہ ہے جو نبی آخر الزماں ہو گا، کیونکہ تمام علامات نبوت اس میں پائی جاتی ہیں۔ بحیرا نے آپ کا بڑا ادب و احترام کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھارہ سال کے ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ بن ابو قحافہ کے ساتھ آپ کے انتہائی دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے اور بیسویں سال میں حضرت ابو بکرؓ آپ کے ہمراہ شام کی طرف گئے۔ دورانِ سفر حضرت ابو بکرؓ نے کئی حیران کن واقعات آپ کی معیت میں ملاحظہ کئے، جس پر آپ کی صداقت ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی (تحفۃ الحق)

حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح

مطلع الانوار میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال کی ہوئی تو آپ نے تجارتی مقاصد کے لئے شام جانے کا ارادہ کیا حضرت خدیجہؓ نے بھی اپنا تجارتی سامان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا اور اپنا غلام میسرہ بھی ہمراہ کر دیا۔ دورانِ سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل سایہ فگن رہا اور جہاں سے بھی آپ کا گذر ہوتا درخت ہوں یا پتھر پکارتے "السلام علیکم یا رسول اللہ" غلام نے یہ خوارق عادات اور حیران کن واقعات دیکھے تو سفر سے واپسی پر ان کی تفصیل حضرت خدیجہؓ کو سنائی۔ ان تفصیلات کے سننے کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ کی بے حد معتقد ہو گئیں اور ان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ ازدواج قائم کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔

کہتے ہیں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ نیز بی بی زینب رضی اللہ عنہا، بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا، بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور تین صاحبزادگان جناب قاسم رضی اللہ عنہ، جناب طیب رضی اللہ عنہ اور جناب طاہر رضی اللہ عنہ کی بھی ولادت ہوئی۔

خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو :۔ معارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تیس ۳۰ سال کی ہوئی اور قریش مکہ نے خانہ کعبہ کی تعمیرِ نو کا آغاز کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے حجرِ اسود نصب ہوا۔

علاماتِ وحی :۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال ہو گئی تو آپ پر وحی کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوئے اور جب عمر اکتالیس سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرفِ نبوت سے سرفراز فرمایا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن :۔ نبوت کے دسویں سال حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور جناب ابوطالب کا انتقال ہو گیا۔ "شجرۃ الانوار" میں فخری نے ذکر کیا ہے کہ اصحابِ سیرت کی رائے میں آپ کی ازواجِ مطہرات کی تعداد بارہ تھی۔ بعض نے گیارہ بھی بتلائی ہے۔ گویا گیارہ پر اتفاق ہے اور صرف ایک کے بارہ میں اختلاف ہے کہ وہ زوجہ تھیں یا لونڈی تھیں۔ "شرح سفر السعادۃ" میں آپ کی ازواج کی تفصیل یوں مذکور ہے کہ:

(۱) پہلی زوجہ حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کو دورِ جاہلیت میں بھی طاہرہ اور مطہرہ کے ناموں سے یاد کیا جاتا تھا۔ جناب ابراہیم کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہوئی۔ البتہ جناب ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے متولد ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرتِ مکہ سے تین سال قبل ہوئی۔ اس وقت حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر پینسٹھ ۶۵ برس تھی۔ آپ کی ازدواجی رفاقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ پچیس ۲۵ سال تک رہی۔

(۲) دوسری زوجہ محترمہ کا نام بی بی سودہ بنت زمعہؓ ہے۔ حضرت بی بی خدیجہؓ کی وفات کے بعد مکہ میں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح سے قبل حضرت بی بی سودہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ زیادہ عمر رسیدہ ہو گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدگی کا خیال فرمایا۔ لیکن آپ نے اپنی باری حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔ آپ کی وفات چوّن ہجری میں ہوئی۔

(۳) تیسری زوجہ حضرت بی بی عائشہ صدیقہؓ بنت ابوبکرؓ ہیں۔ حضرت بی بی عائشہؓ کی عمر چھ سال ہی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا جبکہ رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال تھی حضرت بی بی عائشہؓ کی وفات ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں ہوئی۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے ۶۶ سال کی عمر پائی۔

(۴) چوتھی زوجہ حضرت بی بی حفصہؓ بنت عمرؓ بن خطاب ہیں۔ آپ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ یا ۳ھ میں نکاح کیا۔ آپؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق بھی دے دی تھی لیکن رجوع فرمالیا۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے وحی پہنچی کہ اے ہمارے رسول اس طلاق سے رجوع کیجئے کہ وہ صائمۃ النہار اور قائمۃ اللیل خاتون ہیں اور قیامت کے دن بہشت میں بھی وہ آپ کے حلقۂ ازواج میں ہوں گی۔ ان کی وفات ۴۱ھ یا ۴۵ھ میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ خلافتِ عثمانؓ کے دوران میں ہوئی۔

(۵) پانچویں زوجہ کا نام حضرت بی بی زینبؓ بنت خزیمہ ہے۔ آپ کا لقب امّ المساکین تھا۔ کیونکہ مساکین کی دل کھول کر امداد کیا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ۳ھ میں ہوا۔ وفات ۴ھ میں ہوئی اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج کا رشتہ فقط چند ماہ رہا۔

(۶) چھٹی زوجہ حضرت بی بی ام سلمہؓ تھیں ۳ھ یا ۴ھ میں ابوسلمہ کی وفات کے بعد نکاح میں آئیں۔ ان کی وفات بعض کی رائے میں ۵۹ھ میں اور بعض کے خیال میں ۶۲ھ

میں ہوئی پہلی روایت زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ عمر ۴۸ سال تھی۔

⑦ ساتویں زوجہ محترمہ بی بی زینبؓ بنت جحش تھیں۔ جو پہلے حضرت زیدؓ کے نکاح میں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۵ھ میں نکاح کیا۔ آپ کی وفات ۲۰ھ یا ۲۱ھ میں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جس زوجہ محترمہ کا انتقال ہوا وہ آپ ہی تھیں۔

⑧ آٹھویں زوجہ حضرت بی بی ام حبیبہؓ بنت ابو سفیان تھیں۔ ان کے نکاح کے زمانہ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ بی بی ام حبیبہؓ اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ حبشہ میں ان کے خاوند کا انتقال ہو گیا تو نجاشی نے چار صد دینار یا چار ہزار درہم کے مہر پر آپ کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا آپ کی وفات ۴۲ھ یا ۴۴ھ میں ہوئی۔

⑨ نویں زوجہ کا نام حضرت بی بی جویریہؓ بنت الحارث تھا۔ ۶ھ میں قیدی کی حیثیت سے حاضر ہوئیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرما کر ان سے عقد فرما لیا۔ ان کا پہلا نام برہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہؓ سے بدل دیا۔ وفات ۵۶ھ میں ہوئی۔

⑩ دسویں زوجہ حضرت میمونہؓ تھیں صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے سال یعنی ۷ھ میں آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا۔ جس جگہ نکاح ہوا اس کا نام سرف ہے جو مکہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان کی وفات بھی اسی جگہ ۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر پر ایک عمارت بھی قائم ہے، جس کو تبرک سمجھا جاتا ہے اور زیارت کی جاتی ہے۔

⑪ گیارھویں زوجہ حضرت بی بی صفیہؓ بنت حیی بن اخطب یہودیہ تھیں۔ ان کا شجرہ نسب حضرت ہارونؑ سے ملتا ہے۔ ۷ھ میں جب غزوہ خیبر ہوا تو یہ گرفتار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوئیں۔ حضور نے آزاد کر کے شادی کر لی۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ پہلے حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد کر دیا اور نکاح کر لیا۔ سالِ وفات ۵۲ھ یا ۵۵ھ ہے۔

⑫ بارھویں زوجہ حضرت بی بی ریحانہؓ بنت زید یہودیہ تھیں، جن کا تعلق بنو نضیر یا

بنو قریظہ کے ساتھ تھا۔ یہ قید ہو کر آئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمایا اور عقد کر لیا حجۃ الوداع سے واپسی کے موقعہ پر سنہ ۱۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سنہ ۱۶ھ میں ہوئی۔ لیکن پہلا قول ہی درست ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ مساویانہ سلوک کرتے تھے نان و نفقہ اور دیگر وہ تمام امور جن پر انسان قادر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے ساتھ ایک سا سلوک کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ میرے مولا! نان و نفقہ وغیرہ وہ تمام کام جن کی مجھے قدرت ہے۔ ان میں میں مساوات اختیار کرتا ہوں لیکن محبت اور دیگر معاملات جو انسان کے اختیار سے باہر ہیں ان میں اگر میں مساوات قائم نہ رکھ سکوں تو تو مجھے درگزر فرما۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد

فخری کی تصنیف کردہ کتاب "شجرۃ الانوار اور مطلع الاقوار" میں لکھا ہے کہ جناب ابراہیم کے سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت بی بی خدیجہؓ کے بطن سے تھی۔ قول صحیح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے نام ہیں جناب قاسم۔ جناب عبداللہ جناب ابراہیم۔ طیب و طاہر جناب عبداللہ کا لقب تھا الگ نام نہیں تھے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ بیٹے تھے جن میں جناب طاہر اور جناب طیب بھی تھے۔ آپ کی سب اولاد میں سے اوّل جناب قاسم پیدا ہوئے۔ یہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ دو سال زندہ رہے اور مکہ میں ہی وفات پا گئے۔ جناب عبداللہ بھی مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ سنہ ۸ھ میں مدینہ منورہ میں جناب ابراہیم کی ولادت ہوئی۔ ایک سال زندہ رہنے کے بعد سنہ ۹ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں میں سے سب سے بڑی بیٹی حضرت زینبؓ تھیں ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خالہ زاد بھائی ابو العاصؓ بن ربیع کے ساتھ کیا۔ حضرت زینبؓ واقعہ فیل کے تیسویں برس متولد ہوئیں۔ ان کی وفات حضورؐ کی زندگی

میں ہی ۸ھ میں ہوئی۔ ان کے شوہر ابو العاص مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

دوسری بیٹی حضرت رقیہؓ ہیں جن کی ولادت بعثت سے قبل اور واقعہ فیل کے بعد ہوئی۔ ان کی شادی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی۔ اس بدبخت نے اپنے بدنصیب باپ کے کہنے پر حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے کر دی۔ حضرت عثمانؓ سے آپ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حضرت عبداللہؓ ہے۔ حضرت عثمانؓ کی کنیت اسی سبب ابو عبداللہ ہوئی۔

تیسری دختر حضرت ام کلثومؓ تھیں حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد ان کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ سے کر دیا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کو ذی النورین کہا جاتا ہے۔ ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی اگرچہ بعض کا خیال ہے کہ ایک بیٹا متولد ہوا تھا لیکن بچپن میں ہی وفات پا گیا۔ ان کی وفات ۹ھ میں ہوئی۔

چوتھی بیٹی حضرت بی بی فاطمہ زہرہؓ ہیں۔ ان کی ولادت واقعہ فیل کے پینتیس ۳۵ سال بعد اور نبوت سے پانچ سال قبل ہوئی۔ بعض کا قول ہے کہ واقعہ فیل کے اکتالیس ۴۱ سال بعد ولادت ہوئی۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں۔ اگرچہ بعض نے حضرت رقیہؓ کو بعض نے حضرت ام کلثومؓ کو خورد ترین لکھا ہے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔

ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک میں جب حضرت علیؓ جنگ بدر سے واپس آئے تو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ رشتہ طلب کیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ پیش حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی۔ اس وقت حضرت بی بی فاطمہؓ کی عمر پندرہ ۱۵ سال تھی۔ آپ کے بطن سے امام حسنؓ، امام حسینؓ، حضرت زینبؓ، حضرت ام کلثومؓ حضرت رقیہ پیدا ہوئے۔ جناب محسن کا اسقاط ہوا اور آپ بیمار ہو گئیں اسی مرض میں ۱۱ھ کی رات ۳ ماہ رمضان میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی قبر مبارک اگرچہ مدینہ میں ہی ہے لیکن اس جگہ کا تعین نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کس جگہ دفن ہوئیں۔ آپ کی کل عمر اٹھائیس ۲۸ سال ہے۔

واقعہ معراج

مطلع الانوار اور تفسیر کی کئی دیگر کتب میں منقول ہے کہ رجب کی ۲۷ تاریخ کو اللہ تعالیٰ نے معراج کی نعمت سے مالا مال فرمایا۔ نبوّت کا بارھواں سال تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر باون ۵۲ سال تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت کے دربان رضوان کو جنّت آراستہ و پیراستہ کرنے کا حکم دیا۔ جہنم کے چوکیدار مالک کو حکم دیا گیا کہ نارِ جہنم کو آہستہ کر دیں اور قبروں سے عذاب اُٹھا لیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جنّت میں جاؤ اور ستّر ہزار فرشتوں کے ہمراہ براق لے کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پہنچو، جو اس وقت حضرت اُمِ ہانی کے گھر میں آرام کر رہے ہیں۔ نہایت عزت و تکریم سے انہیں میرے ہاں لے آؤ۔ چنانچہ فرمانِ خداوندی کے بموجب حضرت جبریل علیہ السلام نے ستّر ہزار فرشتوں کو ساتھ لیکر بہشت سے براق حاصل کیا اور اُمِ ہانی کے دروازہ پر جا پہنچے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور حکم سے آگاہ کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے۔ بیت اللہ میں آئے۔ وضو کر کے حطیم میں دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی اور براق پر سوار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب جبریل علیہ السلام کے علاوہ ستّر ہزار فرشتے تھے۔ بیت المقدس پہنچے۔

در آں مسجد امامِ انبیاء شد

صفِ پیشینیاں را پیشوا شد

(اس مسجد میں انبیاء کی امامت کی اور پیشواؤں کی صف کے پیشوا بنے۔) اور پھر ایک نورانی سیڑھی کے ذریعے پہلے آسمان پر پہنچے۔ فرشتوں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "یہ نبی آخر الزمان ہیں" اور ان کا اسمِ گرامی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

فرشتوں نے "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا" کہا اور حضورؐ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا۔ وہیں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جواب میں "وعلیکم السلام یا ابن الصالح والنبی

الصَّالِح" کہا۔ وہاں سے دوسرے آسمان پر پہنچے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ ان پر سلام کہا۔ انہوں نے "مَرحَباً بِالاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ" فرمایا۔

تیسرے آسمان پر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہیں بھی سلام کہا۔ تو انہوں نے بھی "بِالاَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِیِّ الصَّالِحِ" کے کلمات سے خوش آمدید کہا۔

چوتھے آسمان پر پہنچے تو حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات کی۔ انہوں نے "مَرحَباً بِالاَخِ الصَّالِحِ وَالنبی الصالح" کہا۔ یہاں ایک درخت کے نیچے ایک خوفناک شکل کے قوی ہیکل فرشتہ کو بہت سے فرشتوں میں بیٹھے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ عزرائیلؑ ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے عزرائیلؑ کو کہا کہ سرور انبیاء کے ساتھ ملاقات کرو۔ عزرائیلؑ نے پورے احترام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عزرائیلؑ سے پوچھا کہ تم روحوں کو کیسے قبض کرتے ہو؟ جواب دیا کہ یہ بڑا درخت جس کے نیچے بیٹھا ہوا ہوں۔ اس پر ہر انسان اور ہر جن کے نام کا ایک پتا ہے۔ اس کا نام پتے پر لکھا ہے۔ جب کسی شخص کی موت قریب آتی ہے تو چالیس روز قبل ہی اس کے نام کا پتا زرد ہو جاتا ہے اور جب گر پڑتا ہے تو میں اس پتا کو دیکھتا ہوں۔ اگر تو وہ شخص نیک ہوتا ہے تو یہ فرشتے جو میرے دائیں جانب بیٹھے ہیں۔ انہیں اشارہ کرتا ہوں کہ اس کی جان قبض کر کے علیین تک پہنچا دیں۔ اور اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہوتا ہے تو یہ فرشتے جو میری بائیں جانب بیٹھے ہیں، انہیں اشارہ کرتا ہوں کہ اس شخص پر لعنت کرتے ہوئے اس کی روح قبض کر کے سجین میں پہنچا دیں۔

مجھے یہ پتہ نہیں کہ روح کیا ہوتی ہے۔ اور نہ ہی میں نے اس کو کبھی دیکھا ہے۔ جب میرے ہاتھ میں کچھ بوجھ محسوس ہو تو مجھے پتہ چلتا ہے کہ روح ہے۔ مگر یا رسول اللہ آپ کو خوشخبری ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کر کے اس کام پر مامور کیا تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے فرمان آیا کہ میں نبی آخر الزمانؐ کو پیدا کروں گا جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ جب تم ان کی امت کی جان قبض کرنے لگو تو اس طرح قبض کرنا جیسے کہ

ایک شفیق ماں اپنے سوتے ہوئے بچّے کے منہ سے بڑی آہستگی سے اپنا پستان نکال لیتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے منزل بہ منزل گذرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ یہ جگہ جبریل علیہ السلام کا ٹھکانہ ہے۔ یہاں بیری کا ایک درخت ہے جو ساتویں آسمان کے کنارے پر بہشت کے آخر میں واقع ہے۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح اور اس کا پھل گھڑوں کے برابر ہے۔ اس کی جڑ سے چار نہریں پھوٹ رہی ہیں۔ یہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المعمور پہنچے۔ مگر وہاں براق کی بجائے رفرف کے ذریعہ پہنچے۔ یہ رفرف ایک خاص قسم کا تخت ہے جس کے اوپر ایک غلاف پڑا ہے، جو سبز رنگ کا ہے۔ آپ اس پر سوار ہو کر آگے گئے۔ اور جبریل علیہ السلام یہیں ٹھہر گئے:

بدو گفت سالارِ بیت الحرام   کہ اے حاملِ وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی!   عنانم ز صحبت چرا تافتی!
بگفتا فراتر مجالم نماند   بماندم کہ نیروئے بالم نماند
اگر یک سرِ موئے برتر پرم   فروغِ تجلّی بسوزد پرم

آخر کار حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ معلّی کو بھی عبور کر کے دربارِ خداوندی میں پہنچے۔

مکانے یافت خالی از مکاں نیز   کہ تن محرم نبود آنجا و جاں نیز
بدید آنچہ از حد دیدن بیروں بود   مپرس از ما کیفیت کہ چوں بود
شنید آنجا کلامی نے باآواز!   معانی در معانی، راز در راز

کہا جاتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نور کی تجلّی دیکھی تو آپ نے "التحیات للہ والصّلوٰت والطیبات" کہا۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" فرمایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصّالحین" کہا تو فرشتوں نے "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ" کہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال میں اختلاف ہے۔ بعض نے ربیع الاول کی یکم، بعض نے بارہ اور بعض نے چار بتلائی ہے لیکن سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے حضرت گنج شکرؒ کے حوالہ سے راحت القلوب میں نقل کیا ہے کہ صحیح روایات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بتاریخ ۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہفتہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور اسی ماہ کی چار تاریخ بروز بدھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کیا گیا کیونکہ اسی جگہ آپ کا وصال ہوا تھا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ ۶۳ برس تھی۔

مؤلف مطلع الانوار مشارق الانوار اور شرح مصابیح کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ تکیہ لگائے تھے کہ عزرائیلؑ نے اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچایا اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو دنیا میں رہنے یا یہاں سے جانے کا اختیار دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فی الرفیق الاعلیٰ مع الذین انعمت علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین" اور کہا کہ ذرا ٹھہرو میرا دوست جبرئیل آجائے۔ اسی اثنا میں رحمت کے ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ حضرت جبرئیلؑ اور حضرت میکائیلؑ پہنچ گئے ان کے ہاتھوں میں نورانی طشتریاں تھیں جنت کا داروغہ رضوان بھی آیا۔ ان کے علاوہ آپ کے استقبال کے لئے تمام انبیاء صلوات اللہ علی نبینا وعلیہم والسلام کی روحیں بھی حاضر خدمت ہوئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ میرے دوست اس نازک گھڑی میں تم مجھے چھوڑ رہے ہو۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا حضرت! اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق میں نے جنت کو سنوار دیا ہے۔ حوروں اور غلمان نے نئے نئے زیور اور لباس پہن رکھے ہیں تمام اہل جنت اور عرش کے رہنے والے تمام فرشتے اور تمام انبیاء کی ارواح آپ کی تشریف آوری کے منتظر ہیں اور آپ کے استقبال میں

چشم براہ ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بھائی میں تجھ سے یہ نہیں پوچھتا میں تو یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ میری اُمّت کا کیا حال ہوگا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی روشنی میں جواب دیا کہ "اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ جب تک آپ اپنا قدم جنّت میں نہیں رکھیں گے اُس وقت تک کوئی نبی جنّت میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح جب تک آپ کی اُمّت جنّت میں داخل نہ ہوگی کسی نبی کی اُمّت کو جنّت میں داخلہ کی اجازت نہ ہوگی۔ آپ کی اُمّت میں ایک کلمہ گو بھی جب تک باہر ہے اُس وقت تک دوسری اُمّتیں جنّت میں نہیں جا سکیں گی" جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے کہ آپ اپنی اُمّت میرے سپرد کر دیجئے اور اگلے جہان تشریف لایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خوشخبری سُن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا اے عزرائیلؑ اب جلدی کرو، مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔ اب میں تیار ہوں۔

بعد ازاں حضرت عزرائیلؑ نے اپنا ہاتھ آپ کی ہتھیلی مبارک پر رکھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح مبارک کو قبض کر لیا۔

حضرت بی بی عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ پانی حضور کے پاس رکھا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار اپنا ہاتھ اس پانی میں تر کرتے اور اپنے چہرہ مبارک پر ملتے اور فرماتے "لا الٰہ الا اللہ بلاشبہ موت کے سکرات بڑے سخت ہیں" اتنی دوران آپ اس جہان سے کوچ فرما گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک۔ کسی بزرگ نے شمائل نبوی یا کسی اور کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک عجیب و غریب شعروں کی صورت میں لکھا ہے چونکہ مجھے یہ بہت ہی پسند آئے ہیں اس لئے بطور تیمن و تبرک انہیں درج کیا جا رہا ہے تاکہ لوگوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقعہ مل جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد از تحمید ایزد را کہ ہست او مہربان
نعت احمد مجتبیٰؐ سالارِ خیل مرسلان
حلیۂ حضرت محمد مصطفیٰؐ در سلک نظم
کردہ ام منظوم چند ابیات بہر طالبان
اسمر بیاض اللون بود گندم گوں سفید آمیز آں خیر البشر
حلیہ او ہر کہ بیند تا ابد یابد امان !!؟
رحب الجبہہ بود پیشانی کشادہ خندہ محبوبِ حق !
آفتابِ دین و دنیا بود انشاءِ جہان
ازجّ الحاجب ابرولیش پیوستہ چوں قوس قزح بر آفتاب
یا دو طاؤس نشستہ حاجب باغ جنان
املح الوجہ روئے آں سرورِ نبیؐ پر نور با چندیں نمک
یافتہ زاں نور قسمت مرسلان و مومنان
اسود عینین چشم آں سرورؐ بغایت بد سیاہ و لبس سفید
روز و شب شد مجتمع یکجا بدیدم جادوان !
اقنی الانف بود بر روئے مبارک آں نبیؐ بینی بلند
ہر کہ بیند آں رخ روشن بگردد کامران
تام القد قد آں سرورؐ میانہ بود روشن ہمچو ماہ
بر زمین مے رفت لیکن سایہ اش بر آسمان
افلج الاسنان بود دنداں کشادہ ہر یکے چوں آفتاب
از تبسم او شدہ روشن زمین و آسمان !!
مجتمع اللحیہ بر رخ روشن مبارک او محاسن گرد بود

خوشنما و روشن و خوشبو چو مشک و زعفران

طَوِیلُ الیَدَین ہر دو دستش بد دراز و تا بزانو میرسید

این سعادت داد ایزد ست امت را ضمان!

دقیق الاناملِ ہر یکے انگشت آن سرور کلید گنج ہاست

دیدلش باریک لیکن کار او بد پُر گران!

لیس فی بدنه شعرٌ الا کالخطِ من الصدرِ الی السّرة

در تن روشن بنودش ہیچ موئے آشکارا!

جز خط از سینہ تا ناف آن جانان جان

صد ہزاراں رحمت حق بر وفے و بر آل او

ہم بر اصحاب پیغمبر باد و ہم بر پیروان!

یا محمد سرافراز کن تو این مسکین خویش!

بے نیازم کن مرا از این مہتران و کہتران!

عاقبت محمود گردان یا الٰہ العالمین!

ہر کہ بیند یا بخواند نظم این حلیہ بجان

اشعار کا مختصر ترجمہ

آپؐ کا رنگ مبارک گندمی تھا۔ پیشانی مبارک کشادہ اور روشن تھی۔ آپؐ کے ابرو شریف پیوستہ تھے۔ آپؐ کا نورانی چہرہ ملیح اور پُر کشش۔ آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی بے حد سفید اور سیاہی بے حد سیاہ تھی۔ آپؐ کی ناک مبارک ستواں اور اٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ کا قد درمیانہ تھا، نہ بہت طویل اور نہ چھوٹا۔ آپؐ چلتے تو زمین پر آپؐ کا سایہ نہ ہوتا بلکہ آپؐ کا سایہ آسمان پر تھا۔ آپؐ کے دانتوں کے درمیان باہمی کچھ فاصلہ تھا۔ آپؐ مسکراتے تو زمین و آسمان روشن ہو جاتے۔

آپؐ کی داڑھی مبارک گھنی اور اجلی تھی۔ بازو لمبے تھے۔ اور آپؐ کے زانوؤں تک جا پہنچتے تھے۔ انگلیوں کے پورے نرم تھے۔ آپؐ کے بدن پر زیادہ بال نہ تھے۔ البتہ سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک پتلی لکیر تھی۔ اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ہوں آپؐ کی ذات بابرکات پر اور آپؐ کے اصحابؓ پر

امیر المومنین حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔

پوری امت کے اجماع اور حضور سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ کی عمر تریسٹھ ۶۳ برس تھی اور مدت خلافت دو ۲ سال چند ماہ آپ کا وصال ۲۲ یا ۲۳ یا ۲۷ جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجرہ مبارک میں مدفون ہوئے۔

امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔

حضرت ابوبکرؓ کے بعد امیر المومنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں مصر، شام، عراق، خراسان اور روم کے علاقے فتح ہوئے۔ آپ دس سال چھ ماہ پانچ دن یا چار دن مسند خلافت پر رونق افروز رہے۔ آپ کی عمر تریسٹھ ۶۳ سال تھی۔ آپ بھی حجرہ مبارکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ دفن ہوئے۔

امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔

حضرت عمرؓ کے بعد امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت کی زینت بنے۔ آپ کی مدت خلافت گیارہ سال گیارہ ماہ اور اٹھارہ دن رہی۔ آپ کے عہد خلافت میں قہستان، طوس، نشاور، سرخس، مرو اور بلخ کے علاقے فتح ہوئے۔ آپ کا وصال بروز جمعہ ۲۸ ذی الحجہ ۳۵ھ ہوا۔ آپ کی عمر اٹھہتر ۷۸ برس تھی۔

خلافتِ علیؓ

:- حضرت عثمانؓ کے بعد امام الاشجعین حضرت علیؓ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے اور یوں دُنیا کو اپنے نور سے منوّر کیا۔

سوال : خلفاءِ ثلاثہ اپنے مقام اور درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے احترام کے مالک ہیں، لیکن مؤلفؒ نے ان کی مختصر توصیف کی۔ حالانکہ وہ تینوں زمانے کے مایۂ ناز انسان اور دُرِ بے بہا تھے حضرت علیؓ نے ان تین حضرات کی یکے بعد دیگرے بیعت بھی کی ہے۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ مسلکِ اہلِ سُنّت کے بالکل برعکس مصنّفؒ نے حضرت علیؓ کی فضیلت میں مبالغہ کیا اور اُن تینوں حضرات کا ذکر سرسری طور پر کیا ہے۔

جواب : مصنّفِ کتاب نے اپنے افتتاحی خطبہ میں تمام اصحاب کا ذکر "اجمعین" کے لفظ کے ساتھ کیا ہے، مگر "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ" کی روشنی میں حضرت علیؓ کے ساتھ نسبتاً زیادہ وابستگی اختیار کرلی ہے تو اس بنیاد پر مصنّف کو موردِ الزام گرداننا مناسب نہیں ہے۔ اور رہا حضرت علیؓ کا صحابۂ ثلاثہ کی بیعت کرنا تو یہ بیعت تصدیقِ خلافت کے لئے تھی، فیض یابی مقصود نہ تھی۔

مصنّفؒ نے حضرت علیؓ کی توصیف خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی کہ صوفیاء کے چاروں سلاسل چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ کا اصل سرچشمہ حضرت علیؓ ہی ہیں۔ سلسلہ نقشبندیہ البتہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نکلا ہے لیکن یہ سلسلہ بھی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ پر پھر حضرت علیؓ سے پیوست ہو جاتا ہے۔

چاروں سلاسلِ صوفیاء کا مرکز علیؓ ہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وَکَانُوْا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا" نیز ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّہِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ" تمام صحابہ کی شان میں وارد ہوا تو پھر ان چاروں سلاسل کا صرف علیؓ کو اپنے سلسلوں کا سرچشمہ بنانے کی کیا وجہ ہے؟

جواب : "راحت القلوب"، "سیر الاولیاء" اور "جواہر گنج" میں منقول ہے کہ شبِ معراج

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس تشریف لائے تو اپنے تمام صحابہؓ کو طلب فرما کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے مجھے یہ خرقہ خلافت ملا ہے۔ یہ تم میں سے کسی کو دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقؓ سے فرمایا کہ "یہ خرقہ اگر میں تمہیں دے دوں تو تم کیا کرو گے"۔ آپ نے عرض کیا کہ صدق اختیار کروں گا۔ حضرت عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ عدل کروں گا۔ حضرت عثمانؓ سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ میں سخاوت کروں گا۔ بعد ازاں حضرت علیؓ سے پوچھا کہ "اگر یہ خرقہ تمہیں مل جائے تو تم کیا کرو گے"۔ تو آپ نے جواب دیا کہ میں لوگوں کی پردہ پوشی کیا کروں گا۔

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خرقہ حضرت علیؓ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دے رکھا تھا کہ جو شخص یہ جواب دے یہ خرقہ اس کے حوالے کرنا۔

• لطائفِ اشرفی میں میر سید اشرف سمنانیؒ نے باتفاق مشائخ لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار سے حضرت جبریل علیہ السلام ایک خصوصی جامہ لے کر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جامہ کے چار ٹکڑے کر دیئے اور اپنے چاروں صحابہ کو دے دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان ٹکڑوں کی پوری حفاظت کرنا اور جب میں طلب کروں تو اسے میرے پیش کر دینا"۔ کافی مدت گزرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کو حکم دیا کہ اپنے اپنے ٹکڑے پیش کر دو۔ یہ چاروں حضرات ٹکڑے لینے کو گئے۔ لیکن حضرت علیؓ کے ماسوا کسی کو بھی وہ ٹکڑا نہ ملا۔ حضرت علیؓ اپنا ٹکڑا لائے تو اس کے ساتھ باقی تین ٹکڑے بھی پیوستہ اور سلے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خرقہ تمہیں مبارک ہو۔ خود بھی پہنو اور لوگوں کو بھی پہناؤ۔

امیر خسروؒ نے اپنی کتاب "افضل الفوائد" میں لکھا ہے کہ امام ابو اللیث سمرقندیؒ (بمطابق روایت خواجہ حسن بصریؒ در کتاب "تنبیہ") نے فرمایا ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ جبریل علیہ السلام آئے ان کے پاس چار ٹوپیاں تھیں،

سر ٹوپی کے ساتھ کوئی نہ کوئی پرہیز یا پابندی تھی۔ ایک ٹوپی ایک ترکی دوسری دو ترکی تیسری تین ترکی اور چوتھی چار ترکی۔ جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بعد از سلام حکم دیا ہے کہ یہ چاروں ٹوپیاں اپنی مرضی سے چار افراد کو دے دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترکی حضرت ابو بکرؓ کو دی، دو ترکی حضرت عمرؓ کو، تین ترکی حضرت عثمانؓ کو اور چار ترکی حضرت علیؓ کو دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم چاروں کو خلافتِ الٰہی مبارک ہو۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یک ترکی سے مراد ہے ترکِ دُنیا۔ دو ترکی سے مراد ترکِ دُنیا و آخرت ہے۔ سہ ترکی سے مُراد ترکِ دُنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ پندار خود یعنی اپنی اہمیت کو ترک کرنا اور چار ترکی سے مراد ان سابقہ تینوں ترکوں کے ساتھ اپنے آپ کو ترک کر دینا بھی ہے۔

بر سرِ خود کن کلاہِ چار ترک!
ترکِ دُنیا، ترکِ عقبیٰ، ترکِ مولیٰ ترکِ ترک

ترکِ مولا سے مراد اپنے پندار کو چھوڑ دینا ہے کیونکہ مولیٰ کو اپنے سے الگ سمجھ لینا یا اپنے آپ کو مولا سے الگ سمجھ لینا دوئی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

حضرتِ علیؓ کو خلافتِ کبریٰ ملنے کی وجہ

جامع الکلم میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت دو قسم کی ہے خلافتِ صغریٰ اور خلافتِ کبریٰ۔ خلافتِ کبریٰ سے مُراد باطن کی خلافت ہے اور یہ حضرت علیؓ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری خلافتِ صغریٰ، یہ دُنیاوی اور ظاہری خلافت ہے۔ یہی وہ خلافت ہے جس کا جھگڑا اہلِ سُنّت اور روافض میں مُدّت سے چلا آ رہا ہے۔ اہلِ سُنّت خلافتِ صغریٰ کا حقدار ابو بکرؓ کو اور روافض حضرت علیؓ کو قرار دیتے ہیں۔

"مطلوب الطالبین" میں ہے کہ خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے اپنے رسالہ اشغال میں لکھا ہے کہ خلافتِ کبریٰ حضرت علیؓ کو ملی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ باطن کا راز طلبِ صدق کے بغیر کسی کے حوالہ نہ کریں۔ چنانچہ یہ طریقہ ابھی تک مشائخ میں معمول کے طور پر چلا آرہا ہے۔ جب کافی عرصہ ہوگیا اور کوئی طالبِ صدق نہ پہنچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مغموم بیٹھے تھے کہ شاید مجھے یہ باطن کا راز اپنے ساتھ ہی لے جانا پڑے۔ اتفاق سے اسی دن غیب سے حضرت علیؓ پر ظاہر ہُوا کہ ہم لوگ شریعت کے احکام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتے رہیں، ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم ظاہر ملا ہے۔ علم باطن نہیں ملا۔ حالانکہ باطن کے معاملات میں بھی ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے۔ بہرحال حضرت علیؓ کمالِ صدق سے حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے علی مجھے خدا کی طرف سے حکم ہُوا ہے کہ ولایت کے اسرار و رموز صرف اس شخص کو بتلاؤں جو اس معاملہ میں پختہ اور راسخ ہو۔ الحمد للہ اب تم آگئے یہ نعمت تمہاری قسمت میں تھی" چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ولایت کے اسرار حضرت علیؓ کو ارشاد فرمائے اور حکم دیا کہ یہ سلسلہ سینہ بسینہ اور گوش بگوش تاقیامت جاری رہنا چاہیئے۔

حضرت علیؓ نے یہ خلافتِ کبریٰ اور ولایتِ عظمیٰ خواجہ حسن بصریؒ کو عطا فرمائی بعض کہتے ہیں کہ خلافت کا خرقہ ولایت حضرت علیؓ سے حضرت حسنؓ کو ملا اور حضرت حسنؓ سے آگے حضرت حسن بصریؒ کو ملا۔ واللہ اعلم بالصواب

میں ناچیز تو تمام اصحاب کو آنکھوں کا نور گردانتا ہوں۔ اور تمام اصحاب کا خادم اور قدر دان ہوں۔ بہرحال اوپر جو وجہ بیان کی گئی ہے غالباً یہی وجہ ہوگی جس کی بناء پر حضرت علیؓ چاروں سلاسل کے سرخیل بنے۔

(۲)
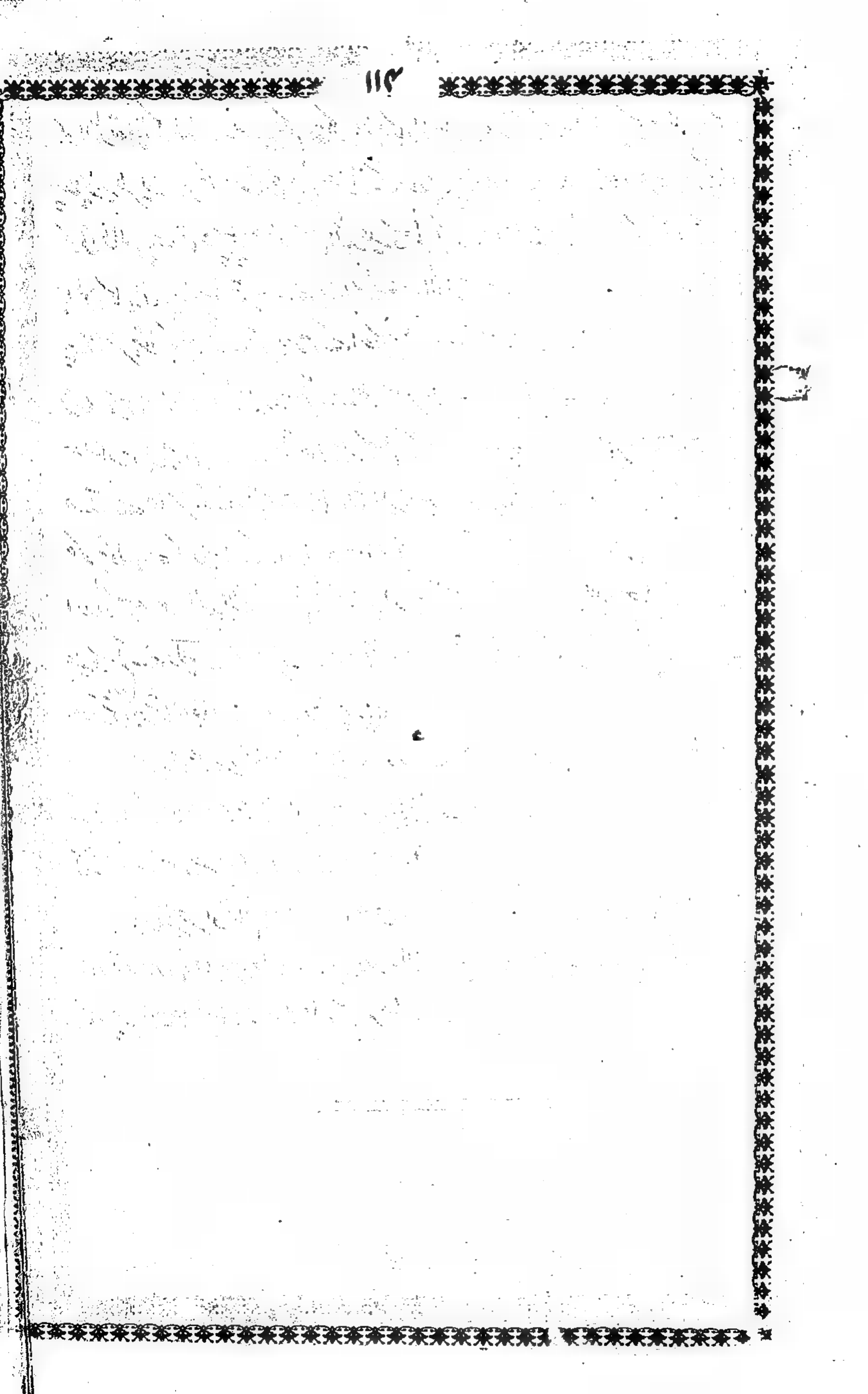
ابی بحرمت مدینۃ العلوم والمطالب، امام المشارق والمغارب مظہر العجائب والغرائب، امام الکاملین، اسد اللہ الغالب، امیر المومنین۔

علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

مدینۃ العلوم والمطالب:-

مدینہ کا معنی ہے شہر، چھوٹی اور نوعمر لونڈی۔ بڑا قبہ جس کے ارد گرد باغات ہوں۔ پڑاؤ کا قبہ (کشف)

علوم کا واحد علم ہے۔ اس کا معنی ہے آگاہ ہونا، جاننا، عقلمندی، قوم کا رہنما یا کسی شخص کا وہ نام جس کے ساتھ وہ مشہور ہو (منتخب اللغات)

مطالب: اس کا واحد مطلب ہے۔ اس کا معنی ہے جگہ تلاش کرنا اور طلب کی ہوئی چیز۔ حضرت علیؓ کو علوم اور مطالب کا شہر اس لئے کہتے ہیں کہ بعض کتب میں مذکور ہے کہ اکثر عقلی علوم حضرت علیؓ سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ نیز اکثر لوگ حضرت علیؓ کے وسیلہ سے اونچے اونچے درجات اور بلند ترین مقامات تک پہنچے ہیں۔ کیونکہ تمام سلاسل کا منبع ان کی ذات اقدس ہے۔

سوال:- مدینۃ العلوم تو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ" تو پھر اس صفت کا موصوف حضرت علیؓ کو کیوں بنایا گیا ہے؟

جواب:- حضرت علیؓ اللہ کی عنایت اور رحمت خداوندی سے خلافت کے اس درجے تک پہنچے کہ ان میں بھی وہی اوصاف پیدا ہو گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تھے اور ان دونوں ہستیوں کا آپس میں کوئی فرق باقی نہ رہا۔ جیسے کہ عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ"۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں ہے۔ "لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ" اس لئے اس صفت کی نسبت حضرت علیؓ

کی طرف بھی کر دی گئی ہے۔

امام المشارق والمغارب:

امام الف کے نیچے زیر ہے۔ اس کا معنی ہوتا ہے، رہنما اور واضح راستہ۔ (کشف اللغات) اصطلاح میں اس کا معنی ہے وہ ذات جس کی اقتدار کی جائے۔

مشارق کا واحد مشرق یعنی طلوعِ آفتاب کی جگہ۔ مغارب کا واحد مغرب یعنی غروبِ آفتاب کی جگہ۔ ان دونوں لفظوں کو مصنف جمع اس لئے لایا ہے کیونکہ بروج کی کثرت ہے اس لئے بہت سے مشارق اور مغارب ہوئے۔ مراد اس سے پوری دُنیا اور سارا جہان ہے۔

مَظہرُ العجائب والغرائب:

مظہر کے میم پر اگر زبر ہو تو اس کا معنی ہوتا ہے ظاہر ہونے کی جگہ اور اگر میم پر پیش اور ہا کے نیچے زیر پڑھی جائے تو اس کا معنی ہے ظاہر کرنے والا۔

عجائب: واحد عجیب اور معنی حیران کن۔ غرائب: واحد غریب اور معنی ہے لطیف نازک یا نادر۔

یعنی حضرت علی عجائبات ظاہر ہونے کا مقام ہیں۔ مظاہر عجائب کی صوفیہ کے نزدیک چھ قسمیں ہیں:

اوّل: مرتبہ وحدت، یعنی رسولِ پاکؐ کی ذات جس میں تمام اشیاء واعیان معدوم ہو جاتی ہیں۔ "کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْئٌ"

دوم: مرتبۂ واحدیت، یعنی اسماء اور آدم علیہ السلام کا مرتبہ جسے مقام "قَابَ قَوْسَیْنِ" بھی کہا جاتا ہے۔

سوم: مرتبہ عالم اَرواح مجرّدہ، یعنی وہ عالم جس میں ہر روح کی ایک مثال موجود ہے

چہارم : مرتبہ عالم امثال وخیال، جس میں مرکبات لطیف بہ طور موجود ہوتے ہیں۔
پنجم : مرتبہ عالم اجسام، جس میں مرکبات کی کیفیت کا ظہور ہوتا ہے۔
ششم : مرتبہ انسانی، جو سابقہ تمام مراتب کا جامع ہے اور انہیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے

امام الاشجعین اسد اللہ الغالب:-

اشجعین کا واحد شجیع ہے معنی ہے بہادر آدمی۔ سیرت کی کتب میں لکھا ہے کہ آپ حق کے اظہار اور نیکی کے قیام کے سلسلہ میں کبھی بھی کسی شخص کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ لہٰذا ان کو اسد اللہ الغالب کا لقب ملا۔ غالب کا معنی فاتح اور زبردست۔ غالب اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بھی ہے جیسے کہ قرآن پاک میں ہے " وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ "

امیر المومنین علی ابن ابی طالب:-

امیر کا معنی بادشاہ اور فرمانروا۔ مومنین کا واحد مومن ہے۔ معنی ہے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ نیز مومن اس شخص کو کہتے ہیں جس سے کسی دوسرے کو تکلیف نہ پہنچے اور جو چیز وہ اپنے لئے پسند کرے، دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرے۔ (مزرع الحسنات) علیؓ کا معنی بلند مرتبہ اور زبردست اور یہاں خلیفہ چہارم مراد ہیں۔
بن ابی طالب، ابو طالب دراصل کنیت ہے۔ ان کا اصل نام تو عمران بن عبدالمطلب بن ہاشم تھا۔ حضرت علیؓ کی والدہ کا نام، فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے۔

کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ:-

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرہ کو محترم و مکرم بنایا۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ کے سوا کسی کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ یہ خاصیت صرف حضرت علیؓ کو حاصل ہے اور اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ آپ بچپن سے ہی ایمان لے آئے تھے۔ اور آپ نے بتوں یا دیگر غیر اللہ کو کبھی سجدہ نہ کیا تھا۔ اس کے برعکس دیگر صحابہ تو پختہ عمری

میں مسلمان ہوئے تھے اور اس سے قبل وہ بتوں کی عبادت کرتے رہے تھے۔

فخری کی کتاب 'شجرۃ الانوار' اور 'مطلوب الطالبین' میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کی ولادت رجب کی تیرہ تاریخ بروز جمعہ واقعہ فیل کے تیس سال بعد خانہ کعبہ میں ہوئی آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی کہ آپ نے سب لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا جب آپ بڑے ہوئے تو خرقہ ارادت و خلافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے پہنا۔ آپ کی مندرجہ ذیل متعدد کنیت موجود ہیں۔

ابوالحسن۔ ابوتراب جبکہ مرتضیٰ۔ خاتم الاولیاء، حیدر، مظہر العجائب۔ اسد اللہ اور ولی اللہ اور کرم اللہ وجہہٗ آپ کے القاب ہیں۔

سن دو ہجری میں جب آپ کی عمر پچیس [۲۵] سال تھی حضرت فاطمہؓ جن کی عمر اٹھارہ [۱۸] سال تھی، سے آپ کا نکاح ہوا اور ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں آپ خلافت کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ پانچ سال اور تین ماہ اور بعض کے نزدیک چار سال نو ماہ تک آپ نے احکام شرعیہ کو زمین پر نافذ فرمایا۔ 'روضۃ الشہداء' میں منقول ہے کہ جس رات آپ کی شہادت ہوئی، اس تمام رات آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہے۔ جب صبح پھوٹی تو تجدید وضو کر کے نماز میں مشغول ہو گئے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم نے زہر آلود تلوار کا وار آپ کی پیشانی مبارک پر کیا۔ یہ وار اتنا کاری تھا کہ تلوار مغز سر تک جا پہنچی۔

وصال

وصال۔ آپ کی تاریخ وصال کے بارے میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ۱۹ رمضان کو آپ زخمی ہوئے اور اکیس رمضان ۴۰ھ کو آپ نے اس دنیا سے کوچ کیا اور نجف اشرف میں دفن ہوئے۔

'شواہد النبوت' میں لکھا ہے کہ آپ نے حسنینؓ کو وصیت فرمائی کہ وفات کے بعد مجھے چارپائی پر ڈال کر شہر سے باہر غرنی کے مقام پر جو آجکل نجف کے نام سے مشہور ہے پہنچا دینا۔ وہاں تم کو ایک سفید پتھر نظر آئے گا جس پتھر میں روشنی کی کرنیں واضح نظر آئیں گی اس پتھر کو اکھاڑ دینا اور اس پتھر کے خلاء میں یعنی جس جگہ سے وہ نکلا

ہو گا وہاں دفن کرنا۔

"تحفۃ الحق" میں مولانا عبدالغفور لاہوریؒ کے حوالہ سے منقول ہے کہ حضرت علیؓ کی قبر مبارک بلخ میں ہے اور وہاں آپ کا روضہ آستانۂ امیر کے نام سے مشہور ہے۔ اپنے اس مؤقف پر مصنف نے کئی دلائل بھی دیئے ہیں۔ "واللہ اعلم بالصواب" (اللہ بہتر جانتا ہے)

آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ آپ کی نو بیویاں تھیں لیکن جب تک حضرت فاطمہؓ زندہ رہیں آپ نے دوسری شادی نہیں کی۔ تمام ازواج سے آپ کے اٹھارہ یا بقول بعض بارہ بیٹے اور پندرہ لڑکیاں متولد ہوئیں۔ یہ تمام اولاد صرف پانچ بیویوں سے تھی دیگر بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جن پانچ بیویوں سے اولاد پیدا ہوئی ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

امام حسنؓ، امام حسینؓ، محمد حنیفؓ۔ عمرؓ، عباسؓ، ان میں حسنینؓ تو حضرت فاطمہؓ کی اولاد ہیں۔ اور محمد حنیفؓ بی بی اسماءؓ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ عمرؓ کی والدہ کا نام خولہؓ اور عباسؓ کی والدہ کا نام بی بی ام البنینؓ تھا جیسا کہ سیرت کی کتابوں میں رقوم ہے۔

"مطلوب الطالبین" میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے چار افراد کو فقر کی خلافت عطا فرمائی تھی۔ اول امام حسنؓ۔ دوم امام حسینؓ۔ سوم خواجہ حسن بصریؒ۔ چہارم خواجہ کمیل بن زیادؒ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں چار پیر کے نام سے مشہور فرمایا۔

بعض کتب میں آیا ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ نے یہ خرقہ امیر المومنین حضرت علیؓ کے صاحبزادے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھوں سے پہنا۔ مگر بعض رسائل میں لکھا ہے کہ یہ خرقۂ خلافت و فقر انہوں نے صرف حضرت علیؓ سے حاصل کیا۔ "واللہ اعلم بالصواب"

۳

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

ابی النصر الحسن البصری الانصاری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شیخ المشائخ:- شیخ کی شین پر زبر ہے۔ جو شخص ساٹھ سال کی عمر سے زائد ہو جائے، اُسے شیخ کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی پیر اور خواجہ بھی آتا ہے۔ شیخ کی جمع شیوخ اور مشائخ دونوں ہیں۔ لیکن سالکین کی اصطلاح میں شیخ اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں میں کامل ہو۔

شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارک، طریقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال ہیں۔

بعض کتب میں یہ بھی آیا ہے کہ جو شخص سُنّتِ نبوی کو زندہ کرے، بدعت کو ختم کرے اور جس کے اقوال و افعال لوگوں کے لئے دلیل بنیں، اُس کو شیخ کہا جاتا ہے۔

حضرت:- حضرت کے معنی ہیں، نزدیک اور حضورِ درگاہ۔ یہ احترام کا کلمہ ہے جو بڑے بڑے بادشاہوں اور مشائخ کے لئے مستعمل ہُوا کرتا ہے۔

خواجہ:- خواجہ کا واؤ معدولہ ہے۔ ابراہیم شاہی میں اس کا معنی ہے۔ خداوند، شیخ، حاکم، دستور۔ لیکن "کشف اللغات" میں ہے کہ خواجہ نظامی علیہ الرحمتہ نے خواجہ بمعنی دل استعمال کیا ہے۔

کتاب "مؤید" میں لکھا ہے کہ صوفیاء کرام خواجہ کا لفظ روح کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

حسن بصریؒ:۔ آپ کی کنیت ابوالنصر، ابوسعید اور ابومحمد ہے۔ آپ کا اصل نام حسن تھا۔ اس نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب ان کی ولادت ہوئی تھی تو انہیں حضرت عمرؓ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اس کا نام حسن رکھ دو، کیونکہ اس کا چہرہ حسین اور خوبصورت ہے۔ بصری کی نسبت بصرہ کی طرف ہے، جو کہ ایک مشہور شہر ہے۔

الانصاری، نصر کی جمع ہے جس کا معنی ہے امداد کرنا اور کامیابی دلانا۔ اس میں یاء نسبت ہے۔ یعنی بہت مدد کرنے والا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ:۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ پر راضی ہو۔

سوال:۔ یہ کلمہ تو صحابہؓ کے بغیر شرعاً کسی غیر صحابی کے لئے استعمال نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ "زیلعی" میں مذکور ہے "بہتر ہے کہ صحابہ کے لئے رضی اللہ، تابعین کے لئے رحمۃ اللہ اور بعد والوں کے لئے غفر اللہ استعمال کیا جائے۔" تو خواجہ حسن بصریؒ کے لئے یہ کلمہ کیوں استعمال ہوا ہے؟

جواب:۔ واقعی بعض فقہاء کا تو یہی خیال ہے۔ لیکن جمہور فقہاء کے مطابق رضی اللہ کا جملہ صحابہ اور غیر صحابہ دونوں کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے جیسے کہ "درالمختار" میں لکھا ہے کہ رضی اللہ کا لفظ صحابہ کے لئے اور رحم اللہ کا لفظ تابعین اور بعد میں آنیوالے دیگر تمام نیک افراد کے لئے استعمال کیا جائے۔ لیکن اس کے برعکس بھی جائز ہے یعنی صحابہ کے لئے رحم اللہ اور رضی اللہ کا جملہ تابعین اور دیگر صالحین امت کے لئے بھی جائز ہے۔ "قرمانی" نے بھی یہی لکھا ہے۔

حضرت ابوالحسن بصریؒ کے والد کے کئی نام تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خیرہ تھا جو کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں۔

خواجہ ابوالحسن بصریؒ کی ولادت ہوئی تو زیادہ تر ان کی پرورش ام المومنین

حضرت اُمِ سلمہؓ کی آغوشِ شفقت میں ہوئی۔ جب کبھی حضرت اُمِ سلمہؓ خیرہ کو کسی کام کے لیئے باہر بھیجتیں اور ان کی عدم موجودگی میں خواجہ ابوالحسنؒ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو اُم المومنینؓ اپنا پستان ان کے منہ میں دے دیتیں۔ اس میں دودھ اُتر آتا۔ اور خواجہ ابوالحسنؒ اس دودھ کو پی کر آپ کے پہلو میں آرام سے سو جاتے۔ آپ کی بزرگی اسی مقدس دودھ کا اثر ہے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے کئی بار آپ کے حق میں دعا کی "اے اللہ اس بچہ کو لوگوں کا امام بنا کہ لوگ اس کی اقتدا اور اتباع کریں"۔

ایک روایت یوں بھی ہے کہ ایک دن خواجہ ابوالحسن بصریؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کوزہ کے بچے ہوئے پانی کو پی لیا۔ یہ بچپن کا دور تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے پوچھا کہ پانی کس نے پیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ابوالحسن نے پیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس نے جتنا پانی پیا ہے، اسی قدر اس کے بدن میں میرا علم سرایت کر جائے گا"۔ 'طبقاتِ حسامیہ' میں منقول ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کبار تابعین میں سے شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ نے ایک سو تیس اور بعض کے نزدیک ایک سو تیئس صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی جن میں ستر اہلِ بدر تھے۔ آپ نے زیادہ تر حذیفہ بن الیمانؓ سے فیض حاصل کیا۔

'رونق المجالس' میں منقول ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ ابتدائی زندگی میں فاخرانہ لباس پہنا کرتے اور پھر اس لباس کی نمائش کے لیئے بصرہ کی گلیوں میں گشت کیا کرتے۔ اتفاقاً ایک دن ایک حسین عورت پر آپ کی نگاہ پڑی۔ آپ نے اس عورت کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ اس عورت کو ان کا یہ رویہ ناگوار گزرا۔ اس نے کہا شرم کرو۔ خواجہ حسن بصریؒ کہنے لگے کہ کس سے شرم کروں۔ اس عورت نے کہا کہ اپنے خدا سے شرم کرو۔ کیونکہ وہ آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے مخفی حالات جانتا ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ پر اس بات کا بڑا اثر ہوا۔ اس کے بعد اس عورت نے ان سے پوچھا کہ تم میری کیا چیز دیکھ کر عاشق ہوتے ہو؟ خواجہ حسن بصریؒ نے کہا کہ تمہاری یہ دونوں خوبصورت آنکھیں دیکھ کر میں بے قرار ہو گیا ہوں۔ اس عورت نے کہا کہ میرے ساتھ

مکان پر چلو۔ وہ عورت مکان کے اندر چلی گئی اور دونوں آنکھیں نکال کر رومال میں لپیٹ کر خادمہ کے ہاتھ خواجہ ابوالحسنؒ کی طرف بھیج دیں اور کہلا بھیجا کہ جس چیز پر تم عاشق ہو وہ حاضر ہیں۔ انہیں سنبھال لو اور انہیں لے کر چلتے بنو۔ اس عورت نے یہ بھی کہلا بھیجا کہ میں ایسی آنکھیں نہیں رکھنا چاہتی جن کی وجہ سے کوئی شخص فتنہ میں مبتلا ہو۔

خواجہ حسن بصریؒ اس واقعہ کو سن کر اپنے مذموم فعل پر بہت نادم ہوئے اور افسوس کرتے ہوئے دیوار کے ساتھ اپنا سر مارا۔ اپنے کپڑے تار تار کر دیئے اور اپنے دل کو برا بھلا کہتے ہوئے اپنے مکان پر پہنچے اور پوری رات نالہ وزاری اور گریہ میں گذاری۔ صبح ہوئی تو نماز فجر کے بعد اس عورت کا پتہ لگایا۔ وہاں آئے تو اس مکان کا دروازہ بند تھا اور اندر سے رونے دھونے کی آواز آ رہی تھی۔ کسی شخص سے پوچھا کہ یہ رونے کی آواز کیسی ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ اس مکان میں ایک نیک اور با خدا عورت رہا کرتی تھی۔ رات کو اچانک ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ آپ نے یہ واقعہ سنا تو آہ وزاری کرتے ہوئے گھر لوٹے۔ مسلسل تین دن تک آپ نے روتے ہوئے بیقراری میں گذار دیئے۔

چوتھی رات آپ نے اس عورت کو خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں ایک اعلیٰ تخت پر متمکن ہے۔ خواجہ حسن بصریؒ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ خدارا میرا قصور معاف کر دو تو اس خاتون نے کہا کہ یہ تمام درجات اور رضائے الٰہی تیرے سبب میں نے اللہ کی خصوصی عنایات سے حاصل کئے ہیں۔ میں تمہارا قصور معاف کرتی ہوں۔ پھر آپ نے اس سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجئے تاکہ میں اس پر عمل پیرا رہوں۔ اس نے کہا کہ تم ہر لمحہ اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرو۔ اور اس کی یاد سے کبھی غفلت میں نہ رہو۔ خصوصاً خلوت میں اسے ہرگز نہ بھولو۔ جب آپ نیند سے بیدار ہوئے تو آپ نے مخلصانہ توبہ کی اور اپنا تمام مال اور جائیداد اللہ کی راہ میں درویشوں میں تقسیم کر دیا۔ حتیٰ کہ اپنے پاس ایک دن کا خرچ بھی نہ رہنے دیا۔ خود اللہ کی عبادت اور

اس کے ذکر میں مصروف ہو گئے۔

"سیر الاولیاء" میں منقول ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ بصرہ تشریف لائے اور لوگوں کو منع کیا کہ کسی کو ان کا تعارف نہ کرایا جائے۔ آپ خواجہ حسن بصریؒ کی مجلس میں آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم عالم ہو یا متعلم ہو؟

خواجہ حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں البتہ جو کچھ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے، وہ میں دوسروں کو پہنچاتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ نوجوان بات کرنے کے قابل اور اہل ہے۔ اس کے بعد خواجہ حسن بصریؒ حضرت علیؓ کے پیچھے ہو لئے اور ان کا دامن پکڑ لیا۔ کہنے لگے کہ خدا کے لئے مجھے وضو کرنے کا طریقہ بتلایئے۔ بصرہ میں وہ جگہ جس کو 'باب الطشت' کہتے ہیں، وہاں طشت لاکر وضو کا طریقہ سیکھا۔ اور مدت تک حضرت علیؓ کی خدمت میں رہے۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور خرقۂ خلافت پایا۔

"فوائد الفوائد" میں درج ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کہا کرتے تھے کہ میں ہر شخص کو اپنے سے بہتر اور نیک سمجھتا ہوں، لیکن ایک دن مجھ سے غلطی ہو گئی جس کی مجھے سزا ملی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک دن میں نے ایک سپاہی کو دیکھا کہ ساحل دریا پر لیٹا ہے۔ اس کے پاس ایک صراحی پڑی ہے۔ وہ وقفے وقفے سے گھونٹ دو گھونٹ اس صراحی سے لیتا اور پہلو میں لیٹی ہوئی عورت کو پلاتا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اس شخص سے تو میں بہرحال اچھا اور نیک ہوں۔

اسی دوران کیا دیکھتا ہوں کہ دریا میں ایک کشتی آ رہی تھی۔ ابھی وہ ساحل سے دور ہی تھی کہ گرداب میں پھنس گئی اور غرق ہونے لگی۔ اس کشتی میں سات افراد سوار تھے۔ وہ سپاہی فوراً اٹھا۔ چھلانگ لگائی اور چھ افراد کو غرق ہونے سے بچا کر ساحل پر لے آیا۔ پھر اس نے میری طرف رُخ کر کے کہا کہ حسن بصری ایک آدمی کو تم بچا لاؤ۔ خواجہ حسن بصریؒ یہ واقعہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

بعد ازاں اس سپاہی نے کہا کہ اس صراحی میں پانی ہے اور وہ عورت جو میرے

پہلو میں بیٹھی تھی، وہ میری ماں ہے۔ میں تیرے امتحان کے لئے یہاں بیٹھا تھا کہ تم ظاہر کو دیکھو گے۔

"مطلوب الطالبین" میں آیا ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کو عالی ولایت حاصل تھی کیونکہ چودہ خاندان آپ کے مرید ہونے کی وجہ سے دنیا میں مشہور ہوئے۔ چنانچہ پانچ خاندان تو حضرت عبدالواحد بن زیدؒ سے ہیں۔ اور نو خاندان حضرت حبیب عجمیؒ سے ہیں۔ اور یہ دونوں بزرگ خواجہ حسن بصریؒ کے مرید تھے۔

پہلے پانچ خاندانوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ خاندان زیدیاں جس کی نسبت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کی طرف ہے۔
۲۔ خاندان عیاضیاں جس کی نسبت خواجہ فضیل بن عیاضؒ کی طرف ہے۔
۳۔ خاندان ادہمیاں جس کی نسبت خواجہ ابراہیم بن ادہم بلخیؒ کی طرف ہے۔
۴۔ خاندان ہبیریاں جو خواجہ ابوہبیرہؒ کی طرف منسوب ہے۔
۵۔ خاندان چشتیاں جو خواجہ ممشاد علو دینوریؒ کی طرف منسوب ہے۔

ان تمام خاندانوں کا مجمل حال موقع محل پر بیان کیا جائے گا۔ ان خانوادوں کے قدرے تفصیلی حالات طالب کو ان مقررہ مقاموں سے ملیں گے۔ البتہ وہ نو خانوادے جن کا تعلق حضرت حبیب عجمیؒ کے ساتھ ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ خانوادہ عجمیاں جس کا مبدا اور سرچشمہ حضرت حبیب عجمیؒ ہیں۔
۲۔ خانوادہ طیفوریاں جس کا مبدا اور سرچشمہ حضرت بایزید بسطامیؒ ہیں۔ کہ پہلے آپ کا نام طیفور تھا۔
۳۔ خانوادہ کرخیاں جس کا مبدا اور سرچشمہ حضرت خواجہ معروف کرخیؒ ہیں جو کہ حضرت داؤد طائیؒ کے خلیفہ ہیں اور وہ خواجہ حبیب عجمیؒ کے خلیفہ تھے۔ انہیں حضرت موسیٰ علی رضاؒ سے براہِ راست بھی خرقۂ خلافت حاصل تھا۔
۴۔ خانوادہ سقطیاں۔ اس کا سرچشمہ حضرت خواجہ سری سقطیؒ ہیں، جو امام کرخیؒ کے مرید تھے اور خلیفہ بھی۔

۵۔ خانوادہ جنیدیاں: اس کا سرچشمہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ ہیں جو حضرت سری سقطیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے

۶۔ خانوادہ گازدریاں: اس کا سرچشمہ حضرت خواجہ ابو اسحٰق گازورنیؒ ہیں۔ جو عبداللہ حنیفؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور وہ خواجہ ادہمؒ کے اور وہ خواجہ جنیدؒ بغدادی کے مرید و خلیفہ تھے۔

۷۔ خانوادہ طوسیاں۔ ان کی شہرت شیخ علاؤالدین طوسیؒ کی نسبت سے ہوئی جو وجیہ الدین ابو حفصؒ کے خلیفہ تھے اور چار واسطوں سے حضرت جنیدؒ بغدادی تک پہنچتے ہیں۔

۸۔ خانوادہ سہروردیاں۔ اس خاندان کا آغاز ابو نجیب ضیاء الدین سہروردیؒ سے ہوا جو شیخ وجیہ الدین ابو حفصؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

۹۔ خانوادہ فردوسیاں۔ اس خاندان کا آغاز شیخ نجم الدین کبریٰؒ سے ہوا جو خاندان فردوس کے اکابرین سے ہیں اور وہ شیخ عمار یاسرؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں جو شیخ ابو نجیب فردوسیؒ کے خلیفہ تھے اور وہ وجیہ الدین ابو حفصؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔

ان خانوادوں کی آگے جو شاخیں اور فروع ہیں ان کی تعداد بے شمار ہے اور ان کی تفصیلات اس کتاب میں نہیں سما سکتیں۔

"سیر الاولیاء" میں میں نے سلطان المشائخ حضرت خواجہ محمد نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جس رات خواجہ حسن بصریؒ کا وصال ہوا، اس رات آواز آئی "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ (وَ اٰلَ الْحَسَن) اور اس رات ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھل گئے ہیں اور ایک منادی کرنے والا آواز لگا رہا ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ اپنے رب تک پہنچ گئے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے ہیں۔

"طبقات حسامیہ" اور "منتخب التواریخ" میں مذکور ہے کہ خواجہ صاحبؒ کا وصال ماہ رجب کے شروع میں ہوا تھا۔ بعض نے پانچ رجب لکھا ہے اور بعض نے چار محرم ۱۱۰ھ لکھا ہے۔

'تذکرۃ الاولیاء' میں مذکور ہے کہ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ ہنسے۔ حالانکہ اس سے قبل پوری زندگی میں کسی نے آپ کو ہنستے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ فرمایا کہ "کونسا گناہ ہے؟"۔ یہ کہا اور اس کے بعد آپ رحلت فرما گئے۔ وصال کے بعد کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ زندگی بھر تو آپ نہ ہنسے تھے، وصال کے وقت آپ کو ہنسی کیوں آئی؟ آپ نے فرمایا کہ "میں نے اس وقت ایک آواز سُنی تھی کہ بادشاہِ کائنات کا حکم ہے کہ اس شخص کا ابھی ایک گناہ باقی ہے، لہٰذا اس پر سختی کرو"۔ اس دلکش آواز کو سُن کر مجھے ہنسی آئی۔ تو میں نے پوچھا کہ وہ کون گناہ ہے۔ بعدازاں میں نے اپنی جان اللہ کے حوالہ کر دی۔

فخری نے 'شجرۃ الانوار' میں ذکر کیا ہے کہ آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور آپ کی قبر مبارک بصرہ میں ہے اور آپ کی کل عمر جو آپ نے اس دارِ فانی میں گذاری ۸۹ برس ہے۔

۴

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

ابی الفضل عبدالواحد ابن زید

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

القاب کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ ابوالفضل کنیت اور نام عبدالواحد ہے۔ فخری نے شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ خواجہ عبدالواحد ریاضت اور نفس کشی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔ اور خواجہ کمیل بن زیادؓ سے بھی خرقۂ خلافت ملا تھا۔ قبل ارادت چالیس سال تک آپ نے یوں مجاہدہ کیا کہ عشاء کی نماز کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی رات کا قیام اور دن کا روزہ آپ کا معمول بن گیا تھا۔ افطارِ روزہ کے وقت بھی آپ تین لقموں سے زیادہ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کو امیر المومنین امام حسنؓ بن حضرت علیؓ کی دانش سے براہِ راست حصہ ملا تھا۔ "تحفۃ الحق" میں مرقوم ہے کہ ابتدائی ایام میں آپ نے ایک غلام خریدا کہ وہ رات کے وقت آپ کی خدمت کرے۔ رات ہوئی تو آپ نے اس کو طلب فرمایا۔ دروازے مقفل تھے۔ لیکن غلام بستر سے غائب تھا۔ صبح بعداز نمازِ فجر وہ غلام حاضرِ خدمت ہوا اور آپ کی خدمت میں ایک اشرفی پیش کی جس پر سورۃ اخلاص لکھی تھی۔ اس نے درخواست کی کہ آپ روزانہ ایک اشرفی مجھ سے لے لیں اور رات کی خدمت سے مستثنیٰ کر دیں۔ آپ نے یہ درخواست قبول کر لی۔ یہ سلسلہ کئی دن تک چلا۔ ایک دن چند لوگ آپ کے پاس جمع ہوئے انہوں نے کہا کہ یا حضرت یہ غلام قبرستان جا کر مُردوں کے کفن اُتارتا ہے۔ حقیقت میں یہ کفن چور ہے۔ آپ نے کہا کہ آج رات میں اس بات کی تحقیق کروں گا۔ جب رات ہوئی تو آپ اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ آپ جاگ رہے تھے لیکن ظاہر یہ کیا کہ گویا سو گئے ہیں۔

آدھی رات کے بعد وہ غلام اپنے بستر سے اُٹھا اور تیزی سے دروازے کی

طرف گیا۔ دروازہ مقفل تھا، اس نے اشارہ کیا تو تالا خود بخود کھل گیا۔ وہ باہر نکل گیا۔ اور اس نے اشارہ کیا، قفل دوبارہ حسبِ سابق لگ گیا۔ دوسرے دروازوں سے بھی اسی طرح گذرا کہ اس کے اشارہ سے تالے کھل جاتے یہ نکل جاتا تو تالے لگ جاتے۔ آپ بھی اس کے تعاقب میں یوں چلے، کہ اسے معلوم نہ ہو سکا۔ وہ شہر سے باہر قبرستان میں پہنچا وہ لباس جو اُس نے پہن رکھا تھا اتار دیا۔ ایک پرانی گدڑی ایک قبر سے نکال کر پہن لی۔ اور نوافل ادا کرنے میں مشغول ہو گیا۔ صبح تک وہ عبادت میں مشغول رہا۔ صبح کے وقت اُس نے اللہ کے حضور دُعا کی اے میرے مالک خواجہ کو دا کرنے کیلئے تحفہ عنایت فرما۔ اسی لمحہ ایک اشرفی اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے اشرفی جیب میں ڈالی اور غائب ہو گیا۔

خواجہ صاحبؒ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اس کے متعلق بدگمانی سے تائب ہوئے اور تہیہ کر لیا کہ اس شخص کو اپنی غلامی سے آزاد کر کے اللہ تعالیٰ کی غلامی کے لئے وقف کر دیں گے۔

آپ گھر کی طرف لوٹے لیکن کئی میل سفر کرنے کے باوجود گھر کا راستہ نہ ملا۔ ایک سوار گذر رہا تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ فلاں شہر کتنی دور ہے۔ اس سوار نے جواب دیا اگر تم دن رات سفر کرتے رہو تو دو سال تک شہر میں پہنچ جاؤ گے۔ آپ نے سوچا کہ میرا وہاں پہنچنا ناممکن ہے: اس لئے میں یہیں ٹھہر جاتا ہوں، وہ غلام جب گذرے گا تو اس کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ حسبِ معمول غلام نے تمام رات عبادت میں گذاری صبح کو ایک اشرفی کے لئے دُعا کی۔ وہ اس کے ہاتھ پر آ گری۔ اس نے اسے جیب میں ڈالا اور جہاں خواجہ صاحبؒ چھپے بیٹھے تھے وہاں آ گیا۔ اس نے وہ دونوں اشرفیاں یعنی پچھلی رات اور اس رات کی خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیں اور کہا کہ آپ نے جس بات کا عزم کر رکھا ہے اسے پورا کریں۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا۔

اس وقت اس غلام نے چند سنگریزے اٹھائے اور خواجہ صاحبؒ کے دامن میں ڈال دیئے کہ آزادی کے نذرانے کے طور پر یہ قبول فرمائیے۔ بعد ازاں آپ

اس غلام کے ہمراہ چل پڑے۔ اور تھوڑی دیر میں شہر کے قریب پہنچ گئے۔ خواجہ صاحبؒ نے اپنا دامن جھاڑا تو تمام سنگریزے ایسے جواہرات کی شکل میں تبدیل ہو چکے تھے جو بے حد قیمتی اور بے نظیر تھے۔ آپ گھر پہنچے تو غلام نظروں سے غائب ہو گیا۔ آپ نے ان تمام افراد کو بلایا جنہوں نے اس غلام پر کفن چور ہونے کا الزام لگایا تھا۔ آپ نے فرمایا غلام کفن چور نہیں بلکہ نور چور تھا۔

آپ نے غلام کی اس حالت کا مشاہدہ کیا تو آپ نے بھی دُنیا والوں سے تعلقات منقطع کر لئے اور صرف اللہ کی ذات سے تعلق استوار کر لیا۔ آپ نے ہر آن اللہ کے نام کا وظیفہ کرنا اپنا معمول بنا لیا۔ آپ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چند سال تک آپ خواجہ حسن بصریؒ کی خدمت میں رہے اور طرح طرح کے مجاہدے کرنے پر خواجہ حسن بصریؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ آپ نہ صرف مرید تھے بلکہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے قائم مقام بھی ہوئے۔

سیر الاولیاء میں منقول ہے کہ ایک دن درویشوں کی ایک جماعت نے جنہیں بے حد بھوک لگ رہی تھی۔ آپ سے عرض کیا کہ "یا حضرت ہم حلوہ کھانا چاہتے ہیں"۔ ان کا اصرار بڑھا تو آپ نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھایا اور درویشوں کے لئے حلوہ طلب کیا۔ فوراً ہی آسمان سے طلائی سکوں کی بارش شروع ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ سکے لے لو اور ضرورت کے مطابق بازار سے حلوہ خرید لو۔ چنانچہ درویشوں نے ایسا ہی کیا۔ مگر آپ نے اس حلوے کو چکھا تک نہیں۔

اسی میں ہے کہ آخری عمر میں آپ پر فالج گرا۔ فالج کی وجہ سے آپ وضو نہ کر سکتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو کوئی خادم وضو کراتا۔ ایک دن نماز کا وقت ہو گیا لیکن اتفاق سے کوئی خادم یا مرید موجود نہ تھا۔ آپ نے بڑی دل شکستگی اور عاجزی سے دُعا کی کہ اے اللہ! مجھے اتنی طاقت عطا فرما کہ میں وضو کر سکوں۔ وضو کے بعد مجھے جو مرضی چاہے بنا دینا۔ آپ کی دُعا قبول ہوئی آپ نے اپنے ہاتھوں سے وضو کیا اور نماز ادا کی۔ لیکن جب آپ دوبارہ بستر پر آئے تو مفلوج ہو چکے تھے۔

آپ کا وصال ۲۷ صفر ۱۷۶ھ یا ۱۷۷ھ کو ہُوا۔ بعض کی رائے ہے کہ ۱۹۹ھ میں ہُوا۔ آپ بصرہ میں مدفون ہیں۔

---

(۵)

الٰہی بحرمتِ شیخ المشائخ حضرت خواجہ

ابی الفیض فضیل ابن عیاض

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مولانا جامیؒ نے اپنی کتاب 'نفحات الانس' میں ذکر کیا کہ آپ کا تعلق صوفیاء کے طبقہ اولیٰ کے ساتھ تھا. کنیت ابوعلی تھی. اصل وطن کوفہ تھا، بعض کا خیال ہے کہ آبائی وطن خراسان تھا، مرو کے قریب، آپ کے آباؤ اجداد رہا کرتے تھے. بعض کے نزدیک آپ سمرقند سے تعلق رکھتے تھے. فخری نے 'شجرۃ الانوار' میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت سمرقند میں لیکن نشو و نما خراسان میں ہوئی.

آپ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ کے خلفائے اعظم سے تھے. علم تفسیر اور علم حدیث میں آپ ایک مایۂ ناز اور بے نظیر عالم تھے. آپ کا یہ قول مشہور ہے "انسان کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ فرائض مکمل ادا نہ کرے. اور اس کی حرام کردہ اشیاء سے اجتناب نہ کرے. اور یہ کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے اس پر شاکر و صابر نہ ہو. اس کے بعد بھی اسے ہر دم یہ خوف دامن گیر رہے کہ میرا ایمان کامل ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ اللہ میرا ایمان قبول بھی کرتا ہے یا نہیں؟" آپ کا یہ قول بھی معروف ہے، جو سیر الاولیاء میں مرقوم ہے:

"اللہ تعالیٰ جب کسی شخص سے محبت کرتا ہے تو اس کے غم بڑھ جاتے ہیں اور جب کسی پر ناراض ہوتا ہے تو اس کو بے شمار دولت دے دیتا ہے."

آپ کی توبہ:-

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ فضیلؒ ایام جوانی میں مرو اور سرخس کے علاقے میں ڈاکے ڈالتے تھے، لیکن بوڑھوں اور ضعیفوں کو نقصان نہ پہنچاتے بلکہ سرمایہ داروں

سے بھی سارا مال نہ چھینتے۔ اپنے ساتھیوں سے مروّت کے ساتھ پیش آتے اور فرائض و سُنن کا بھی خیال رکھتے۔ ایک دن آپ کے ساتھیوں نے ڈاکہ ڈالا اور چھینا ہوا مال آپ کے سامنے پیش کیا۔ اس سامان میں ایک تھیلی تھی جس میں سونے کے سکے تھے تھیلی پر آیۃ الکرسی لکھی تھی۔ آپ نے تھیلی اس کے مالک کو واپس کر دی۔ ساتھیوں کی ناپسندیدگی دیکھی تو وضاحت فرمائی کہ اگر یہ مال واپس نہ کیا گیا تو لوگوں کے دل قرآنِ مجید کی عظمت اور اس آیۃ الکرسی کے فضائل کے بارے مشکوک ہو جائیں گے اور ان کا عقیدہ فاسد ہو جائے گا۔

روایت ہے کہ حضرت خواجہ فضیلؒ کو ایک عورت کے ساتھ عشق تھا۔ آپ دیوار پھلانگ کر اس تک پہنچنا چاہتے تھے کہ اچانک کسی شخص کی زبانی یہ آیت سنی: "اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ" (یعنی کیا مومنوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے تڑپ اٹھیں)۔ آپ نے یہ آیت سنی تو کہا کہ ہاں ہاں وہ وقت آگیا ہے۔ آج سے میں غیر اللہ کی محبت سے تائب ہو کر صرف محبتِ خداوندی میں زندگی گزاروں گا۔ یہ کہہ کر اس دیوار سے نیچے اتر آئے اور اپنے خیمہ کی راہ لی۔ راستہ میں آپ نے دیکھا کہ مسافروں کی ایک جماعت ہے جن میں سے ایک کہہ رہا ہے کہ اٹھو اور روانہ ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ فضیل اور اس کے ڈاکو ساتھی ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ جب یہ بات سنی تو آپ نے انہیں آواز دی اور کہا کہ سکون اور آرام کرو۔ آج کے بعد فضیل اور اس کے ساتھی ڈاکہ نہیں ڈالیں گے۔

یہ کہہ کر آپ چلے گئے اور اللہ کے حضور اتنا روئے کہ گناہوں کی تمام میل دور ہو گئی۔ آپ نے کمالِ خلوص و صدق سے تمام ناشائستہ کاموں سے توبہ کی اور دشمنوں تک کو راضی کرنے لگے۔

یہودی کو راضی کرنے کا ذکر: آپ ایک یہودی کے پاس گئے جس کا آپ نے

جاہلیت کے دنوں میں مال لوٹا تھا اور اس سے معافی مانگی۔ لیکن وہ کسی صورت راضی نہ ہوا۔ آپ نے کہا کہ تم جو کچھ کہو گے میں مانوں گا لیکن خدارا میرا قصور معاف کر دو۔ یہودی نے کہا کہ زمین پر جو ٹیلہ بنا ہے اس کو ہموار کر دو تو میں راضی ہو جاؤں گا۔ کہتے ہیں کہ وہ ٹیلہ بہت بڑا تھا بلکہ ایک چھوٹے سے پہاڑ کے برابر تھا، جسے ہزاروں افراد بھی ہموار نہ کر سکتے تھے۔

خواجہ فضیلؒ روزانہ وہاں جاتے اور حسبِ طاقت اس کی مٹی ہموار کرنے میں پورا دن محنت کرتے۔ ایک دن اللہ کے حکم سے شدید آندھی آئی جس نے ٹیلے کو ہموار کر دیا۔ یہودی نے یہ حال دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اس نے کہا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک تم مجھے دولت نہ دو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ اس لئے جاؤ اور میرے سرہانے کے نیچے ہاتھ بڑھاؤ وہاں میں نے نقدی رکھی ہے وہ لاؤ اور مجھے دے دو تاکہ میں قسم میں جھوٹا نہ ہو جاؤں۔ آپ اٹھے اور اس کے سرہانے کے نیچے جو سونا پڑا تھا، یہودی کو لا کر دیا۔ یہودی نے کہا کہ جلدی کرو اور مجھے قبولِ اسلام کا طریقہ بتاؤ کہ میں مسلمان ہو جاؤں۔ میں نے تورات میں پڑھا ہے کہ جو شخص خلوص اور نیک نیتی سے توبہ کرتا ہے وہ اگر مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ سونا ہو جاتی ہے۔ میرے سرہانے کچھ بھی نہ تھا۔ جب تم وہاں سے سونا لے کر آئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ تمہاری توبہ سچی ہے چنانچہ وہ یہودی مسلمان ہو گیا اور آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔

آپ نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں دنیاوی امور اور مشاغل سے کلی طور پر بیزار ہو چکا ہوں۔ تم اگر فقر کی زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ تو مجھے بتلاؤ تاکہ میں تمہیں اپنے حق سے آزاد کر دوں۔ آپ کی بیوی کہنے لگی کہ خدارا مجھے اپنے سے جدا نہ کیجیے، جو حالات بھی ہوئے میں آپ کا ساتھ دوں گی اور آپ جہاں بھی جائیں گے میں آپ کی رفیق بنوں گی۔ اس کے بعد آپ نے اپنی بیوی کو ساتھ لیا۔ بے شمار مصائب اور طرح طرح کی مشکلات کے ساتھ صحرائی سفر کرتے ہوئے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کوفہ پہنچے تو کافی مدت تک آپ امام اعظمؒ کے پاس رہے۔ امام اعظمؒ سے علم فقہ اور آدابِ سلوک سیکھنے

میں بہت وقت گذارا۔

بعدازاں آپ بصرہ گئے اور حضرت عبدالواحد بن زیدؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کی بیعت کی۔ نوافل اور گوناگوں مجاہدات میں وقت گذارا حتیٰ کہ انہیں شیخ عبدالواحدؒ نے خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ وہاں سے آپ مکہ مکرمہ گئے۔ مکہ میں علم تفسیر وحدیث حاصل کیا اور وہیں قیام اختیار کرلیا۔ آپ نے پوری خداخوفی اور زہد وتقویٰ کے ساتھ حرم مکہ میں وقت گذارا۔ آپ کی مجلس میں جو آتا اُسے اور دیگر اہل مکہ کو نیکی اور شرافت کی تلقین کرتے۔ آپ کی مسلسل کوششوں سے بہت سے لوگ نیکی کی راہ پر گامزن ہوگئے۔

مسکرانے کا واقعہ

سیر الاولیاء میں ابوعلی رازیؒ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں تیس سال تک حضرت خواجہ فضیلؒ کی صحبت میں رہا لیکن اتنے طویل عرصہ میں میں نے آپ کو کبھی مسکراتے نہیں دیکھا۔ البتہ ایک دن آپ کا بیٹا علی جو مرتبہ ولایت تک پہنچا ہوا تھا اس دارِ فانی سے نقل مکانی کر گیا تو آپ مسکرائے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ تو کبھی بھی مسکرایا نہیں کرتے تھے آج کیا بات ہوئی کہ خلافِ معمول آپ مسکراتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرا بیٹا اللہ تعالیٰ کی محبت میں بہت گریہ کرتا تھا، میں اس کے اس گریہ کو پسند کرتا ہوں اور اس کے اچھے فعل پر ہنستا ہوں۔

اسی کتاب میں ہے کہ فضیل ربیع جو خلیفہ ہارون الرشید کا وزیر تھا، بیان کرتا ہے کہ میں ہارون کے ہمراہ مکہ مکرمہ گیا ہم جب مکہ شریف پہنچے تو ہارون نے کہا کہ یہاں کوئی باخدا بزرگ ہو تو ان کی قدمبوسی کریں۔ میں نے کہا کہ عبدالرزاق صنعانیؒ ایک باخدا بزرگ ہیں۔ ہم دونوں ان کی خدمت میں پہنچے۔ کافی کچھ گفتگو کے بعد ہارون نے مجھے اشارتاً کہا کہ ان سے پوچھو کہ کچھ رقم برائے ادائیگی قرض درکار ہے؟ میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں اتنی رقم کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ان کی مطلوبہ رقم ان کو دے دی گئی۔

پھر ہم وہاں سے اُٹھ آئے ہارون الرشید نے کہا فضیل! میرا دل کسی اور

باخدا شخصیت سے ملنے کی تمنا رکھتا ہے، تو میں نے عرض کیا۔ کہ حضرت سفیان ثوریؒ ہیں وہ مکہ میں رہتے ہیں ان کی خدمت میں چلتے ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں ان کے پاس پہنچے کچھ دیر ان سے گفتگو رہی پھر ہارون نے کہا کہ آپ کو کچھ مالی ضرورت ہو تو فرمائیں۔ انہوں نے کچھ رقم کا اظہار کیا وہ ان کے حوالے کی گئی اور ہم وہاں سے اُٹھ آئے۔

ہارون الرشید نے پھر کہا کہ میرا جی کسی اور بزرگ سے ملنے کا خواہشمند ہے تو مجھے یاد آیا کہ آجکل تو یہاں فضیل بن عیاضؒ بھی قیام پذیر ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں ان کی خدمت میں پہنچے اس وقت آپ قرآن پاک کی تلاوت میں معروف تھے۔ اور یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ "اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ط"

ہارون کہنے لگا۔ مجھے یہ آیت بہت پسند ہے۔ ہماری آواز جب آپ کے حجرہ میں پہنچی تو پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا امیر المومنین ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا کہ طلب دعا کے لئے حاضر ہوئے ہیں، اور ان کی اطاعت مذہبی لحاظ سے بھی واجب ہے۔ آپ نے چراغ بجھا دیا۔ حجرہ کا دروازہ کھول کر ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ ہارون الرشید اندر گیا اور اندھیرے میں انہیں تلاش کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اس کا ہاتھ حضرت فضیلؒ پر جا پڑا۔ حضرت فضیلؒ نے کہا کہ "میں نے زندگی بھر اس قدر نرم و نازک ہاتھ نہیں دیکھا۔ خدا کرے کہ یہ ہاتھ دوزخ کی آگ سے بھی محفوظ رہ سکے۔" ہارون الرشید حضرت فضیلؒ کی بات سن کر اس قدر رویا کہ شدت گریہ سے غش آ گیا۔ جب بادشاہ کو دوبارہ ہوش آیا تو کہنے لگا خواجہ صاحب! مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضرت فضیلؒ نے کہا۔ "امیر المومنین! تمہارے جدِ بزرگوار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا تھے انہوں نے ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مجھے کسی علاقہ کی امارت اور گورنری عطا فرما دیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ چچا جان!! اطاعتِ خدا میں تمہارا ایک لمحہ دوسروں کی ہزار سالہ عبادت سے بہتر اور برتر ہے۔ ذمہ داری اور امارت تو قیامت کے دن ندامت کا باعث بنے گی۔"

ہارون نے پھر کہا کہ حضرت مجھے مزید کچھ نصیحت فرمایئے تو آپ نے فرمایا "امیر المومنین

تمہارا چہرہ کتنا حسین ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ یہ خوبصورت چہرہ کہیں جہنم کے شعلوں کی لپیٹ میں نہ آجائے۔ اس لئے ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہا کرو اور خدائی حقوق کو خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہا کرو۔"

اس کے بعد ہارون نے کہا کہ آپ پر کوئی قرض ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "ہاں خداوند کا قرض دینا ہے اور اس کی ادائیگی میں لگا ہُوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ پورا کرا دے۔" اس کے بعد ہارون نے ایک ہزار اشرفی کی تھیلی آپ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ "امیرالمومنین افسوس ہے کہ میری کسی نصیحت نے تم پر اثر نہیں کیا۔ میں تجھے راہِ نجات تک لانے کا خواہش مند ہُوں اور تم مجھے تباہی و بربادی میں دھکیلنا چاہتے ہو۔"

ہارون الرشید روتا ہُوا حضرتِ فضیل کی خدمت سے اُٹھا اور واپس لوٹ آیا۔ مجھے کہنے لگا کہ فضیل ہی حقیقت میں وہ شخصیت تھی جس سے میں ملنا چاہتا تھا۔ آپ فی الواقع خواجہ ہیں۔

حضرت فضیل کا وصال ۳ ربیع الاوّل کو ہُوا اور بعض روایات کے مطابق ماہِ محرّم ۱۸۷ھ میں حرم کعبہ میں ہُوا۔ آپ کی قبر مبارک حضرت خدیجہؓ کی قبر کے نزدیک ہی جنّت المعلّیٰ میں ہے۔

---

(۹)

الٰہی بحرمتِ شیخ المشائخ حضرت خواجہ امان الارض

سلطان ابراہیم ادہم البلخی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"امان" کا معنی ہے بچاؤ اور پناہ، 'ارض' کا معنی زمین۔ آپ کا لقب "امان الارض" اس لیے مشہور ہے کہ آپ ابتدائی زندگی میں بادشاہ تھے اور پوری رعایا کو عدل و انصاف اور بخشش مہیا کرتے۔ تو گویا آپ کی کوششوں سے زمین کے رہنے والے ہر طرح کے فتنوں سے امان میں تھے۔

آپ کا نام ابراہیم اور کنیت ابو اسحٰق ہے۔ آپ کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ ابراہیمؒ بن ادہم بن سلیمان بن منصور البلخی جو کہ بلخ کا ایک مشہور بادشاہ ہے۔ (نفحات الانس) فخری نے "شجرۃ الانوار" میں لکھا ہے اور دیگر کتب تاریخ کا مطالعہ کرنے سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد ادہم کا نام قلندر تھا۔ وہ سیر و سیاحت کرتے ہوئے بلخ تشریف لائے اور آبادی سے دُور درویشانہ جھونپڑا بنایا اور اُس میں سکونت اختیار کرلی۔ ایک دِن کسی کام کے لیے بازار گئے۔ بلخ کی شہزادی کی سواری آپ کے قریب سے گزری۔ آپ کی نظر اس پر پڑی تو اپنا دل اسے دے بیٹھے۔ لوگوں سے پوچھتے پچھاتے آپ دربارِ شاہی میں پہنچے اور وہاں ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ کافی دیر کے بعد بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ اس شخص سے پُوچھو کہ اس کا کیا کام ہے۔ وزیر نے حضرت قلندر سے دریافت کیا تو آپ نے تمام واقعہ بغیر لگی لپٹی کے سنا دیا اور کہا کہ بادشاہ سے کہو کہ خدا کے لئے اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کر دے۔ وزیر نے جب یہ نامناسب الفاظ سُنے تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور خاموش کھڑا رہا۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ تم نے اس اجنبی کا سوال اور خواہش مجھے نہیں بتائی۔ وزیر نے عرض کیا کہ جناب اس نے جو بات کی ہے وہ سُن کر میں آتش بداماں ہو گیا ہوں۔ اور آپ سے عرض

نہیں کر سکتا۔

بادشاہ نے جب اصرار کیا تو بالآخر وزیر نے اس کی خواہش بیان کر دی۔ بادشاہ نے یہ سن کر قلندر کو اپنے قریب بلایا اور اپنے نزدیک بٹھا کر اس کے آباؤ اجداد اور حسب و نسب کی تفصیلات پوچھیں۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ایک خاندانی شخص ہو اگر میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہارے ساتھ کر دوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن قدرے توقف کرو۔ میں اُس کی والدہ سے بھی اس سلسلہ میں مشورہ کر لوں۔ قلندر اپنے ڈیرے پر چلے گئے۔ چند دن بعد دوبارہ بادشاہ کی خدمت میں آئے۔ سلام کہہ کر بادشاہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے وزیر سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا تو اُس نے کھل کر مخالفت کی اور کہنے لگا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ بادشاہ نے ایک بھکاری کو بیٹی دے دی۔ اس طرح ہم دنیا میں بدنام اور ذلیل ہو جائیں گے۔ وزیر کہنے لگا کہ اگر بادشاہ سلامت مجھے اجازت دیں تو میں اس قلندر کو کسی چال اور طریقہ سے اس خیال سے باز رکھوں کہ یہ خود ہی شہزادی سے شادی کا ارادہ منسوخ کر دے۔

چنانچہ وزیر نے ایک بڑا خوبصورت اور انتہائی قیمتی موتی حاصل کیا اور قلندر سے کہا کہ شہزادی کہتی ہیں کہ جب تک تم اس کے کانوں کی بالیوں کے لئے اس جیسا ایک اور موتی نہیں لاؤ گے تمہاری شادی مجھ سے ناممکن ہے۔ قلندر نے وزیر سے اس بات کا عہد کیا کہ میں اس جیسا موتی ضرور لے آؤں گا۔ یہ کہہ کر سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑے دنوں کے بعد آپ وہاں پہنچ گئے اور ان فقیروں کے ساتھ جو کشتی میں گدائی کے لئے اِدھر اُدھر آیا جایا کرتے تھے، شامل ہو گئے۔ آپ نے سمندر کا پانی باہر اچھالنا شروع کر دیا۔ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک قلندر اسی مشقت میں وقت گزار دیتے۔ حتیٰ کہ حکم الٰہی سے حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے۔ انہوں نے قلندر سے کہا کہ تمہاری محنت اللہ کے دربار میں قبول ہو گئی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ آپ اپنی مراد بتائیں تاکہ قادرِ مطلق آپ کی مراد پوری فرمائیں۔ آپ اس مشکل کام کو چھوڑ دیں۔ اگر ہزار سال تک بھی لگے رہو گے تو اپنے مقصدِ دلی کو حاصل نہ کر سکو گے۔ حضرت قلندر نے اپنا

تمام ماجرا حضرت خضر علیہ السلام کے گوش گزار کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آنکھیں بند کرو اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجا کرو چنانچہ قلندر نے آنکھیں بند کر کے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی تو سمندر کی ایک لہر اٹھی جس نے کئی صدف جن میں قیمتی موتی تھے، ساحل سمندر پر لا پھینکے۔ اس دوران میں غیب سے آواز آئی کہ جتنے موتی تمہیں چاہئیں لے لو۔ قلندر نے ان میں سے صرف بارہ موتی جو چڑیا کے انڈے کے برابر تھے لے لئے۔ یہ اتنے بڑے تھے کہ شاہی خزانہ میں ان جیسا موتی نہ تھا۔ آپ نے وہ موتی پگڑی میں باندھے اور بلخ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب بلخ پہنچے تو اپنے ڈیرے پر آئے۔ صبح کی نماز کے بعد اوراد اور وظائف سے فارغ ہوئے وہ بارہ موتی لے کر بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور کہا کہ آپ نے ایک موتی طلب کیا تھا میں بارہ موتی لے آیا ہوں۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائے۔ میں اس لئے اب اٹھو اور اپنا وعدہ پورا کرو۔ بادشاہ ان موتیوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وزیر نے مشورہ کیا کہ اب کیا کروں؟ وزیر نے کہا کہ شہزادی کی شادی لالی بھکاری سے کرنے کا تو سوال نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ کوئی عظیم انسان ہے۔ میں نے پہلے دن ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس شخص کے پیر و مرشد بہت بڑے بزرگ ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں انکار کروں تو اس کے مرشد میرے حق میں بددعا کریں اور میں تباہ ہو جاؤں مجھے تو اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔

وزیر نے کہا عالیجاہ آپ جا کر آرام فرمائیں۔ میں جانوں اور یہ قلندر آپ دیکھیں گے کہ میں کس عمدگی سے اس قلندر کو یہاں سے بھیجتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ گھر چلا گیا اور دیگر امرائے سلطنت بھی رخصت ہو گئے۔ تب وزیر نے قلندر کو کہا اے بدبخت او نامراد! اس خیال سے باز آجا۔ ورنہ تمہیں عبرت انگیز سزا دوں گا۔ قلندر نے کہا اے خدا سے نہ ڈرنے والے انسان! میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ کیا تم خدا کو حاضر ناظر نہیں جانتے؟ تمہیں یاد نہیں کہ تم نے اس خدا کی ذات کو درمیان میں لا کر مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ موتی لے آؤ تو تمہاری شادی کر دی جائے گی۔ لیکن اب تم اپنی بات سے

گھمکر رہے ہو؟ وزیر نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کو سخت مار کر یہاں سے نکال دیں۔ چنانچہ سپاہیوں نے قلندر کی بے عزتی کی اور اسے وہاں سے نکال دیا اور کہا خبردار آئندہ دربارِ شاہی کی طرف قدم بھی نہ بڑھانا۔

قلندر بے چارہ مایوس ہوکر اپنے ڈیرہ پر پہنچا اور ماتم کناں اپنی جھونپڑی میں بیٹھ گیا۔ اتفاق سے شہزادی سخت بیمار ہوگئی۔ بادشاہ نے اس کا بہت علاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا اور شہزادی فوت ہوگئی۔ بادشاہ کی اس لڑکی کے سوا اور کوئی اولاد نہ تھی۔ محل میں شور اور چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں۔ بادشاہ نے غضب ناک ہوکر وزیر کو طلب کیا۔ اور اسے کہا کہ یہ سب کچھ تمہاری غلط تدبیری کی وجہ سے ہوا ہے۔ وزیر شرمندگی کے مارے سر جھکائے کھڑا تھا۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ اب اس پر ملامت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ مرحومہ شہزادی کے کفن دفن کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ شہر سے باہر اسے دفن کر دیا گیا۔

وہیں قریب ہی قلندر کی جھونپڑی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اس کی قبر پر پردے لٹکا دیئے گئے ہیں اور اگربتیاں وغیرہ خوشبوئی کی دھونی دی جا رہی ہے، جس خوشبو کی وجہ سے تمام صحرا اور علاقہ خوشبو میں بس گیا ہے۔ قرآن کے حافظ قبر پر شب و روز تلاوت کر رہے ہیں۔ رات کے وقت اتنی شمعیں اور قندیلیں روشن کی جاتیں کہ دن کا سماں نظر آتا۔ اس قبر کی حفاظت کے لئے مسلح سپاہی ہر وقت چوکیداری کرتے۔ آدھی رات کے وقت قلندر کے سینہ میں آتشِ شوق اس قدر بھڑکی کہ صبر کرنا ناممکن ہو گیا۔ وہ اپنی جھونپڑی سے اٹھا اور مقبرہ کی طرف چل پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چوکیداروں اور حافظوں پر نیند طاری کر دی اور وہ گہری نیند سو گئے۔

قلندر نے موقعہ غنیمت جانا۔ پردوں کو پھاڑ کر قبر تک گیا اور بہت سرعت سے قبر کو اکھیڑا اور شہزادی کا جسم وہاں سے نکال کر قبر کو درست کر دیا۔ اس پر بھی پہلے کی طرح غلاف بچھا دیا تاکہ شک ہی گزرتا تھا کہ قبر کو اکھاڑا گیا ہے۔ قلندر نے لاش کندھے پر ڈالا اور دیوار کا سہارا دیکر اسے اپنی جھونپڑی میں لا بٹھایا۔ پھر اس نے چراغ روشن کیا اور اس کے قریب ہی بیٹھ کر شہزادی کا چہرہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا

اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ ایک طبیب شہر سے باہر کہیں گیا تھا۔ واپس لوٹا تو قلعہ کا دروازہ بند ہو چکا تھا وہ شہر میں تو جا نہیں سکتا تھا لہٰذا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اُس قلندر کی جھونپڑی میں بتی جلتی دیکھی۔ اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ باقی رات اس جھونپڑی میں گزار لی جائے اور صبح ہونے پر شہر چلا جائے۔

جب قلندر نے اس حکیم کے قدموں کی چاپ سنی تو اُسے شک ہوا کہ شاید شاہی جاسوس کو اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ میں شہزادی کی لاش نکال لایا ہوں۔ اس لئے یہ سرکاری سپاہیوں کے قدموں کی آواز ہے۔ اس ڈر کی وجہ سے قلندر کسی کونہ میں چھپ گیا اور شہزادی کی لاش کو ویسے ہی رہنے دیا۔ حکیم جب جھونپڑی میں آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک پری چہرہ عورت کفن میں لپٹی بیٹھی ہے وہ بالکل بے حس و حرکت ہے۔ حکیم نے غور سے دیکھا تو اسے محسوس ہوا کہ اس عورت پر سکتہ کی مرض کا حملہ ہوا ہے۔ حکیم کے پاس نشتر تھی اس نے رگ میں چلائی۔ اور تھوڑا سا خون نکال دیا۔ شہزادی پلک جھپکنے میں تندرست ہو گئی، اور اللہ کے فضل سے دوبارہ زندہ ہو گئی۔

اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ ایک اجنبی شخص اسکے پاس منہ لپیٹے بیٹھا ہے، تو شہزادی نے کہا، بزرگوارم! آپ کون ہیں۔ اور مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔ حکیم نے کہا بیٹی مجھے تو دیگر تفصیلات کا علم نہیں۔ میں تو عرصہ دراز سے سفر پر تھا رات کو آیا شہر میں جانا چاہتا تھا کہ شہر کا دروازہ بند پایا تو اس فقیر کی جھونپڑی میں چلا آیا تاکہ رات کا باقی حصہ یہاں گزار کر صبح شہر چلا جاؤں۔ اندر داخل ہوا تو یہ مکان خالی پڑا تھا اور تجھے میں نے یہاں سکتہ کی مریض کی حیثیت سے پایا۔ میں نے علاج کیا اور شافی مطلق نے تمہیں صحت دیدی۔ اب تم اپنی کیفیت مفصل طور پر مجھے بتلاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچی ہو؟

ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ادھر قلندر نے چھپ کر دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص شہزادی سے مصروف گفتگو ہے۔ قلندر یہ دیکھ کر بیحد خوش ہوا اور اس نے باہر نکل کر اس بوڑھے مرد کو سلام کیا۔ حکیم کو اندازہ ہو گیا کہ اس گھر کا اصل مالک یہ شخص

ہے، حکیم نے اس سے تفصیلات پوچھیں۔ قلندر نے پوری تفصیل سے تمام واقعات من و عن بیان کر دیئے۔ حکیم کو جب پتہ چلا کہ دونوں نکاح کرنے پر آمادہ ہیں تو اس حکیم نے ان کا باہمی نکاح کر دیا۔

صبح حکیم وہاں سے رخصت ہو کر شہر کی جانب چل پڑا اور وہ میاں بیوی کافی عرصہ تک اسی جھونپڑی میں زندگی بسر کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ کی مہربانی سے ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جو بیحد خوبصورت اور بالکل اپنی والدہ کی شکل رکھتا تھا۔ والدین نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کی پرورش اور تربیت میں مصروف ہو گئے۔ چند سال بعد انہیں مکتب میں داخل کر دیا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ وقت حسب معمول ایک دن سیر کے لئے نکلا تو اس کا گذر ایک مکتب کے قریب سے ہوا جہاں ابراہیم ادہم بھی اپنے استاد کے پاس بیٹھے اپنا سبق پڑھ رہے تھے

بادشاہ کا یہ وطیرہ تھا کہ جہاں کوئی مدرسہ ہوتا بادشاہ وہاں جا کر استادوں اور طلباء کو طلب کرتا دونوں کو انعام واکرام سے نوازا کرتا۔ چنانچہ اس مکتب میں بھی اس نے یہی کچھ کیا۔ بادشاہ طلباء کو انعامات دئے رہا تھا۔ ابراہیم ادہم کی باری آئی۔ اس کی شکل میں بادشاہ کو اپنی مرحومہ بیٹی کی صورت دکھائی دی تو دل و جان سے اس پر نثار ہو گیا۔ بادشاہ نے معلّم سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے اس نے جواب دیا کہ یہ قلندر کا بیٹا ہے جو بہت ہی صاحب عظمت ہے۔ وہ روزانہ صبح کو بچّہ کے ہمراہ آتا ہے۔ اور نمازِ عصر کے بعد آکر اسے لے جاتا ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ یہ بچّہ میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا جب اس کا والد آئے تو اس کی تسلّی کرانا اور اسے میری خدمت میں بھیج دینا۔ معلّم مان گیا۔ بادشاہ نے معلّم کو بے شمار انعام دیا اور بچّے کو لیکر چلا گیا۔ ملکہ نے جب اس لڑکے کو بالکل اپنی لڑکی کے ہم شکل پایا تو دل و جان سے اس کے ساتھ محبّت کرنے لگی۔ ادھر حسبِ معمول جب قلندر اپنے بیٹے کو لانے کے لئے مکتب میں پہنچا تو معلّم نے اسے تمام تفصیلات بتلائیں۔ ادہم کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو بغیر جھجکے وہ بادشاہ کے پاس گیا وہاں اس نے

دیکھا کہ لڑکا پورے ادب و احترام سے بادشاہ کے سامنے بیٹھا ہے۔ قلندر نے سلام مسنون کہا تو بادشاہ نے اسے پہچان لیا۔ اسے احترام سے اپنے پاس بٹھایا اور اس سے آمد کی وجہ پوچھی۔

قلندر نے کہا کہ میرا اور تو کوئی کام نہیں۔ میں صرف اپنے لڑکے کو لینے کے لئے آیا ہوں کیونکہ اس کی والدہ جسے اپنے بیٹے سے بہت محبت ہے، بڑی بے چین ہے اور خطرہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر تک میں لڑکے کو والدہ کے پاس نہ لے گیا تو وہ ہلاک ہو جائے گی۔

بادشاہ نے پوچھا کہ اس کی والدہ کا کیا نام ہے اور وہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ قلندر نے تمام واقعہ بالتفصیل بیان کیا۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی زندہ ہے تو اس نے اللہ کے دربار میں سجدۂ شکر ادا کیا اور اپنی بیوی کو سب ماجرا بیان کیا۔ وہ اس خوشخبری کو سن کر شدت خوشی کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سواری تیار کرو اور قلندر اور اس کے بیٹے کو لے کر قلندر کے گھر تک بڑی شان سے پہنچاؤ۔ چنانچہ بادشاہ کئی سواروں کی معیت میں شادیانوں کے ساتھ قلندر کے گھر تک پہنچا۔ وہاں اپنی بیٹی کو دیکھا۔ بیٹی نے اپنے والد کی قدم بوسی کی۔ والد نے اسے سینے سے لگایا اور کافی دیر تک دونوں آنسو بہاتے رہے۔ بادشاہ نے قلندر کی مرضی سے اپنی بیٹی کو ساتھ لیا اور شاہی محل میں چلا گیا۔ بادشاہ نے وہاں اپنی بیٹی کے لئے ایک مخصوص اور پُر تکلف مکان وقف کر دیا۔ اور بے شمار زیورات اور دولت اس کے حوالہ کی۔ لیکن قلندر نے اس شاہی دولت کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھا اور وہی گدڑی جس میں وہ پہلے رہتا تھا اسے ہی زیب تن کئے رکھا۔

تخت نشینی کا واقعہ:- قلندر کی اجازت سے بادشاہ نے لڑکے کو اپنا فرزند بنا لیا۔ اور اس کی تربیت میں بے حد توجہ دی آخر کار اسے اپنا ولی عہد بنا لیا۔ جب بادشاہ نے سامان سفر آخرت باندھا تو آپ تخت نشین ہوئے۔ آپ نے امور سلطنت

کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق چلایا مگر دل دنیاوی امور سے متنفر ہوتا گیا اور اللہ کی یاد میں مصروف رہنے لگا۔ آپ کا دل فقراء کی تعظیم اور ان کے جوتے سیدھے کرنے میں راحت پاتا۔ (تحیۃ الحق)

تاریخ کی بعض کتب میں ہے کہ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ ایک دن تخت شاہی پر متمکن تھے۔ خدام اور اراکین سلطنت تخت کے دائیں بائیں مودب کھڑے تھے محل کے نیچے ایک فقیر دیکھا جو بغیر کسی سالن کے خشک روٹی کھا رہا تھا۔ روٹی کھانے کے بعد اس نے پانی پیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا اور زمین پر لیٹ گیا۔ جب وہ بیدار ہوا تو سلطان ابراہیم بن ادہمؒ نے اس فقیر کو طلب کیا۔ وہ فقیر بسم اللہ و لاحول و لاقوۃ الا باللہ کہتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم نے خشک روٹی کھائی سادہ پانی پیا اور بڑے سکون سے سو گئے۔ کیا واقعی تمہارا دل مطمئن ہے۔ فقیر نے جواب دیا کہ ہاں! میں بالکل مطمئن ہوں۔ جب سے میں نے دنیاوی تفکرات سے جان چھڑائی ہے۔ مجھے اطمینان قلب حاصل ہو گیا ہے۔ فقیر کی یہ بات سن کر آپ نے بھی اسی وقت دنیاوی امور سے قطعی طور لاتعلقی اختیار کرنے کا عزم کر لیا۔ رات جبکہ سخت سردی پڑ رہی تھی، آپ ننگے سر ننگے پاؤں شہر سے نکلے اور بیابان کی راہ اختیار کی۔

حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات

دورانِ سفر ایک خوبصورت اور شریف آدمی ملا اور کہا "میں تمہیں غیبی کھانے مہیا کروں گا" نیز یہ کہا کہ "اے ابراہیم کسی کام میں جلدی اور سرعت نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنا مقرب بنانا چاہتا ہے، اس کے باطن میں ایک نور پیدا کر دیتا ہے، جو اللہ کی محبت میں شعلہ زن ہوتا ہے" پھر اس شخص نے حضرت ابراہیمؒ کو اسم اعظم سکھلایا اور کہا کہ "بوقت مشکل اللہ کے نام کے ساتھ مدد مانگنا، مشکل حل ہو جائے گی۔ نیز کہا کہ اے ابراہیم اپنے آپ کو درویشوں کی خاک پا سمجھنا" یہ کہا اور وہ چلا گیا حضرت ابراہیمؒ جب ذرا آگے بڑھے تو ایک اور خوش لباس شخص کو دیکھا اس نے آپ سے سابقہ حالات دریافت کئے۔ حضرت ابراہیمؒ نے

تمام تفصیلات بیان کیں۔ تو اس نے کہا کہ اس سے قبل میرے بھائی حضرت الیاسؑ تمھیں ملے ہیں انہوں نے آپ کو کچھ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کرنا۔ میں خضر ہوں۔ انہوں نے آپ کے حق میں دُعا کی اور غائب ہو گئے۔

'نفحات الانس' اور تاریخ کی بعض دوسری کُتب میں مذکور ہے کہ آپ کے دُنیا ترک کرنے اور تجرد کی زندگی اختیار کرنے کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دن آپ بہت سے سپاہیوں کے ہمراہ شکار کے لئے نکلے۔ آپ کی نگاہ ایک خرگوش یا گورخر پر پڑی۔ وہ آپ کو دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ آپ نے اپنا گھوڑا اس کے پیچھے لگا دیا۔ بھاگتے بھاگتے ایک صحرا میں جا پہنچے تو وہاں غیب سے ایک آواز آئی "اے ابراہیم! کیا ہم نے تمھیں اس فضول کام کے لئے پیدا کیا ہے؟" یہ الفاظ سُن کر آپ نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور حیرانی کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھا کہ آواز کہاں سے آئی۔ اچانک یہی آواز آپ کو گھوڑے کے اندر سے سُنائی دی۔ آپ کو تنبیہ ہو گئی اور آپ نے گھوڑا وہیں چھوڑا اور بیابان کی راہ اختیار کی۔

راستے میں ایک چرواہا دیکھا۔ اپنا شاہی لباس اسے دیا۔ اور اُس کا اونی لباس خود پہنا اور پیدل نیشاپور کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہاڑ کی ایک غار میں قیام کیا۔ روز شنبہ آپ جنگل سے ایندھن اکٹھا کر کے شہر لے جاتے اور وہاں فروخت کرتے جو رقم آپ کو ملتی اس کا نصف تو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے اور باقی نصف رقم سے روٹیاں خرید کر غار میں لے آتے اور سات دن انہیں روٹیوں پر گذر اوقات کرتے۔ آئندہ شنبہ کو پھر اسی طرح کرتے۔ غار میں تمام وقت ذکرِ الٰہی میں بسر ہوتا۔

'تحفتہ الحق' میں مرقوم ہے کہ جاڑے کے موسم میں ایک رات آپ نے سخت سردی محسوس کی۔ خیال آیا کہ اگر تھوڑی سی آگ ہوتی تو اس سے حدت حاصل کر لیتا۔ یہ خیال کرنا ہی تھا کہ غیب سے ایک پوستین آپ کے جسم کے ساتھ آ لگی اور آپ کو سردی سے نجات مل گئی۔ صبح ہوئی تو دیکھا کہ ایک اژدھا آپ کی پشت پر چمٹا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے دفعیہ کی دُعا کی تو وہ سانپ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔

"سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپ کا لباس موسم سرما میں بوریا کا ہوتا جس کے نیچے اور کوئی کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ موسم گرما میں آپ کا لباس دو چادریں تھا جس کی قیمت چار درم سے کسی طور بھی زیادہ نہ تھی۔ آپ ایک چادر کو بطور تہبند استعمال کرتے اور دوسری چادر باقی جسم کے گرد لپیٹ لیتے۔ آپ سفر و حضر میں روزہ سے رہتے اور آپ ہمیشہ بیداری میں گذارتے۔

آپ تمام دن قلعہ پر مزدوری کرتے۔ شام ہوتی تو اپنے کسی ساتھی کو مزدوری کی رقم لانے کے لئے بھیج دیتے۔ اور خود مزدوری کی رقم کو ہاتھ نہ لگاتے۔ اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ اس مزدوری میں سے تم اپنی ضروریات پوری کر لو، بچ جائے تو مجھے دے دینا۔

آپ کو مزدوری نہ ملتی تو باغوں کی چوکیداری کر کے پیٹ پال لیا کرتے۔ نقل ہے کہ ایک دن آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہو بیس پہاڑ پر بیٹھے تھے کہنے لگے "اگر میں پہاڑ کو حکم دوں تو یہ چلنے لگے"۔ آپ نے یہ لفظ کہے تھے کہ پہاڑ فی الواقع حرکت میں آگیا۔ آپ نے اپنا پاؤں مارا اور کہا "ٹھہر جاؤ۔ میں نے تو صرف مثال کے طور پر الفاظ کہے ہیں"۔

منقول ہے کہ ایک دن سمندری سفر پر روانہ ہونے کے لئے بحری جہاز میں بیٹھے اپنے ارد گرد اپنی گدڑی لپیٹ لی۔ اور مراقبہ میں چلے گئے۔ اسی دوران شدید طوفان آیا اور جہاز کے غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ مسافر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "بڑی عجیب بات ہے۔ ہم غرق ہو رہے ہیں اور آپ ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں اور کوئی پرواہ ہی نہیں"۔ آپ نے یہ سن کر گدڑی سے اپنا سر نکالا اور کہا کہ "میرے مولا! میں نے تیری قدرت کاملہ کو دیکھ لیا، اب اپنی ذات اور اپنے کرم کا صدقہ معاف فرما دے"۔ آپ کے ان الفاظ کے کہنے پر جہاز کے ہچکولے ختم ہو گئے اور طوفانی سمندر تھم گیا۔

کہتے ہیں کہ ایک بار آپ صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ جب ذات العرق پر پہنچے

تو دیکھا کہ ستر برقعہ پوش افراد مردہ پڑے ہیں صرف ایک میں زندگی تھی۔ اس سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا "ابراہیم پانی اور محراب پر کاربند رہنا۔ نہ اتنا دور دور رہنا کہ فراق و ہجر کا شکار ہو جاؤ اور نہ اتنا قریب آنا کہ بیمار ہو جاؤ۔ بادشاہوں کی بساط پر کبھی گستاخی ذکر نا اور ہم جیسے حاجیوں کی دوستی اور صحبت سے بچ کر رہنا۔ ہم نے روم کے کفار سے جنگ کی۔ جنگ کے بعد صوفی بن گئے اور اللہ تعالیٰ کے توکل پر بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ ہم نے عزم کیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بات نہ کریں گے اور اس کی طرف توجہ کے بغیر کوئی فکر نہ کریں گے۔ ہم جب حرم میں پہنچے تو ہمیں حضرت خضرؑ ملے۔ ہم نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر ہم خوش ہوئے کہ الحمد للہ ہماری کوششیں بارآور ہوئیں اور ہم طالبینِ حق اپنے مطلوب سے آملے حتّیٰ کہ حضرت خضرؑ ہمارے استقبال کو آئے۔ اس پر غیب سے آواز آئی" اے جھوٹو اور غلط مدعیو! ہمیں بھول گئے ہو اور ہمیں چھوڑ کر غیر میں مشغول ہو گئے ہو۔ اس لئے جاؤ میں تمہیں تباہ کر دوں گا، تمہارا خون بہادوں گا اور تمہارے ساتھ میرے تعلقات حریفانہ ہوں گے۔ اے ابراہیم یہ تمام نوجوان جو تم دیکھ رہے ہو یہ سب کے سب شہداء ہیں اے ابراہیم اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو رتبہ اور مرتبہ کے خیال و خواہش سے دور رہنا:

خون ریز بود ہمیشہ در کشورِ ما — جان عود بود ہمیشہ در مجمرِ ما

داری سرِ ما و گرنہ دور از ما — ما دوست گشتیم تو نداری سرِ ما

فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؒ نو سال تک ایک غار میں مقیم رہے۔ اس غار میں اللہ تعالیٰ نے ایک چشمہ بھی پیدا فرما دیا تھا۔ وہ سانپ جو پوستین کی طرح آپ کے جسم سے چمٹ گیا تھا، کا واقعہ بھی اسی غار میں ہی پیش آیا اور "نجّینٰک مِنَ المُتلِفِ بِالمُتلِفِ" (یعنی ہم نے تمہیں تمہارے تلف کرنے والے سے ایک موذی کے ذریعہ نجات دی۔) کے الفاظ بھی آپ نے اسی غار میں سنے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کو ندی کے کنارے بیٹھا دیکھا۔ کہ آپ اپنی گدڑی کو پھٹی ہوئی جگہ سے ٹانک رہے تھے۔ چہرہ پر وحشت اور پریشانی

برس رہی تھی۔ اس آدمی نے کہا اے بادشاہ کیسے کبیدہ خاطر بیٹھے ہو۔ کوئی زمانہ وہ تھا کہ تم تختِ شاہی کے مالک تھے اور آج اس کس مپرسی میں زندگی گزار رہے ہو۔ مجھے تمہاری اس حالتِ زار پر بے حد ترس آتا ہے۔

حضرت ابراہیم ادہمؒ نے اس شخص کی باتیں سنیں تو وہ سوئی جو ہاتھ میں تھی، ندی میں پھینک دی۔ اور دریا کی مچھلیوں کو حکم دیا کہ میری سوئی میرے پاس واپس لاؤ۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ ہزارہا مچھلیاں منہ میں سوئیاں لے کر حاضر ہوگئیں۔ آپ نے ان میں سے اپنی سوئی لے لی۔ اس شخص نے جب یہ حیران کن واقعہ دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا اور کہنے لگا واقعی آپ فقر و فنا کے آخری درجہ تک پہنچ گئے ہیں۔ پہلے جب آپ بادشاہ تھے تو زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر آپ کی حکومت تھی لیکن آج یہ حالت ہے کہ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک آپ کی حکمرانی ہے اور ہر چیز آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہے۔ واقعی فقر، دین اور دنیا کی بادشاہی کا دوسرا نام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "الفقر فخری" واقعی درست ہے۔

"تحیۃ الحق" میں لکھا ہے کہ آپ جس غار میں رہتے تھے، لوگوں کو اس کا پتہ چل گیا۔ عقیدتمندوں نے کثرت سے حاضری دینا شروع کر دی۔ آپ ان لوگوں سے کنارہ کشی کی خاطر وہاں سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب آپ کوفہ میں پہنچے تو وہاں کافی مدت حضرت امام ابوحنیفہؓ کی خدمت میں رہے۔ پھر وہاں سے چل دیئے۔ کوفہ اور مکہ کے درمیان آپ کی ملاقات حضرت داؤد بلخیؒ سے ہوئی۔ انہوں نے آپکو اسم اعظم سکھایا۔

اسم اعظم کی بحث

مولانا عبد الغفورؒ لاہوری نے نفحات الانسؒ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ "اسم اعظم" کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کا وہ مخصوص نام ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو تمام صفاتِ کمال کو محیط ہے اور وہ اسم "اللہ" ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس نام کی برکت کی

وجہ سے تمام تخلیقی عمل جاری رہتا ہے اور اللہ کی قدرتوں کا اظہار اسی نام سے ہوتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اسم اعظم ایک نام ہے یا دو ہیں۔ (انتہی کلامہٗ)

مطبقات حسامیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حجاب باطنی حضرت داؤد بلخیؒ کی توجہ کی وجہ سے دور ہوئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ حضرت الیاس اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات کے ذریعہ ہوا اور ان دونوں حضرات کی توجہ سے آپ پر غیبی اسرار ظاہر ہوئے۔ الغرض جب آپ مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت خواجہ فضیل ابن عیاضؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہوں نے ہی آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

بعض کتب میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کو خرقہ خلافت حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے ملا تھا اور ان کی صحبت کے طفیل آپ نے مدارج طے کئے تھے۔

"سیر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت ابراہیم ادہمؒ اپنی آخری عمر میں لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے تھے۔ کسی کو یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ کہاں ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ شہرت سے سخت متنفر تھے اور لوگوں سے الگ رہنا پسند کرتے تھے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ آپ بغداد چلے گئے اور وہاں آپ کی وفات ہوئی۔ بعض کا خیال تھا کہ آپ شام چلے گئے اور وہیں انتقال ہوا اور اکثر لوگوں کی تو یہ رائے ہے کہ جس غار میں حضرت لوط علیہ السلام نے وفات پائی تھی، اسی غار میں آپ کا انتقال ہوا۔

جب آپ کے وصال کا وقت آیا تو غیب سے آواز آئی کہ جس شخص کی وجہ سے اس زمین کو امان ملی ہوئی تھی وہ فوت ہو گیا ہے۔ تمام لوگ یہ آواز سن کر حیران رہ گئے حتیٰ کہ تھوڑی دیر بعد یہ خبر پہنچی کہ حضرت ابراہیم ادہمؒ وصال فرما گئے ہیں۔ آپ کے وصال کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ بعض مورخین کہتے ہیں۔ کہ آپ کا وصال ۱۶ جمادی الاول ۱۶۲ھ کو ملک شام میں ہوا۔ بعض کی رائے ہے کہ ۱۶۶ھ میں ہوا۔ آپ کی قبر حضرت لوط علیہ السلام کی قبر کے قریب واقع ہے جو ملک شام میں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ

کی قبر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کی قبر کے پہلو میں موجود ہے۔ لیکن تاریخ بیت المقدس میں لکھا ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ اور طرائس محلہ میں آپ کی قبر مبارک ہے، جو بہت مشہور ہے۔

تاریخ وصال کسی نے اوائل شوال اور کسی نے ۲۰ جمادی الاول بتلائی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

(۷)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

سدید الدّین حذیفۃ المرعشی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سدید کا معنی ہے ہموار اور درست۔ سدید الدّین آپ کا نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ کیونکہ آپ نے دین کو سہارا دیا اور اس کی پشت پناہی کی۔

حُذَیفَۃ : حا پر پیش، ذال پر زبر اور فا پر بھی زبر ہے۔ آپ کا نام ہے۔

مرعشی : مرعش کی طرف نسبت ہے۔ مَرعش کے میم پر زبر۔ را پر جزم عین پر زبر ہے۔ بعض نے عین کی بجائے غین لکھا ہے۔ مرعش دمشق کے مضافات میں ایک چھوٹے سے قصبہ کا نام ہے۔

فخری نے شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ یہ حضرت ابراہیم ادہمؒ کے قریب ترین دوستوں میں سے تھے۔ ترکِ دنیا کنارہ کشی، توکل اور زہد و تقویٰ میں یہ حضرت اپنے تمام معاصرین پر سبقت لے گئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ درویش کی غذا تو "لا الٰہ الا اللہ" ہے۔ آپ نے تصوّف پر کئی کتب بھی تصنیف کی تھیں۔

"سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپ طویل مدّت تک حضرت ابراہیم ادہمؒ کی خدمت میں رہے اور آپ کو خرقہ خلافت بھی انہوں نے ہی عطا کیا تھا۔

آپ کی انکساری دیکھئے، آپ کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص خدا کی قسم اٹھا کر کہے کہ اے حذیفہ تم نے آخرت کے لئے کوئی ایک عمل بھی نہیں کیا تو اس شخص کی قسم غلط نہ ہوگی۔ واقعی میں بے حد خطا کار ہوں؟

یہ آپ کا فرمان ہے کہ "برے لوگوں اور احمقوں کے تحائف کو قبول نہ کرو۔ اگر تم نے ان کو قبول کر لیا تو وہ یہ سمجھیں گے کہ شاید تم نے ان کے اعمال و عادات

کو بھی قبول کر لیا ہے۔"

"تحفۃ الحق" میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کو خلافت کا خرقہ آپ سے ہی عطا ہوا تھا۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ آپ نے امام رضا رضی اللہ عنہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ تمام دوستوں میں حضرت ابراہیم ادہمؒ کی خصوصی دوستی اور تعلق آپ کے ساتھ تھا اور حضرت ابراہیم ادہمؒ نے وہ تمام باطنی نعمتیں جو حضرت الیاسؑ، حضرت خضرؑ، امام باقرؓ اور حضرت فضیلؒ سے حاصل کی تھیں، آخر عمر میں حضرت حذیفہؒ کے حوالے کر دیں۔ اور وہ نعمتیں آپ سے آج تک سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ میں بطور معمول چلی آ رہی ہیں۔ آپ کا وصال ۴ شوال اور بقول بعض ۱۴ شوال ۲۵۲ھ کو ہوا۔ مگر آداب الطالبین میں ۲۵ شوال مذکور ہے۔

---

(۸)

الٰہی بحرمتِ شیخ المشائخ حضرت خواجہ

امین الدین ابی ہبیرۃ البصری

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"مطلوب الطالبین" اور "شجرۃ الانوار" میں لکھا ہے کہ خواجہ امین الدینؒ حضرت خواجہ سدید الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید اور خلیفۂ اعظم تھے۔ اپنے دور میں آپ علماء اور اولیاء وقت کے رہنما اور مقتدا تھے۔ آپ کی خدمت میں بڑے سے بڑے آدمی آتے مگر چند دنوں کے اندر ہی ان کی اخلاق اصلاح ہو جاتی۔ اور وہ راہِ راست پر گامزن ہو جاتے۔

آپ کے خاندان کا نام ہبیرہ تھا۔ اس خاندان کے تمام افراد نے ظاہری و باطنی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ حضورِ قلب سے نماز کی بروقت ادائیگی، مراقبے، اپنے محاسبے، خلوت گزینی، دنیاوی کلام کم کرنے اور کم کھانے میں بیحد کوشش کی۔ بزرگوں کا یہ گروہ کشف و کرامات کو قطعاً اہمیت نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ خواجگانِ چشت نے سلوک کے پندرہ مقام لکھے ہیں اور ان مقامات میں سے پانچواں مقام کشف و کرامات کا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ جب تک سالک اس مقام سے باہر نہیں آئے گا وہ آگے کے بلند ترین مقامات تک کیسے ترقی کرے گا۔

یہ تمام مقامات ابتداء سے لیکر آخر تک ایک دوسرے کے لئے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی دوسرے مقام کی بنیاد پہلے مقام پر ہے۔ تیسرے کی بنیاد دوسرے پر اور چوتھے کی بنیاد تیسرے مقام پر ہے۔ الیٰ آخرہ۔ تو جب مقام پنجم یعنی مقام کشف و کرامات پر سالک باقی رہے گا تو آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ آگے جانے کے لئے لازمی طور پر اسے اس مقام پنجم سے دامن چھڑانا ہو گا ایک عالی ہمت سالک کو چاہیئے کہ ان تمام مقامات میں سے کسی ایک مقام پر دل لگا کر نہ بیٹھ جائے۔ اسے

تو چاہیئے کہ اس کی منزل فنا مطلق رہے اور ہمیشہ اپنی جدوجہد کا نصب العین اسے ہی سمجھے۔

تمام سالکین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طالب و مطلوب کے درمیان ستر ہزار ظلماتی یعنی تاریک اور اتنے ہی نورانی پردے ہیں۔ ظلماتی پردے ریاضت اور مجاہدہ کی کثرت سے دور ہوتے ہیں لیکن نورانی پردے ذوق و شوق کے غلبے کے بغیر نہیں اٹھتے شاہ محمد اکرم صاحب چشتیؒ جن کا تعلق خاندان صابریہ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے ان پندرہ مقامات کو مختصر کر کے تین مقامات میں محصور کیا ہے اور ان کی تمام تفصیل اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جب سالک تدریجاً ان کو عبور کر لیتا ہے تو وہ ارفع ترین مقام تک جا پہنچتا ہے۔

درجات سلوک:

(۱) پہلا مقام: مقام فنا در ظاہر شیخ۔ اسے برزخ صغریٰ اور فنافی الشیخ بھی کہتے ہیں۔

(۲) دوسرا مقام: مقام فنا در باطن شیخ۔ اسے برزخ کبریٰ اور فنافی الرسول کہتے ہیں۔ اس مرتبہ میں سالک طریقت کے باطن پر جمال محمدیؐ کے انوار شیخ کی صورت میں یا کسی اور شکل میں یوں جھکتے ہیں کہ وہ اپنے وجود کے قطرہ کو بحر وحدت کی موجوں میں محو اور غرق محسوس کرتا ہے۔ لیکن اس مقام میں بھی اسکی مجازی ہستی برقرار رہتی ہے۔

(۳) تیسرا مقام: مقام فنافی اللہ کہلاتا ہے اس درجہ میں پہنچ کر سالک کے تمام بشری اوصاف ختم ہو جاتے ہیں اور علم محض کا ظہور ہوتا ہے اور وہ علم ربانی کے ساتھ تمام موجودات ظاہری میں ایک ذات ہی پاتا ہے۔

ان تینوں مقامات تک پہنچانے والی چیز تصور شیخ ہے اس کے بغیر اسم باطن کے معانی کا تصور جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبولؐ کی ذات ہے۔ جلوہ گر نہیں ہوتا۔

ہمارے بزرگوں کے نزدیک ان تینوں مقام میں سے ہر مقام بذات خود

سالک کا عین مقصود ہے۔ اس لئے بعض حالتوں میں کشف و کرامات پیش نہیں آتیں اور اگر یہ پیش بھی آجائیں تو ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دینی چاہیئے اور مشائخ کا اس پر اتفاق ہے۔ (بحوالہ تحیۃ الحق)

و شجرۃ الانوار میں مذکور ہے کہ خواجہ امین الدین البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال سات شوال اور بعض کے نزدیک ۱۸ شوال کو ہوا۔

آپ کی عمر ایک روایت کے مطابق ایک سو بیس سال اور دوسری روایت کے مطابق ایک سو تیس سال تھی۔ آپ کا مقبرہ بصرہ میں ہے۔

(۴)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

ممشاد علو دینوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"ممشاد" کے پہلے میم پر پیش ہو تو اس کا معنی ہے وہ شخص جس سے بھیک مانگی جائے۔ لیکن کتاب کے حاشیئے پر اس کا تلفظ یوں درج ہے کہ پہلے میم پر زیر، دوسرے میم پر جزم اور شین پر زبر ہے اور یہ حضرت دینوری کا نام گرامی ہے۔

"علو" عین اور لام دونوں پر پیش ہے اس کا معنی ہے بلند ہونا، بزرگوار بننا اور کسی چیز کے اوپر آجانا۔ (کشف اللغات)

"دینوری" دال پر زیر اور یا پر جزم ہے۔ آگے نون پر زبر ہے۔ "دینور" بغداد اور ہمدان کے درمیان ایک مشہور شہر ہے۔

آپ کا نام تو ممشاد تھا لیکن علو کا اضافہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ بزرگوں میں دو ممشاد تھے ایک تو آپ اور دوسرے ممشاد جناب یحییٰ جلاد کے خلیفہ تھے، سلسلہ سہروردیہ میں تیسرے طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اور عراق سے تعلق تھا علو کا اضافہ صرف ان کی بزرگی اور بلندی مراتب کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

شجرۃ الانوار میں مذکور ہے کہ موصوف کو ریاضت اور مکاشفہ میں ایک عظیم مقام حاصل تھا۔ آپ نے وصال تک پوری زندگی روزہ سے گزاری۔

جب آپکی ولادت ہوئی تو آپ دن کے وقت ماں کا دودھ نہ پیتے تھے صرف غروب آفتاب کے بعد رات کو دودھ پیتے۔ آپ کا اصل وطن تو دینور تھا۔ لیکن آپ کی نشوونما بغداد میں ہوئی۔

سماع:- کہا جاتا ہے کہ اپنے پیر کے عرس کے موقعہ پر آپ سازوں سمیت بکثرت سماع سے محظوظ ہوا کرتے۔ عرس کے موقعہ پر بے شمار لوگ حاضر ہوتے اور

بے شمار کھانا تقسیم ہوا کرتا تھا کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ خصوصیت کے ساتھ عرس کے دن اتنی کثرت سے سماع سے کیوں محظوظ ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کے موقعہ پر اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اور ہمارے مشائخ کا دستور بھی یہی ہے۔ عرس کا دن چونکہ ایسا دن ہے جس دن مشائخ حضرات نے علائق دنیوی کو کاٹ کر اللہ تعالیٰ سے بالمشافہ گفتگو اور ملاقات کی ہوتی ہے اس لئے یہ خوشی کا دن ہے، ہم اس دن بکثرت سماع سنتے ہیں تاکہ ان حضرات سے ہمارا رابطہ بھی قائم ہو جائے۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت خواجہؒ اپنے رفقاء کے ہمراہ تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک رات میں اس کشمکش میں پڑا رہا کہ سماع جائز ہے یا نہیں؟ اسی دوران مجھے نیند آگئی تو مجھے خواب میں حضور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے فرمایا کہ سماع شروع کرنے اور ختم کرنے پر قرآن پاک کی تلاوت کر لیا کرو۔ اور اس ہدایت پر سختی سے عمل کرو۔

بمطابق شجرۃ الانوار آپ کی تاریخ وصال ۲۴ محرم اور دوسری روایت کے مطابق ۱۴ محرم ۲۹۹ھ ہے۔

(١٠)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ خواجہ خواجگان

سرسلسلہ چشتیاں حضرت خواجہ

ابواسحاق شامی چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

خواجہ : خواجہ کا معنی ہے، شیخ۔ خداوند۔ آقا۔ حاکم۔ دستور۔

"خواجہ" میں جو واؤ ہے وہ معدولہ کہلاتی ہے۔ کیونکہ اس واؤ سے عدول اور کنارہ کر کے کسی اور حرف کی آواز نکالی جاتی ہے۔ بعض اہلِ زبان اس واؤ کو اشمام کی واؤ بھی کہتے ہیں۔ اس واؤ کو خاء مفتوحہ کے بعد لکھا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ خاء کی فتحہ اصلی نہیں ہے، بلکہ اس فتحہ یعنی زبر میں پیش کا بھی ہلکا سا تلفظ موجود ہے۔ کبھی کبھی یہ واؤ اس خاء کے بعد بھی آجاتی ہے، جس پر پیش یا زیر ہو۔ جیسے کہ خویش اور خوَیل کا لفظ ہے۔

"خواجگان" خواجہ کی جمع ہے۔ فارسی میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر واحد کلمہ کے آخر میں "ہاء" ہو تو اس ہ کو گاں سے بدل دیتے ہیں۔ جمع کے لفظ میں "جاء" پر ہمیشہ زبر ہی آئے گی اور اس پر زیر پڑھنا قطعی غلط ہے۔

"سر" کا معنی نقطۂ آغاز، سَر، اور قوم کا بزرگ فرد اور سردار اور کسی چیز کا کنارہ۔

"سلسلہ" کا لفظی معنی تو زنجیر ہے لیکن یہاں خاندان مراد ہے۔

"چشتیاں" چاء کے نیچے زیر، شین پر جزم یعنی وہ لوگ چشت کی طرف منسوب ہیں۔

"چشت" ہرات کے نواح میں تین کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے۔

خواجہ ابواسحاق شامیؒ کو چشتیوں کے سلسلہ کا سَر اس لئے کہا جاتا ہے کہ جب آپ خواجہ ممشاد رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ اے مردِ درویش کیا نام ہے؟ آپ نے کہا کہ مجھے ابواسحاق شامی کہتے ہیں، تو حضرت خواجہ ممشادؒ نے فرمایا کہ آج کے بعد تم "ابواسحاق شامی چشتی" کہلاؤ گے کیونکہ چشت کے لوگوں کو تم سے فیض اور ہدایت نصیب ہوگی اور تمہارا خاندان ہمیشہ کے لئے چشتی کہلائے گا۔

آپ نے اسرارِ الٰہی سے آشنا ہونے کے لئے بے پناہ جدوجہد کی۔ اپنے آپ کو لوگوں سے مستور الحال اور پوشیدہ رکھا تاکہ کسی کو علم نہ ہونے پاتے۔ یہ بلند ترین مقام بزرگوں کے نزدیک انتہائی قابلِ رشک ہے۔

آپ عرصہ تک حضرت ممشادؒ کی خدمت میں رہے حتیٰ کہ آپ کو اپنے مرشد سے خرقہ اور خلعتِ خلافت عطا ہوئی۔ اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق چشت میں رہنے لگے اور مخلوقات کو اپنے فیوض سے مستفیض فرماتے رہے اور یہیں سے سلسلہ چشتیہ بہشتیہ کا آغاز ہوا۔ پھر شام چلے گئے۔

آپ نے ہمیشہ فقر کو مال و دولت پر ترجیح دی۔ آپ کے دل میں عشقِ الٰہی کی آگ بھڑک اٹھی تو آپ نے سماع اور اہلِ سماع کے ساتھ وابستگی اور محبت اختیار کرلی۔ اپنے پیروں کے لئے جان تک قربان کردینے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ اور اُن کے عرس بڑی پابندی اور بہت اہتمام سے کیا کرتے۔ آپ تمام لوگوں کو اپنے سے برتر خیال کرتے اور سب سے بہت محبت کے ساتھ پیش آتے۔ آپ نے کثرت کو جمالِ احدیت کی نگاہ سے دیکھا۔

اس طبقہ کے تمام بزرگ پہلے "نفی ماسوا" کرتے۔ پھر تزکیہ و تصفیہ قلب کی طرف متوجہ ہوتے تاکہ تصفیہ قلب کی بنا پر وہ بزرگانِ دین اور اسلاف کی ارواح سے ملاقات کرسکیں اور حضورِ قلب کا درجہ نصیب ہو۔ بزرگوں کا یہ گروہ جن اذکار و عبادات کو اپنے لئے لازم قرار دیتا، زندگی بھر اس پر بڑی سختی سے پابند رہتا۔ یہ بزرگ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلنا اور اہلِ سنت والجماعت کے عقائد سے وابستگی اپنا مقصدِ حیات سمجھتے۔ ان کے آداب اس قدر عمدہ ہوتے کہ کوئی گروہ بھی شکوہ نہ کرتا۔ اور باطنی جمعیت کو اپنا مشرب خیال کرتے۔

حضرت خواجہ ابو اسحاقؒ کا وصال ۳۲۹ یا ۲۶ ربیع الثانی کو ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک شام کے مشہور شہر "عکہ" میں ہے۔

لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جب سے آپ کا وصال ہوا ہے اس وقت سے آپ کے مزار پر ہمیشہ ایک چراغ روشن رہتا تھا جو صبح تک جلتا رہتا حتیٰ کہ خواہ بارش ہو یا آندھی وہ چراغ نہیں بجھتا۔

(اقتباس الانوار و تحیۃ الحق)

اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغِ مقبلاں ہرگز نہ میرد

(اگر پوری دنیا میں جھکڑ چلنے لگیں تو بھی باخدا لوگوں کا چراغ بجھنے نہیں پاتا۔)

۱۱
حالی بحرمت شیخ المشائخ حضرت
قدوۃ الدین ابی احمد بن فرشتافۃ الچشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"فرسنافہ" فار پر زیر، سین پر جزم، نون پر زبر، آخر میں فار۔ اس کا لغوی معنی ہے "نوروز کی رات" لیکن یہاں علم ہے اور سلطان مراد ہے۔ مولوی احمد گھلوی نے ذخیرالاذکار میں لکھا ہے کہ میں حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور گذارش کی کہ مولوی عبدالغفور نے مولوی جامی کی نفحات الانس کے حاشیہ پر فرسنافہ کو فا اور را کے زیر اور سین کے سکون کے ساتھ لکھا ہے جس کے بعد نون اور آخر پر فار ہے۔ لیکن کچھ حضرات اس کا تلفظ کچھ اور طریقہ سے کرتے ہیں۔ آپ فرماتے کہ صحیح تلفظ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "ہاں عبدالغفور نے یوں ہی لکھا ہے۔ لیکن میں نے فخر الاولین والآخرین مولانا فخر الدین" کی بات کو ترجیح دی ہے کہ "فا پر زبر ہے را پر زیر، شین ساکن اور تا فوقانیہ کے بعد آخر میں فا ہے۔ بعض حضرات نے آخر میں فا کی بجائے قاف سے لکھا ہے مگر مجھے وہی پسند ہے" جو حضرت مولانا سے میں نے سُنا ہے اور اسی کو میں نے اختیار کیا ہے۔

"تحیۃ الحق" اور "اقتباس الانوار" میں ہے کہ خواجہ ابو احمد بن فرسنافہ حضرت خواجہ ابواسحاق کے قریب ترین اور جلیل القدر شاگردوں میں سے تھے۔ آپ کو قطب ابدال کا درجہ حاصل تھا اور آپ دُنیا میں تصرف کرنے کی طاقت سے بہرہ ور تھے۔ آج تک سلسلہ چشتیہ کے خواجگان میں اکثر ابدال موجود ہیں، جو کرامات اور خوارقِ عادات پر دسترس رکھتے ہیں۔

آپ خاندانِ سادات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سلطنت کے امرار میں سے تھے۔ نسلی اعتبار سے آپ حضرت علیؓ کی اولاد ہیں۔ شجرہ نسب یوں ہے: ابو احمد بن فرسناف بن سید ابراہیم بن سید یحییٰ بن سید حسن مثنیٰ بن امام حسن بن علی المرتضیٰ

رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں آپ کی ایک بہن کا ذکر کیا ہے جو بید نیک تھیں۔ شیخ ابواسحاقؒ ان کے گھر جاتے اور وہیں کھانا کھاتے۔ ایک روز بہن سے کہا "تمہارے بھائی کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور وہ بڑی شان والا ہوگا۔ اس لئے اپنی بھاوج کا خیال رکھیں کہ وہ ایام حمل میں کوئی حرام یا مشتبہ چیز نہ کھا بیٹھے۔ چنانچہ آپ کی یہ نیک بہن اپنے ہاتھ سے رسیاں بنا کر بیچتی۔ اس سے جو آمدن ہوتی اسے اپنے بھائی کے حوالے کرتی کہ ان کے گھر کا خرچ صرف اس حلال آمدن پر چلے۔

معتصم باللہ کے دور میں یعنی ۲۶۰ھ میں خواجہ ابواحمدؒ کی ولادت ہوئی اور اس بچہ کی عظمت کے پیش نظر اس صالحہ بہن نے اپنے گھر پر ہی ان کی پرورش کی۔ خواجہ ابواسحاقؒ کبھی کبھی ان کے گھر جاتے۔ آپ کی بہن نے کہا یہ لڑکا خاندان کو چار چاند لگائے گا۔ آپ عجیب و غریب حالات کا مشاہدہ کرتے۔ جب ابواحمدؒ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو اپنے والد کے ہمراہ شکار کی غرض سے پہاڑی علاقہ میں گئے۔ شکار کے دوران آپ کے والد اور دیگر ساتھی آپ سے بچھڑ گئے۔ آپ پہاڑ پر جا نکلے تو دیکھا کہ چالیس باخدا اشخاص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہیں اور ابواسحاقؒ بھی ان کے درمیان کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ آپ گھوڑے سے نیچے اترے اور شیخ کے قدموں پر گر پڑے۔ گھوڑا و دیگر تمام ساز و سامان چھوڑا اور ان کے ہمراہ چل پڑے آپ کے والد اور ساتھیوں نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔

چند دنوں کے بعد خبر ملی کہ آپ شیخ ابواسحٰقؒ کے ہمراہ پہاڑ کے قریب ایک جگہ پر قیام پذیر ہیں۔ آپ کے والد نے آپکو لانے کے لئے آدمی بھیجے۔ انہوں نے بہت خوشامد کی، بہت لالچ دیا لیکن آپ واپسی پر آمادہ نہ ہوئے۔ چنانچہ آپ نے والد کی سلطنت کو یک قلم چھوڑ دیا۔ حافظ شیرازی نے کہا ہے،

چو بے خود گشت حافظ کے شمارد ۔۔۔ بیک جو مملکت کاؤس و کے را

کہتے ہیں کہ آپ کے والد کا ایک ذاتی شراب خانہ تھا۔ ایک دن آپ کو موقعہ ملا تو

آپ نے اس کے دروازے اندر سے بند کر لئے اور شراب کی بوتلوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے آپ کے والد کو جا کر بتایا کہ آپ کا بیٹا آگیا ہے اور شراب کی بوتلوں کو توڑ رہا ہے۔ والد کو بے حد غصہ آیا۔ اس نے ایک وزنی پتھر روشندان سے بیٹے کی طرف پھینکا لیکن جونہی اس نے پتھر پھینکا، وہ آپ کو لگنے کی بجائے ہوا میں معلق ہو گیا۔ باپ نے یہ صورت دیکھی تو شراب سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔ آپ کے خوارقِ عادات اور امورِ کرامات اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا بالتفصیل ذکر کرنا ناممکن ہے "اقتباس الانوار" اور "تحفۃ الحق" میں ذکر ہے کہ خواجہ ابواسحٰق "آپ کی تربیت کرنے کے بعد روم چلے گئے اور آپ چشت کے قصبہ میں طالبانِ سلوک کی تربیت میں مصروف ہو گئے۔

آپ ۳ جمادی الثانی ۲۶۰ھ میں پیدا ہوئے اور یکم یا ۱۰ جمادی الآخر ۳۵۵ھ میں اس دارالفنا سے ہجرت کر گئے۔ اس طرح آپ کی عمر ۹۵ سال تھی۔ آپ کا مزار مبارک چشت میں ہے۔

---

(۱۲)

الٰہی بحرمتِ شیخ المشائخ حضرت خواجہ

ناصر الحق والدین ابی محمد

ابن احمد چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"شجرۃ الانوار" اور دیگر کتب میں مذکور ہے کہ حضرت خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کا خرقہ اپنے والدِ ماجدؒ سے حاصل ہوا۔ آپ کو علمِ شریعت اور علمِ طریقت میں بیحد دسترس حاصل تھی۔ آپ اکثر اوقات تحیّر کی حالت میں رہتے اور بے شمار ریاضتیں کرتے۔

"سیر الاولیاء" میں مرقوم ہے کہ آپ کی زندگی کا اکثر حصہ تحیّر کی حالت میں بسر ہوا اور سالہا سال تک آپ نے اپنے پہلو کو زمین سے نہ لگنے دیا۔ مجاہدات اور غلبۂ سکر کی وجہ سے نمازِ معکوس ادا کرتے رہے۔ آپ نے اپنے گھر میں کنواں بنا رکھا تھا جس میں اُلٹا لٹک کر عبادت کرتے تھے۔

اسی کتاب میں ہے کہ ایک دن آپ دریائے دجلہ کے کنارے اپنے خرقہ کو پیوند لگانے میں مشغول تھے کہ بادشاہِ وقت کا لڑکا اپنے دیگر معزز رفقاء کے ساتھ وہاں آیا۔ وہ گھوڑے سے اُترا، سیدھا آپ کے پاس آیا اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ آپکی خدمت میں بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ "ملک کے کسی دُور دراز کونے میں اگر کوئی بڑھیا عورت سو رہی ہے تو اس کی حفاظت کرنا بھی بادشاہِ وقت کی ذمہ داری ہے اور اس معاملہ میں قیامت کے دن خدا اس سے باز پُرس فرمائے گا"۔ شہزادے نے آپکی خدمت میں انتہائی قیمتی اور گراں قدر تحفہ پیش کیا، تو آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہمارے خواجگانؒ اس طرح کی اشیاء کبھی قبول نہ فرماتے تھے اور نہ ہی ہمیں ان اشیاء کی کوئی حاجت ہے۔ آپ نے اپنا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھایا اور فرمایا اے مولا! جو چیز تُو نے اپنے بندوں کو دکھلائی ہے اس کی ایک جھلک اس شہزادے کو بھی دکھلا دے۔ اُسی وقت دریائے دجلہ کی

ہزاروں مچھلیاں منہ میں اشرفیاں پکڑے سطح دریا پر نمودار ہوئیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے غیبی خزانوں سے عطا کرتا ہے اس لئے ہمیں تمہارے اس مال و زر کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

"نفحات الانس" میں ہے کہ حضرت خواجہ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے اپنی زندگی کے چوبیس سال علوم دینیہ اور معارفِ طریقت کے حصول میں بسر کئے۔ آپ زہد و تقویٰ کے پابند اور دنیا و اہلِ دنیا سے بعید احتراز فرمایا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ جب ہمارا اوّل و آخر مقصدِ حیات ترکِ دنیا ہے تو پھر ہمیں اس کے جھمیلوں میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

جب محمود بن سبکتگین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سومنات پر حملہ کرنے گئے تو آپ بھی خدا کے الہامی احکام کے تحت ستر سال کی عمر میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ سومنات پہنچ گئے اور وہاں عساکرِ اسلامی کی معیت میں آپ نے مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا۔ دورانِ جنگ ایک روز اسلامی لشکر کو ہزیمت اٹھانا پڑی۔ لشکر آپ کی پناہ میں آیا اور آپ سے مدد کی درخواست کی۔ چشت میں آپ کا ایک عقیدتمند غلام رہتا تھا جس کا نام کوکا تھا۔ وہ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالا کرتا تھا۔ آپ نے آواز دی "کوکا! فوراً پہنچو"۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ اس کوکا نے کفار کے ساتھ سخت جنگ کی حتیٰ کہ لشکرِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے فتح سے نوازا۔ ادھر چشت کے لوگوں نے وہاں چشت میں دیکھا کہ کوکا لوہے کی میخیں دیوار میں ٹھونک رہا ہے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو اس نے تمام تفصیلات بتائی۔

جب سلطان محمود غزنوی نے آپ کی ظاہری اور باطنی امداد کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ آپ کا حلقہ بگوش ہو گیا اور اس کے دل میں آپ کی عقیدت راسخ ہو گئی۔
آپ کا وصال ۴ ربیع الثانی ۴۲۱ھ کو ہوا۔ بعض نے ۴۱۱ھ لکھا ہے۔ بعض کے نزدیک سن مذکور میں رجب کے پہلے عشرہ میں، اور بعض نے جمادی الثانی کا پہلا عشرہ کہا ہے۔
آپ کا مزارِ مبارک چشت میں ہے۔

(۱۴)

اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

ناصر الدین ابی یوسف چشتی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"سیر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ حضرت ابو محمد چشتی رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک اس طرح پہنچتا ہے۔

"خواجہ ناصر الدین بن محمد سمعان بن سید ابراہیم بن سید محمد بن سید حسین بن سید عبد اللہ بن سید علی اکبر بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن امام حسین شہید بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔

مولانا عبد الرحمن جامیؒ نے "نفحات الانس" میں لکھا کہ آپ نے ساٹھ سال کی عمر تک شادی نہ کی۔ آپ کی ہمشیرہ ہی گھر کے کام کاج کرتی تھیں یعنی کھانا پینا اور کپڑے دھونا۔ ہمشیرہ کی عمر اکتالیس سال ہو گئی لیکن بھائی کی خدمت میں اس لگن سے مصروف رہیں کہ شادی کا خیال تک نہ آیا۔ ایک دن آپ نے اپنے والد بزرگوار خواجہ محمدؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ حکم دے رہے ہیں کہ شناہ کے علاقہ میں ایک شخص محمد سمعان ہے۔ اپنی بہن کا نکاح اس شخص سے کر دو۔ چنانچہ حضرت خواجہؒ نے انہیں تلاش کیا اور اپنی ہمشیرہ کی شادی ان سے کر دی۔ بعد ازاں وہ بھی چشت میں ہی قیام پذیر ہو گئے۔ میاں بیوی سے خواجہ ابو یوسفؒ پیدا ہوئے۔

خواجہ ابو محمدؒ نے ہنیٹھ سال کی عمر میں شادی کی۔ اولاد ہوئی مگر کوئی لڑکا بچپن کی حدود کو عبور نہ کر سکا۔ اسلئے آپ خواجہ ابو یوسفؒ کو ہی اپنا بیٹا سمجھتے اور حقیقی والد کا پیار دیتے۔ آپ نے خواجہ ابو یوسفؒ کی بڑی عمدگی اور توجہ سے تربیت کی کہ وہ علوم دینیہ اور سلوک میں ماہر ہو گئے خواجہ ابو محمدؒ کے وصال پر خواجہ ابو یوسفؒ آپ کے جانشین بنے۔

جب آپ کی عمر پچاس سال کی ہوئی تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ جلیل القدر بزرگ حضرت خواجہ مکیؒ کے مزار کی زیارت کی جائے۔ حضرت ابو اسحاق شامیؒ بھی ان کی زیارت کو

جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ وہاں گئے اور زمین دوز چلہ خانہ کھودنا شروع کر لیا جب مزدوروں نے زمین کھودی تو پتہ چلا کہ اسے کھودنا ناممکن ہے کیونکہ وہ سخت اور پتھریلی ہے حضرت خواجہؒ خود اُٹھے اور زمین کو کھودنے لگے حتیٰ کہ نمازِ ظہر تک چلہ خانہ کھود ڈالا۔ آپ نے بارہ سال وہیں گذارے۔ اس دوران آپ پر سُکر کا بے حد غلبہ رہا حتیٰ کہ خادم وضو کے لئے پانی لاتا اور آپ کے ہاتھ پر ڈالتا تو آپ سُکر میں چلے جاتے پھر تھوڑی دیر کے بعد جب صحو میں آتے تو وضو مکمل فرماتے۔

انہی دنوں شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل عبداللہ انصاریؒ بھی اس مزار پر تشریف لائے اور آپ سے ملاقات کی۔ جب آپ وہاں سے ہرات آئے تو اکثر اپنی مجالس میں حضرت عبداللہ انصاریؒ کی تعریف کیا کرتے تھے۔

'تحفۃ الحق' میں ہے کہ دو جن سانپوں کی شکل میں اس چلہ خانہ میں موجود رہتے۔ اگر کوئی شخص عقیدتمندانہ انداز میں داخل ہوتا تو اسے کچھ نقصان نہ پہنچاتے لیکن اگر کوئی بدعقیدہ شخص داخل ہونے لگتا، تو وہ اس پر حملہ آور ہو جاتے۔ وصال کے بعد بھی وہ جن وہیں رہے۔ حتیٰ کہ جب چنگیز خاں وہاں آیا تو وہ غائب ہو گئے۔ آپ کا گھر ابھی تک لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

'سیر الاولیا' میں ہے کہ ایک دفعہ آپ سفر میں تھے۔ راستہ میں دیکھا کہ ایک مسجد کی چار دیواری بنی ہے۔ لوگوں نے اس پر شہتیر رکھنا چاہا مگر وہ چھوٹا نکلا۔ لوگ پریشان تھے کہ اب کیا کیا جائے؟ اسی دوران آپ کا گذر ہوا۔ آپ کو صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ گھوڑے سے نیچے اُترے مسجد کی دیوار پر چڑھے شہتیر کا ایک سرا پکڑ کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا اور اسے اپنی طرف کھینچا، تو وہ شہتیر گز بھر لمبا ہو گیا۔ سیر الاولیاء کا مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ میرے والد سیّد مبارک محمد کرمانیؒ نے فرمایا کہ اس مسجد کو چشت کے قصبہ میں میں نے خود دیکھا ہے وہ اب تک موجود ہے۔

جناب کلیم اللہ جہان آبادیؒ نے مرقع شریف میں لکھا ہے کہ حضرت ابو یوسف چشتی رضی اللہ عنہ کو جوانی کے ایام میں قرآن حفظ نہیں ہوتا تھا ایک رات آپ نے خواب میں

خواجہ ابو محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا "سوتے وقت سو بار سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو۔ اس کی برکت سے حافظِ قرآن بن جاؤ گے۔" چنانچہ آپ نے اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق عمل کیا، تو نہ صرف قرآن مجید حفظ ہو گیا بلکہ اس وظیفہ کی برکت سے آپ روزانہ پانچ بار ختمِ قرآن بھی کر لیا کرتے تھے۔

آپ کی تاریخِ وصال ۳ رجب ۴۵۹ھ ہے۔ آپ کا مزارِ مبارک چشت میں ہے۔ آپ کی کل عمر ۸۴ سال تھی۔ آپ نے خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ کو جو آپ کے بڑے بیٹے تھے، اپنا جانشین نامزد کیا اور انہیں حصولِ علم کی وصیت کی۔ مطلوب الطالبین میں آپ کی تاریخِ وصال ۱۴ ربیع الآخر درج ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۱۴)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

قطب الدین مودود چشتی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قطب: کی قاف اور طا پر پیش ہے۔ قطب کے دو معنی ہیں۔ ایک تو چکی کا وہ لوہا جو چکی کے نچلے پاٹ میں ہوتا ہے اور جس کے گرد چکی کا دوسرا پاٹ گھومتا ہے۔ دوسرے قطب فلکی یعنی وہ ستارہ جو جدا اور فرقدین کے درمیان ہے اور جس پر آسمان گھومتا ہے۔ قوم کا قطب قوم کا سردار اور سربراہ ہے، جس کے گرد پوری قوم متحرک ہے۔ (شرح العربی انگلستان) حضرت خواجہ کو قطب اس لئے کہا جاتا ہے کہ تمام اہل حق اور اصحاب دین آپ کے گرد چکر لگاتے تھے اور آپ کو دین کے معاملہ میں ایک مرکزی مقام حاصل تھا۔

حضرت محمد جعفر مکی جو حضرت شیخ محمود نصیر الدین چراغ دہلوی کے خلیفہ ہیں نے اپنی کتاب بحر المعانی میں لکھا ہے کہ زمانہ کا قطب ہر دور اور ہر زمانہ میں فقط ایک ہی ہوتا ہے جس کے وجود کے سہارے تمام موجودات عالم اور اہل آخرت قائم رہتے ہیں، یہ قطب عالم اللہ تعالیٰ سے براہ راست فیض حاصل کرتا ہے۔ ایسی شخصیت کو قطب عالم اور قطب مدار اور قطب ارشاد بھی کہا جاتا ہے۔ دونوں جہاں کا مدار اور ارشاد اسی پر ہوتا ہے۔ آسمان پر ایسے شخص کو عبداللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

قطب عالم کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ دائیں طرف والے کا نام عبدالملک اور بائیں طرف والے کا نام عبدالرب ہے۔ عبدالملک قطب عالم سے فیض حاصل کر کے پورے عالم کو پہنچاتا ہے۔ اس کا تعلق عالم علوی سے ہے عبدالرب بھی قطب عالم سے فیض حاصل کرتا ہے، لیکن وہ اس فیض سے عالم سفلی کو مستفید کرتا ہے، جب قطب مدار یعنی قطب عالم دنیا سے آخرت کی طرف رحلت کرتا ہے تو عبدالملک اس کا جانشین ہو جاتا ہے اور عبدالرب کو عبدالملک کی جگہ مل جاتی ہے اور ابدالوں میں سے کوئی ایک ابدال عبدالرب کی جگہ سنبھال لیتا ہے۔ قیامت تک یہ سلسلہ قائم و

دائم رہے گا۔

'مطلوب الطالبین' میں ہے کہ پوری دنیا میں کل بارہ قطب ہیں۔ سات اقلیموں میں سات قطب ہیں۔ یعنی ہر اقلیم میں ایک ایک قطب ہے ۔ دوسرے پانچ قطب ولایت میں ہوتے ہیں۔ ولایت کے قطب کو قطب ولایت اور اقلیم کے قطب کو قطب اقلیم کہا جاتا ہے۔ قطب مدار کا فیض اقلیموں کے قطبوں کو پہنچتا ہے اور اقلیموں کے قطبوں کا فیض ولایتوں کے قطبوں کو ملتا ہے ایسے ہی ولایت کے قطبوں کا فیض اولیاء کرام کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری و ساری رہے گا۔

قطب ولایت کو یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ کسی ولی اللہ کو اس کے مقام سے محروم کردے۔ اسی طرح قطب مدار کو یہ قدرت ہے کہ وہ کسی قطب کو اس کے مقام سے معزول کردے۔ قطب مدار کو لوحِ محفوظ کے فیصلوں اور امور کو ردوبدل کرنے کی بھی قوت حاصل ہوتی ہے۔ جب قطب مدار ترقی کرتا ہے تو وہ فردانیت کے مقام پر فائز ہوتا ہے جسے مقامِ تسلیم و رضا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ایسے شخص کی کوئی حاجت اور مراد نامکمل اور تشنہ نہیں رہتی۔

حضرت خواجہؒ کا ابتدائی نام سبحان تھا۔ مودود کا معنی ہے جس کے ساتھ محبت کی جائے اور جو لوگوں کا محبوب ہو سنجر کے بادشاہ آپ سے بے پناہ عقیدت اور محبت رکھتے تھے اور انہیں آپ کی ذات پر بڑا ناز تھا۔

'نفحات الانس' میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے سات سال کی عمر میں ہی نہ صرف یہ کہ قرآن مجید حفظ کرلیا تھا۔ بلکہ قرأت و تجوید کے تمام طریقوں پر بھی دسترس حاصل کرلی تھی۔ پھر آپ علوم دینیہ کے حصول میں مشغول ہوگئے۔ جب آپ کی عمر ۲۶ سال تھی۔ تو آپ کے والدِ ماجد حضرت ابو یوسفؒ کا انتقال ہوگیا۔ اور آپ ان کے جانشین قرار پائے۔ آپ اخلاق حسنہ اور صفاتِ کریمانہ کے مالک تھے۔ آپ کی بزرگی اور حسنِ اخلاق کے پیشِ نظر تمام علاقہ کے لوگ آپ سے محبت کرتے اور آپ کے نیازمند رہتے۔

آپ کو حضرت شیخ احمد جامؒ کی صحبت بھی حاصل رہی جو ایک جلیل القدر بزرگ

اور اہلِ رشد و ہدایت میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے اِن کے اشعار لوگوں میں بےحد شہرت رکھتے تھے۔ جب شیخ احمد جامؒ جام کے علاقہ سے ہرات میں تشریف لائے اور عوام و خواص نے آپ کے حیران کن واقعات اور کرامات دیکھیں تو آپ کے گرویدہ ہو گئے اور مرید بن گئے آپ کی شہرت ہرات کے پورے علاقہ میں پھیل گئی۔ پھر آپ ہرات سے چشت میں مزار مبارک پر آئے۔ وہاں حضرت خواجہ کی شیخ احمد جامؒ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے ان سے باطنی فیض حاصل کیا۔ شیخ احمد جامؒ کی کنیت ابوالنصر احمد بن ابوالحسن ہے۔ آپ جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہٗ کی نسل میں سے ہیں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہٗ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے وصال کے سال ایمان لائے تھے۔

آپ سے روایت ہے کہ میں نے جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں کوئی سوال کیا تو آپ نے اُسے پُورا کیا اور یہ کہ میں نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چہرہ کو متبسّم پایا۔ میں نے جب بھی ملاقات کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں اجازت طلب کی تو آپ نے کبھی نہ روکا اور ہمیشہ ملاقات سے بہرہ ور فرمایا۔ اور میرے اسلام لانے کے بعد جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے میری طرف دیکھا تو تبسّم فرمایا۔ حضرت جریرؓ کا قد کافی لمبا تھا اور خوب صورت تھے حضرت عمر فاروقؓ فرمایا کرتے تھے کہ "اُمّتِ محمّدیہ میں جریر کو وہ حُسن ملا ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں ملا تھا۔"

حضرت شیخ احمد جامؒ اُمّی تھے۔ آپ کی عمر بائیس سال کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیقِ توبہ سے نوازا۔ پھر آپ پہاڑوں پر چلے گئے اور اٹھارہ سال تک مختلف ریاضتوں میں مشغول رہے حتیٰ کہ چالیس برس کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے انہیں علم لدُنی سے نوازا۔ آپ نے علمِ توحید کے موضوع پر تین سو اوراق تصنیف کئے۔ آپ کی پیدائش ۴۴۱ھ اور وفات ۵۳۶ھ میں ہوئی۔ (نفحات الانس)

خواجہ مودود چشتیؒ دورِ شباب میں داخل ہو چکے تھے لیکن انہیں اپنے مشائخ اور بزرگوں کے حالات کا تفصیلی علم حاصل نہیں تھا۔ اسی دوران شیخ جامؒ اس علاقہ میں تشریف لے آئے۔ آپ کے مریدوں نے بتلایا کہ شیخ احمد جام ہمارے زیرِ اثر علاقہ میں

تصرف کر رہے ہیں تو آپ نے عقیدتمندوں کی ایک جماعت شیخ احمد جامؒ کی طرف روانہ کی۔
اُدھر شیخ احمد جامؒ کا دستر خوان بچھ گیا اور کھانا چن دیا گیا مگر شیخ احمد جامؒ نے کہا کہ کھانا شروع نہ کرنا۔ مجھے کچھ قاصدوں کا انتظار ہے۔ چنانچہ کچھ وقت کے بعد خواجہ مودودؒ کے قاصد بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے سلام عرض کیا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد شیخ احمد جامؒ نے پوچھا کہ آپ لوگ کس غرض کے لئے آئے ہو۔ کیا تم اپنے آنے کا مقصد بتلاؤ گے یا میں ہی بتلادوں تو انہوں نے کہا کہ آپ ہی فرما دیجئے۔ آپ نے کہا کہ تمہیں خواجہ مودود نے بھیجا ہے کہ جاکر احمد سے کہو کہ ہماری ولایت اور علاقہ سے چلا جائے ورنہ میں زیادتی کر بیٹھوں گا۔ قاصدوں نے کہا جی ہاں! ہمارے آنے کی یہی غرض ہے۔
آپ نے فرمایا کہ ولایت سے مراد اگر یہاں کے دیہات اور لوگ ہیں تو یہ ولایت اُن لوگوں کی ہوئی نہ کہ خواجہ مودود کی۔ اگر مراد یہاں کی رعایا ہے تو پھر یہ لوگ تو شاہِ سنجر کی رعایا ہیں نہ کہ خواجہ مودود کی۔ اور اگر اِس ولایت سے وہ ولایت مراد ہے جس کا مجھے اور دیگر بزرگانِ دین کو علم ہے تو پھر کل بتلادوں گا کہ ولایت کیا ہوتی ہے اور کیسی ہوتی ہے۔ آپ ابھی یہ بات کر ہی رہے تھے کہ اچانک بہت بڑا بادل نمودار ہوا اور پورا دن اور پوری رات بارش برستی رہی اور بند نہ ہوئی۔
دوسرے دن آپ نے فرمایا کہ سامان تیار کرو تاکہ سفر جاری کریں۔ آپ کے ساتھیوں نے کہا کہ سفر کا یہ موقعہ نہیں مسلسل بارش برس رہی ہے۔ اس حالت میں تو کوئی ملاح بھی ہمیں کشتی پر پار لے جانے پر آمادہ نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ آج میں ملاح بنوں گا۔ چنانچہ آپ رفقاء کے ہمراہ چل پڑے۔ جب صحرا میں سے گزر کر دریا کے کنارے پہنچے تو دیکھا کہ دریا پورے جوبن پر ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر معرفت کی باتیں اس دلنشیں انداز میں شروع کر دیں کہ تمام ساتھی حیران رہ گئے۔ آپ نے رفقاء کو حکم دیا کہ تم سب اپنی آنکھیں بند کر لو اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تین بار پڑھ کر آنکھیں کھولو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب اُنہوں نے آنکھیں کھولیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ تمام لوگ دریا کے دوسرے کنارے کھڑے ہیں اور کسی ایک شخص کا بھی پاؤں تر نہیں ہوا۔

جب ان قاصدوں نے یہ دیکھا تو فوراً خواجہ مودودؒ کی خدمت میں چل پڑے۔ وہاں اس حیران کن واقعہ کی تمام تفصیلات ان کے گوش گزار کیں۔ یہ حیران کن واقعہ سُن کر خواجہ مودودؒ شیخ احمد جامؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے کہا کہ مجھے معاف فرمادیں میں آپ کے درجہ سے ناآشنا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ پہلے خلوص سے توبہ کرو پھر یہ مصلیٰ لپیٹ کر کسی کونہ میں رکھ دو اور علمِ دین حاصل کرو کیونکہ علم کے بغیر زاہد بے کار شے ہے۔ جب حصولِ علم سے فارغ ہوجاؤ تو اپنے خاندان کا نام زندہ کرنا۔ کیونکہ تمہارے آباؤ اجداد بے حد نیک اور اصحابِ کرامت تھے۔ شیخ مودود نے کہا کہ حضرت اگر آپ کو میرے خاندان کا نام روشن کرنا مقصود ہے تو پھر آپ چند روز کے لئے یہاں قیام فرمائیں تاکہ آپ کی برکت سے یہ مقصدِ عظیم حاصل ہو جائے۔ شیخ احمد جامؒ نے کہا میرے قریب آؤ جب آپ قریب ہوئے تو ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے سرہانے بٹھایا اور تین بار کہا علم حاصل کرو۔ پھر تین دن تک وہیں قیام کیا۔ باطنی فوائد سے بہرہ ور ہوئے اور پھر کچھ عرصہ کے لئے حصولِ علم اور تکمیلِ معرفت میں مصروف ہوگئے۔ بلخ اور بخارا گئے وہاں دو چار سال قیام کیا۔ آپ جہاں کہیں بھی گئے وہاں کے لوگوں نے آپ کے ہاتھوں بے شمار کرامات مشاہدہ کیں۔ آخر چشت میں لوٹ آئے اور مریدوں کی تربیت میں مشغول ہوگئے۔ یہاں چاروں اطراف سے لوگوں کی آمد جاری رہتی۔ جو عقیدتمندانہ انداز میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ آپ کے دل میں خانہ کعبہ کی زیارت کا شوق پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ اُٹھا کر ان کے سامنے کر دو۔ چنانچہ فرشتوں نے تعمیل کی اور آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا نیز مقام ابراہیم پر نماز ادا کی۔ اس کے بعد بیت اللہ کو دوبارہ اپنی اصلی جگہ پر منتقل کر دیا گیا۔

حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری رضؓ نے اپنی تصنیف 'دلیل العارفین' میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ خواجہ عثمان ہارون رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک دن خواجہ مودود چشتی رضی اللہ عنہ نے عقیدتمندوں کی ایک مجلس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا کے ارد گرد کوہ قاف پیدا فرمایا جو زمرد کا بنا ہوا ہے۔ یہ جو آسمان نیلگوں

رنگ نظر آتا ہے یہ دراصل اس پہاڑ کے عکس کے آسمان پر منعطف ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس کوہ قاف پر ایک فرشتہ متعین ہے، جس کا نام قدقائل ہے۔ پہاڑ کی طنابیں اسی فرشتہ کے ہاتھ میں ہیں وہ جب چاہتا ہے اس کے کسی ایک پہلو کو حرکت دیتا ہے اور جب زمین کو کھینچتا ہے تو زمین کے تمام چشمے خشک ہو جاتے ہیں اور نباتات خشک ہو جاتی ہیں۔ یہ جو زمین پر زلزلے آتے ہیں یہ درحقیقت اسی فرشتہ کے ہلانے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں۔ پھر اس کوہ قاف کے عقب میں چالیس ایسی دُنیائیں ہیں جو ہماری دُنیا سے قطعی مختلف ہیں۔ ان دنیاؤں کے چار سو اقسام ہیں اور ہر قسم ہماری دُنیا سے چار گنا بڑی ہے۔ اُن دنیاؤں میں اُجالا ہی اُجالا ہے اور تاریکی کا نام و نشان نہیں ہے۔ وہاں فرشتے رہتے ہیں۔ وہاں نہ تو کوئی آدمی ہے، نہ ابلیس، نہ وہاں بہشت ہے اور نہ دوزخ۔ ان چالیس جہانوں کے عقب میں بے شمار حجابات ہیں۔ ان حجابات سے پرے کی دُنیا کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کوہ قاف کو گائے کے دو سینگوں کے درمیان رکھ دیا ہے۔ وہ گائے اتنی لمبی چوڑی ہے کہ آدمی تیس سال تک چلتا رہے تو کہیں جا کر اس کے طول کی انتہا کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ گائے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک سانپ پیدا فرما رکھا ہے جو ساتویں زمین کے اوپر رہتا ہے اور اس کے منہ میں خدا نے دوزخ کو رکھا ہوا ہے۔

خواجہ مودود چشتیؒ کی اس مجلس میں ایک عقیدتمند بیٹھا تھا۔ اس نے بظاہر تو آپ کے فرمودات کا انکار نہ کیا لیکن اس کے دل میں ہلکا سا شک پیدا ہوا کہ بھلا یہ تمام باتیں کیسے ممکن ہیں۔ حضرت خواجہ مودودؒ نے مراقبہ کیا تو حضرت خواجہ اور وہ عقیدتمند دونوں اس مجلس سے غائب ہو گئے اور کافی دیر بعد پھر اسی مجلس میں آ گئے۔ واپسی پر اس درویش نے فرمایا کہ میرے دل میں شک پیدا ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے ساتھ لے جا کر ان چالیس دنیاؤں کا مشاہدہ کرایا تاکہ مجھے آپ کی باتوں پر جو شک گزرا ہے، وُہ دُور ہو جائے۔ چنانچہ اب میرا شک و شبہ دُور ہو گیا ہے۔

جامع السلاسل کے مصنف نے لکھا ہے کہ جب وجد و مراقبہ کی حالت میں حضرت خواجہؒ نظروں سے اوجھل ہو کر بہت دیر بعد تشریف لائے تو آپ کے ایک درویش نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ مجلس سے کس طرح اور کس طاقت کے بل پر غائب ہو گئے تھے ؟ آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے اللہ کے حکم کے بغیر منکشف نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرے دن اللہ تعالیٰ کی اجازت حاصل کرنے کے بعد آپ نے اس راز سے یوں پردہ اٹھایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک مقام ہے جس کا نام نورِ اسود ہے۔ اس مقام پر کوئی سالک سماع سُنے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ سماع سُنتے ہی ایک خاص حالت طاری ہو جاتی ہے اور اس حالت میں سالک لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ وہ غائب ہو گیا۔ لیکن درحقیقت وہ وہیں موجود ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عارضی طور پر اپنا لباس پہنا دیتے ہیں۔ چنانچہ جس طرح سورج کے بالمقابل ستارے نظر نہیں آتے ایسے ہی وہ بھی نظر نہیں آتا۔ اس طرح کا عارف باللہ شخص حالتِ سماع میں محبوبِ حقیقی کے علاوہ کسی اور چیز کو نہیں پاتا بلکہ اس کی ذات میں مستغرق رہتا ہے۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ وجد کے عالم میں جب خواجہ مودودؒ فضا میں دیکھتے رہتے تھے تو اس وقت آپ پر طرح طرح کے حالات وارد ہوتے۔ کبھی آپ ہنسنے لگتے اور کبھی رونے لگتے۔ کبھی آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد پڑ جاتا۔ ایک دن آپ کے ایک درویش نے اِن حالات کی گوناگونی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب مجھے اللہ تعالیٰ کا جمال نظر آتا ہے تو میرے چہرہ پر مسکراہٹ پھیل جاتی ہے اور جب میں اسے جلال کے رنگ میں دیکھتا ہوں تو میں گریہ شروع کر دیتا ہوں۔

سماع :- شاہ محمد اکرم صابریؒ نے سماع کی پانچ قسمیں بتلائی ہیں۔

اوّل :- ابتداً سماع کی حالت میں صوفی کو اس قدر بے چینی اور اضطراب لاحق ہوتا

ہے کہ وہ ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے لگتا ہے۔ لیکن اسے چنداں معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

دوم :- جب سماع عروج پر ہو تو صوفی بے حس و حرکت ہو جاتا ہے اور یہ حالت عزیز ترین حالت ہے۔ تاہم اس کا تعلق بھی مبتدیوں سے ہے پختہ لوگوں کی یہ حالت نہیں ہوا کرتی۔

سوم :- صوفی اپنے مثالی جسم کو جو فانی نہیں ہوتا رقص میں دیکھتا ہے تو اس مثالی جسم کی اتباع میں رقص کرنے لگتا ہے اور جب تک وہ اپنے مثالی جسم کو ساکن نہ دیکھ لے اُسے سکون نہیں آتا بلکہ رقص میں مصروف رہتا ہے۔

چہارم :- یہ سابقہ تینوں حالتوں سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ کیونکہ اس حالت میں صوفی روحِ اعظم کے مشاہدہ میں غرق ہو جاتا ہے اور اس کی پیروی میں رقص کرنے لگتا ہے۔ عام طور پر اس حالت میں وہ جسم ظاہری سے الگ ہو کر صرف روح کی شکل میں ہوتا ہے اور لوگوں کو اس کی شکل بڑی ہیبت ناک دکھائی دیتی ہے۔

پنجم :- محبوب حقیقی سے وصال یا جدائی کے مختلف حالات کی وجہ سے اس کی حالت لمحہ بہ لمحہ متبدّل اور متغیّر رہتی ہے۔ کبھی وہ رونے لگتا ہے اور کبھی ہنسنے، اور یہ حالتیں لحظہ بہ لحظہ بدلتی رہتی ہیں۔

گر از استغنا، وگر از مہربانی مے کشد
خوب می داند رہِ عاشق کُشی دِلدارِ ما

سلوک کی بعض کتب میں ہے کہ صوفی جب حال میں ہو تو اس کا رنگ خاکستری مائل، آنکھوں کا رنگ سفید اور چہرہ پر حیرانی چھا جائے تو یہ شیطانی مزاحمت ہوتی ہے جس سے بچنا چاہیئے۔ ایسی حالت والا شخص جب صوفیاء کی مجلس میں آنا چاہتا ہے تو اسے اُس مجلس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ملتی۔

"سیر الاولیاء" میں ذکر ہے کہ جب خواجہ مودود چشتیؒ بیمار ہوئے اور ان کی حالت نازک ہو گئی تو ایک نہایت بارعب شخص آیا اور آپ کی خدمت میں بیٹھ گیا۔ اس شخص نے ایک کاغذ آپ کے حوالے کیا جس پر کچھ لکھا تھا۔ آپ نے اس کا مطالعہ کیا، بوسہ

دے کر آنکھوں پر لگایا اور جان دیدی۔

جب آپ کی تجہیز و تکفین مکمل ہوئی اور آپ کے تابوت کو اُٹھایا جانے لگا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ باوجود سعی بسیار کے آپ کا تابوت نہیں اُٹھ رہا تھا۔ اسی دوران میں ایک خوفناک آواز آئی۔ آپ کے رفقاء ڈر کر تابوت سے دُور دُور ہو گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ غیب سے کچھ لوگ آئے انہوں نے نماز جنازہ ادا کی اور غائب ہو گئے۔ پھر تمام لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی اور دیکھا کہ تابوت خود بخود فضا میں تیرتا ہوا قبرستان کی طرف جا رہا ہے۔ اور جس جگہ حضرت خضرؑ نے قیام کیا تھا وہاں اتر گیا یہ دیکھ کر ہزاروں ہندو اپنے زنّار توڑ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔

آپ کا وصال رجب ۵۲۷ھ میں ہوا۔ اپنے بزرگوں کے قریب چشت میں ہی دفن کئے گئے۔ آپ کی عمر ۹۷ سال تھی۔

(۱۵)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

مخدوم حاجی شریف زندنی چشتی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

'مخدوم' وہ شخص جس کی خدمت کی جائے۔

'شریف' بزرگوار۔ بلند۔

"زندنہ" بخارا کے نواح میں ایک شہر کا نام۔

فخری نے 'شجرۃ الانوار' میں لکھا ہے کہ خواجہ شریف زندنیؒ حضرت خواجہ مودود چشتیؒ کے خلیفۂ اعظم اور جانشین تھے۔ آپ نے اپنی عمر کے چالیس سال گم نامی اور تجرد میں بسر کئے۔ اس عرصہ میں آپ صحراؤں میں عبادت میں معروف رہے۔ اور اکثر اوقات درختوں کے پتے کھا کر گذارا کیا۔ آپ لوگوں سے میل جول پسند نہ کرتے تھے۔ فاقہ کشی کی نوبت آتی تو شکرانہ کی سو رکعت نماز ادا کرتے۔

زیارت کی غرض سے جو شخص آتا آپ کا خادم اس پر واضح کر دیتا کہ حضرت کی خدمت میں دُنیا کا قطعاً ذکر نہ کرنا، ورنہ زیارت سے محروم رہنا پڑے گا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کی خدمت میں کثیر رقم بطور نذرانہ پیش کی۔ آپ نے فرمایا "بندۂ خدا! تمہیں ہم درویشوں سے کیا دشمنی ہے کہ خدا کی ایک دشمن چیز کو ہمارے پاس لے آئے ہو۔ اس لئے فوراً مجلس سے اُٹھو اور اس رقم کو لے جاؤ۔ ہمیں اس دولت کی ضرورت نہیں ہمیں خدا کے غیبی خزانہ سے اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ اس دولت کی حاجت باقی نہیں رہتی۔" اس شخص نے ملحقہ صحرا کی طرف نظر کی تو دیکھا کہ پورا صحرا سونے سے بھرا پڑا ہے۔ وہ حیران رہ گیا۔ آپ کو نمائش پسند نہ تھی مگر اس کرامت کے اظہار سے مدعا یہ تھا کہ آئندہ کسی شخص کو جرأت نہ ہو کہ آپ کی خدمت میں دولت پیش کرے۔

'سیر الاولیاء' میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے سلطان سنجر کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔ سلطان سنجر نے کہا کہ میں مرنے

کے بعد اللہ کے دربار میں پیش کیا گیا میری تمام نیکیاں اور بُرائیاں میرے سامنے لائی گیئں۔ فرشتوں کو حکم ہُوا کہ مجھے جہنم میں پھینک دیں۔ پھر فرمایا نہیں اس شخص نے فلاں روز دمشق میں حاجی شریف زندنی کی زیارت کی تھی اس لئے اسے معاف کرتا ہوں۔

آپ کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔ آپ کا وصال ۳ یا ۶ یا ۱۰ یا ۱۳ رجب کو ہُوا۔ آپ کے مزارِ مبارک کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ کے وطنِ مالوف زندنہ میں ہے اور بعض کا خیال ہے کہ شام میں ہے اور زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔

۱۹

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حضرت خواجہ

مقتدائے اہلِ عرفان خواجہ عثمان ہارونی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان ہارونی، حضرت حاجی شریف کے کامل ترین خلفاء میں سے تھے۔ آپ کا وطن خراسان میں فرغانہ کے نواح میں واقعہ موضع ہارون تھا۔

مولوی محمد گھلوی نے "خیر الاذکار" میں لکھا ہے کہ ہارون کے واؤ پر زبر ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ آپ کی ولادت عراق میں نیشا پور کے نواح میں ہوئی۔

مَیں نے حضرت قبلۂ عالم و عالمیان خواجہ نور محمد رضی اللہ عنہٗ سے سُنا ہے کہ ہارون کی را پر پیش اور واؤ پر جزم پڑھنا غلط ہے۔ "اخبار الاخیار" میں بھی ہارون کی را پر پیش پڑھنا غلط قرار دیا گیا ہے۔

آپ اکثر سفر میں ہی رہے اور تجرّد و تنہائی کی زندگی بسر کی۔ زیادہ وقت بزرگانِ دین کی مجلس میں گذرا۔ حضرت خواجہ مودود چشتی کی صحبت سے بھی فیض پایا۔

"سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مَیں ایک بار خواجہ عثمان ہارونی کی معیّت میں سفر میں تھا، راستہ میں دریا آیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ اپنی آنکھیں بند کر لوں۔ مَیں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا آنکھیں کھول لو۔ مَیں نے دیکھا کہ مَیں آپ کے ساتھ دریا کے دوسرے کنارے پر کھڑا ہوں۔ مَیں نے دریافت کیا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں نے پانچ (۵) بار سورۃ فاتحہ پڑھی، تو اس کی برکت سے یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا۔"

ایک مرتبہ ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ چالیس سال سے میرا لڑکا گم ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ میرے حق میں دُعا فرمائیں۔ حضرت خواجہؒ نے مراقبہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد سر اُٹھایا۔ حاضرین سے فرمایا اس نیّت کے ساتھ سورۃ فاتحہ پڑھو کہ اس شخص کا لڑکا واپس آجائے۔ چنانچہ

ایسے ہی کیا گیا۔ آپ نے اس شخص کو فرمایا کہ تم گھر جاؤ اُمید ہے کہ لڑکا گھر پہنچ گیا ہوگا۔ وہ گھر گیا تو واقعی لڑکا گھر پہنچ چکا تھا۔ وہ شخص بیٹے کو پا کر بے حد خوش ہُوا۔ فوراً لڑکے کو حضرتؒ کی خدمت میں لایا آپ نے لڑکے سے گم شدگی کی تفصیلات دریافت کیں۔ اس نے کہا مجھے جن اٹھا کر دریائے محیط کے ایک جزیرہ میں لے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے میرے گلے میں طوق اور میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں تھیں۔ مَیں قید رہا۔ آج مَیں نے حضرتِ خواجہ کی صورت ایسا ایک شخص وہاں دیکھا۔ اس نے مجھ پر نگاہ ڈالی تو میری زنجیریں خود بخود کٹ کر گر گئیں۔ پھر اس شخص نے مجھے بازو سے پکڑ کر میرے گھر پہنچا دیا۔

حضرت خواجہ بزرگ معین الدینؒ فرماتے ہیں کہ میرے پڑوس میں میرے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کا ایک خادم رہا کرتا تھا۔ وہ فوت ہو گیا۔ مَیں اس کے جنازہ کے ہمراہ گیا۔ جب اسے قبر میں دفن کر دیا گیا تو لوگ واپس آ گئے، مگر مَیں وہاں ہی ٹھہر گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے آ گئے اور انہوں نے اس شخص کو عذاب دینا شروع کر دیا۔ اسی حالت میں مَیں نے حضرت خواجہ عثمانؒ کو دیکھا۔ آپ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو عذاب نہ دو کہ یہ میرے مریدوں میں سے تھا۔ فرشتوں کو اللہ کی طرف سے پیغام ملا کہ خواجہ صاحب کو کہو کہ یہ شخص درحقیقت آپ کا مخالف تھا۔ اس لئے اسے سزا دی جا رہی ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ خواہ کچھ بھی ہو، یہ منسوب تو میری طرف ہی تھا۔ وہ شخص جو میرے دامن سے وابستہ ہو گیا ہو، اس پر اگر عذاب نازل ہو تو مجھے شرم آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے عذاب دُور کر دیا اور اس کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔

'تحیۃ الحق' اور 'شجرۃ الانوار' میں منقول ہے۔ کہ آپ نے ایک دفعہ بڑا آتشکدہ دیکھا۔ وہاں آگ کی پوجا ہو رہی تھی۔ آپ نے ایک آتش پرست کو فرمایا، صرف ایک خدا کی عبادت کیا کرو، جو اس آگ کا خالق ہے۔ اس آگ کی پوجا کا تمہیں کیا فائدہ؟ اس نے کہا اسکے مذہب میں یہ مقدس چیز ہے۔ آپ نے فرمایا کیا یہ آگ تمہیں جلاتی

نہیں ؟ اس شخص نے کہا کہ آخر یہ آگ ہے۔ آگ کا کام تو جلانا ہے۔ بھلا ایسا کون شخص ہے جسے آگ نہ جلائے؟ آپ نے اس شخص کے ایک چھوٹے لڑکے کو اٹھا کر گود میں لیا اور " قُلْنَا یَا نَارُ کُونِی بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ " پڑھ کر آگ میں کود گئے۔ آگ میں پورا ایک پہر رہے۔ اس دوران میں ہزاروں کفار آگ کے گرد جمع ہو گئے۔ جب آپ آگ سے باہر نکلے تو آگ نے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا۔ لوگوں نے اس بچے سے تفصیل پوچھی تو اس نے بتلایا کہ جب میں آگ میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا باغ ہے۔ آپ کی یہ کرامت دیکھ کر وہ شخص اپنے بیٹے اور دیگر لوگوں کے ہمراہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا حضرت نے لڑکے کا نام ابراہیم اور باپ کا نام عبداللہ رکھا اور توجہ ظاہری اور باطنی سے ولایت کا مقام عطا فرمایا۔

"فوائد السالکین" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے خادموں میں ایک شخص کا نام برہان الدین تھا ایک دن اس نے آکر عرض کی کہ حضرت میں اپنے پڑوسی سے سخت تنگ اور پریشان ہوں اس نے اپنا مکان اتنا اونچا بنا لیا ہے۔ کہ جب بھی کوئی اس کے بالاخانہ پر چڑھتا ہے تو میرے گھر کی بے پردگی ہوتی ہے میں نے کئی بار اسے منع کیا، لیکن وہ باز نہیں آتا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا اس پڑوسی کو معلوم نہیں کہ تم میرے خادموں میں سے ہو۔ اس نے کہا کہ حضرت اسے خوب معلوم ہے کہ میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر بڑی تعجب کی بات ہے کہ وہ بالاخانہ سے گر کیوں نہیں پڑتا اور اس کی گردن کیوں نہیں ٹوٹ جاتی۔ ابھی نصف دن ہی گذرا ہو گا کہ لوگوں نے بتلایا وہ پڑوسی بالاخانہ سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا۔

"گنج الاسرار" میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آپ حضرت خواجہ معین الدین رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ لیکن واقعات اور تاریخی لحاظ سے یہ خیال غلط ہے۔ صحیح واقعہ یوں ہے کہ حضرت خواجہ عثمان رضی اللہ عنہ طویل سفر کے بعد مکہ تشریف لے گئے۔ آپ نے بیت اللہ میں اعتکاف کیا۔ اور وہیں آپ ۵ یا

۶ یا ۱۶ شوال ۶۰۷ھ میں جنت الفردوس کی طرف رحلت کر گئے، مکۂ مکرمہ میں ہی آپ کی تدفین ہوئی اور وہیں آپ کا مزار زیارت گاہِ عالم بنا۔

(۱۷)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ قطب العارفین سند الموحدین،
خواجہ بزرگ، غریب نواز، حضرت خواجہ

معین الدین حسن سنجری ثم اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا شجرۂ نسب سادات حسینیہ سے ملتا ہے جو یوں ہے: معین الدین چشتیؒ بن سید غیاث الدین حسنؒ بن سید احمد حسنؒ بن سید طاہرؒ بن سید عبدالعزیزؒ بن سید ابراہیمؒ بن امام علی رضاؓ بن امام موسیٰ کاظمؓ بن امام جعفر صادقؓ بن امام محمد باقرؓ بن امام زین العابدینؓ بن امام حسین شہیدؓ بن علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ کی ولادت سجستان جسے سیستان بھی کہتے ہیں، کے نواح میں قصبہ سنجر میں ہوئی مگر نشوونما خراسان میں ہوئی۔

"سیر العارفین" میں درج ہے کہ جب آپ کی عمر پندرہ سال ہوئی تو آپ کے والدِ گرامی وفات پا گئے۔ وہ بے حد امیر اور ایک لمبے چوڑے باغ کے مالک تھے۔ والد صاحب کی یہ تمام جائیداد آپ کے قبضہ میں آئی۔

ایک دن آپ اپنے موروثی باغ میں بیٹھے تھے۔ کہ خواجہ ابراہیم مجذوبؒ کا وہاں سے گذر ہوا، جو کامل ترین ولی اللہ تھے۔ آپ ان کی تعظیم کے لئے اٹھے بڑی تواضع کے ساتھ انہیں بٹھایا اور اپنے باغ سے انگور کے کچھ خوشے چن کر ایک پلیٹ میں رکھ کر ان کی خدمت میں پیش کئے۔ خواجہ مجذوبؒ نے انگور خوشی سے تناول کئے۔ پھر انہوں نے اپنی بغل میں سے غذا کا ایک ٹکڑا نکالا اور آپ کو دیا۔ اس ٹکڑے پر انہوں نے اپنا لعاب دہن بھی لگا دیا۔ مذکورہ ٹکڑا کھاتے ہی خواجہ بزرگؒ کا باطن روشن ہو گیا اور دنیاوی جائیداد سے دل اچاٹ ہو گیا۔ چنانچہ آپ نے وہ باغ غربا میں تقسیم کر دیا اور خود سفر پر روانہ ہو گئے۔ بخارا اور پھر سمرقند پہنچے تو وہاں قرآن پاک حفظ کیا اور علوم دینیہ حاصل کئے۔ جب آپ نے محسوس کیا کہ دل کو اطمینان حاصل نہیں ہو رہا تو آپ نیشاپور کے نواح میں ہاروں قصبہ میں آئے اور حضرت

خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں رہنے لگے۔

'انیس الارواح' جو آپ کی تصنیف کردہ کتاب ہے، میں درج ہے، آپ فرماتے ہیں: "جب میں طویل سفر کے بعد بغداد پہنچا تو میں نے خواجہ عثمان ہارونیؒ کو خواجہ جنید بغدادیؒ کی مسجد میں موجود پایا۔ میں فوراً آپ کے دامن سے وابستہ ہوگیا اور بیعت کر لی۔ حضرت خواجہؒ نے بیعت لینے کے بعد میرے سر کے بال قینچی سے کاٹ دیئے، اپنی ٹوپی اتار کر میرے سر پر رکھ دی اور جو کچھ آپ نے عطا کرنا تھا اسی وقت عطا کر دیا۔ پھر فرمایا "تمہیں چند دن میرے پاس رہنا ہوگا۔" چنانچہ میں آپ کی خدمت میں رہنے لگا۔

اسی دوران میں خواجہ عثمان ہارونیؒ سفر حج پر روانہ ہوئے تو میں بھی ہمراہ تھا۔ جب آپ خانۂ کعبہ کی زیارت سے فارغ ہوئے تو آپ نے میرا بازو پکڑا اور فرمایا کہ "اے اللہ یہ شخص میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔" غیب سے آواز آئی "ہم نے معین الدین کو قبول کر لیا ہے!" پھر آپ مدینہ منورہ آئے۔ روضۂ اطہر پر سلام عرض کیا تو اندر سے آواز آئی "وعلیک السلام یا قطب المشائخ!" جب آپ نے یہ آواز سنی تو آپ نے مجھے فرمایا کہ "اب جاؤ تم کمالات باطنیہ کے مالک بن گئے ہو لیکن میں بیس سال تک حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں رہا۔ کوزہ، مصلیٰ اور بستر کا انتظام میرے سپرد تھا۔ پھر جب آپ واپس بغداد تشریف لائے تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مجھے اہل ہند کی تبلیغ اور ہدایت کے لئے بھیج دیا اور خود بغداد میں تخلیہ کی زندگی بسر کرنے لگے۔

'تحیۃ الحق' اور 'شجرۃ الانوار' میں ہے کہ حضرت خواجہ بزرگؒ کی بعض تصانیف میں یہ لکھا دیکھا ہے کہ "جب میرا دور تربیت مکمل ہوگیا تو میرے شیخ و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے عالم غیب میں میری روح کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کی خدمت میں حاضر کیا۔ اور عرض کی کہ یہ نوجوان خلافت کا اہل ہے۔ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باطنی طور پر مجھے اپنا خلیفہ نامزد فرما دیا۔ اور فرمایا کہ "اے معین الدین میں نے انہیں باطنی مشاغل کے طفیل جسمانی معراج پایا تھا۔ اگر تم ان مشاغل کو جاری رکھو گے تو درجہ کمال پر پہنچ کر روحانی معراج حاصل کر سکو گے۔"

ملفوظات بلکہ کئی دیگر کتبِ تاریخ میں ہے کہ جناب سید الکونین، رسول الثقلین، رحمۃ العالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری اور اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت کے بعد آپ لاہور تشریف لائے اور پھر یہاں سے دہلی کا رُخ کیا۔
اُس وقت دہلی رائے پتھورا چوہان کے زیرِ نگیں تھی۔ یہ شخص سخت متعصب ہندو تھا۔ اگر راستہ میں اتفاقاً اس کی نظر کسی مسلمان پر پڑ جاتی تو وہ اسے گناہِ عظیم قرار دیتا اور پھر اس گناہ کے بدلے میں یا تو کچھ رقم خیرات کرتا یا اُس مسلمان کو قتل کر دیتا۔
آپ چالیس درویشوں کے ہمراہ دہلی پہنچے تو جہاں رشید مکی" کی قبر واقع ہے، وہاں قیام کیا۔ آپ وہاں کھلم کھلا نماز ادا کرتے۔ ہندو آپ کو دیکھتے اور جلتے۔ کئی بار انہوں نے آپ کے خدام کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا۔ لیکن جونہی یہ ارادہ کرتے ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا اور طاقت سلب ہو جاتی۔
ایک دن ایک طاقت ور ہندو پہلوان بغل میں چھری چھپا کر بُری نیت سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے نورِ باطن سے اس چھری کو دیکھ لیا۔ فرمایا "جس نیت سے آئے ہو اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اور چھری استعمال کیوں نہیں کرتے؟"
آپ کے کلمات سُن کر وہ شخص لرزہ بر اندام ہوا اور آپ کے قدموں میں گر پڑا۔ توبہ کی اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد فرداً فرداً ہندو حاضرِ خدمت ہوتے اور اسلام قبول کرتے رہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک مندر میں تشریف لے گئے اس وقت سات ہندو بتوں کی عبادت میں مصروف تھے آپ کے وہاں پہنچنے پر ان تمام کی قوت سلب ہو گئی۔ اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔
حضرت خواجہؒ ان ساتوں کو حمید الدین کے نام سے پکارتے۔ ان میں سے اکثر ناگور میں تھے۔ جبکہ ایک دہلی میں اور دوسرے دیگر علاقوں میں۔ جب آپ دہلی میں تھے تو لوگ بکثرت آپ کی خدمت میں آنا شروع ہوئے اور بھیڑ ہونے لگی۔ آپکو یہ ناگوار گزرا۔ اس لئے آپ وہاں سے اجمیر تشریف لے گئے۔ ان دنوں میں

رائے پتھورا بھی اکثر اوقات اجمیر جایا کرتا تھا۔ جب اس نے آپ کو اجمیر میں دیکھا اور آپ کی بے شمار کرامات کا مشاہدہ کیا تو بے حد حیران ہوا۔ لیکن حالات کے پیشِ نظر

اس نے زبان سے کوئی لفظ نہ کہا۔ یہ ضرور ہوا کہ اس نے دل برداشتہ ہو کر اپنی حکومت ختم کر لی۔

آپ جب اجمیر میں قیام پذیر تھے تو وہاں بے شمار مندر تھے۔ آپ فرمایا کرتے کہ انشاء اللہ ایک دن یہ تمام مندر منہدم ہو جائیں گے۔ ان مندروں میں ایک بہت بڑا مندر تھا جس کی صفائی اور زیبائش کا ہندو بے حد اہتمام کیا کرتے تھے۔ رائے پتھورا بھی اس مندر میں پوجا پاٹ کے لئے آتا اور اس مندر کیلئے حد احترام کرتا۔ اس مندر کے لئے تمام زمینداروں سے بطور ٹیکس رقم وصول کی جاتی۔ جب آپ نے وہاں سکونت اختیار کی تو آپ کے خدام روزانہ ایک خوب فربہ گائے لاتے اور ذبح کر کے کھاتے۔ ہندوؤں نے دیکھا تو سیخ پا ہونے لگے اور انہوں نے ہتھیار لاٹھیاں اور پتھر لیکر خواجہ صاحبؒ پر حملہ کر کے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جب یہ ہندو جمع ہوئے، تو آپ نماز میں مشغول تھے۔ خادموں نے یہ حالت دیکھی تو ڈر گئے، آپ کو صورتِ حال سے مطلع کیا۔ آپ نے زمین سے مٹھی بھر خاک لی اور اس پر آیت الکرسی کا دم کر کے ہندوؤں کی طرف پھینکا۔ یہ خاک تمام حملہ آوروں تک پہنچی تو ان کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور پھر بے حس و حرکت ہو گئے۔ دوسرے بھاگ گئے اور جا کر اپنے پنڈت کو صورتِ حال کی اطلاع دی۔ اس پنڈت نے کہا کہ یہ شخص ایک جلیل القدر ولی ہے اور دینِ اسلام میں اسے ایک بلند ترین مقام حاصل ہے۔ میں جادو کے سوا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں نے اس پنڈت سے جادو سیکھنا شروع کر دیا۔ اس پنڈت نے انہیں بتلایا کہ تم اگر جادو کے یہ اعمال اور منتر شروع کر دو، تو مجھے امید ہے کہ یہ شخص یہاں سے بھاگ جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے اپنے پنڈت کو اپنا راہ نما بنایا اور حضرتِ والا کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر پنڈت کے پیچھے کھڑے ہو کر ان لوگوں نے جادو منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ آپ کے خدام نے آپکو بتلایا کہ ہندو منتر پڑھنے میں مصروف ہیں۔ آپ نے خدام کو تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ان لوگوں کا جادو آپ پر کبھی بھی نہیں چلے گا۔ بلکہ

ان کا پنڈت تمہارے قدموں میں آگرے گا۔ یہ فرمایا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ وہ ہندو منتر پڑھتے ہوئے آگے بڑھتے آئے۔ لیکن جونہی ان کی نگاہ آپ پر پڑی تو وہ بولنے سے محروم ہو گئے اور جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔ آپ بھی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے ان پر نگاہ ڈالی۔ پنڈت نے جب آپ کا ایمانی جمال دیکھا، تو حاضر خدمت ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اس صورتِ حال میں ہندوؤں نے اپنے پنڈت کو سمجھانا شروع کر دیا۔ لیکن بجائے اس کے کہ اس پر اثر ہوتا، اُلٹا وہ ان پر غضبناک ہُوا اور وہ لاٹھیاں اور ہتھیار جو ہمراہ لایا تھا، ان ہندوؤں کے سر پر مارنا شروع کر دیئے۔ اب ہندوؤں اور ان کے پنڈت کے درمیان جنگ برپا تھی اور مسلمان دور کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے حتیٰ کر بہت سے ہندو مارے گئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔

آپ نے پنڈت کی تعریف کی اور ایک پیالہ پانی کا بھر کر اسے پلایا۔ جب اُس نے آپ کے ہاتھ سے پانی پیا تو باطنی ظلمت دور ہو گئی اور ایمان کے نور سے منور ہو گیا۔ دولتِ ایمانی سے مالامال ہُوا اپنا سر اور چہرہ آپ کے قدموں پر رگڑنے لگا اور کہنے لگا کہ آپ کی زیارت سے مجھے بے پناہ خوشی اور مسرت حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ چونکہ تم مجھے دیکھ کر شاد ہوئے ہو، اس لئے آج سے تمہارا نام بھی شاد ہو گا۔ اس واقعہ کی تفصیل جب رائے پتھورا کو معلوم ہوئی تو اسے بڑا غصہ آیا۔

کہتے ہیں کہ رائے پتھورا کو جب مسلسل شکستوں سے دوچار ہونا پڑا اور کوئی جنگی چال بھی اسے کامیاب ہوتی نظر نہ آئی تو اپنے مرشد جوگی جس کا نام اجیپال تھا، کے پاس پہنچا۔ یہ شخص علم سحر میں بے پناہ دسترس اور مہارت رکھتا تھا۔ رائے نے تمام صورتِ حال اس جوگی کے گوش گزار کی تو اس جوگی نے اپنے ڈیڑھ ہزار جادوگر شاگردوں کو ساتھ لیا اور ہرن کی کھال پر بیٹھ کر آپ کی طرف چل پڑا۔ اس کے ہمراہ راجہ پتھورا کی بے شمار فوج اور دیگر ہزاروں ہندو بھی تھے۔

حضرتؒ کو اس صورتِ حالات کا پتہ چلا تو آپ نے وضو کیا اور اپنے ساتھیوں کے ارد گرد ایک لکیر کھینچی۔ آپ نے فرمایا کہ ڈرنا نہیں کیوں کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔ ہندو

قریب آکر جادو کے منتر پڑھنے لگ گئے۔ آپ نے انہیں فرمایا، جادو کی پشت پناہی میں کیوں حملہ کرتے ہو۔ ہمت ہے تو مردوں کی طرح آؤ۔ اسلام قبول کر لو۔ ورنہ میرا پروردگار تو قوت کے لحاظ سے تم سے اعلیٰ اور برتر ہے۔" ہندوؤں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپ اپنے ساتھیوں کو لیکر یہاں سے چلے جائیں اور ہمارے تالاب سے جس کا پانی بڑا پوتر ہے جس کا نام اناساگر ہے وضو نہ کیجئے۔ کیونکہ یہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ ورنہ بصورتِ دیگر ہم جادو کے زور سے تمہیں تباہ کر دیں گے۔ ان کی یہ بات سن کر آپ جوش میں آگئے اور اپنے خادم شادو کو جس کا ابھی ذکر ہوا ہے طلب کیا حکم دیا کہ یہ پیالہ اس حوض اناساگر سے بھر لاؤ۔ مگر جب پانی بھرنے لگو تو اسم اعظم یا بدوح پڑھ لینا۔ چنانچہ شادو نے حسب الارشاد چندبار یہ اسم پڑھ کر پانی سے پیالہ بھرا۔ اللہ کی قدرت کہ اس حوض کا تمام پانی اس پیالہ میں آگیا۔ اور وہ حوض خالی ہوگیا۔ اس حوض میں جو مچھلیاں یا آبی جانور تھے وہ پانی ختم ہونے کی وجہ سے تڑپنے لگے۔ اس جوگی نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگا کہ یہ شخص کہاں کا فقیر ہے کہ آبی جانوروں کو اذیت دے رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں طاقت ہے تو اس پیالہ کو اٹھا کر دوبارہ حوض میں ڈال دو۔ لیکن کوشش بسیار کے باوجود وہ جوگی اس پیالہ کو نہ اٹھا سکا۔ اور پریشان ہو کر کھڑا رہا۔ آپ نے فرمایا۔ کہاں ہے تمہارا جادو، اسے استعمال کیوں نہیں کرتے۔ پھر آپ نے خود پیالہ اٹھایا اور دوبارہ حوض میں ڈال دیا اور وہ حوض بدستور پانی سے بھر گیا۔

اس منظر کو دیکھ کر جوگی اور اس کے ساتھیوں نے مزید زور سے منتر پڑھنے شروع کر دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بے شمار سانپ کوہستان سے نکل کر آپ کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن جب وہ آپ کے زمین پر کھینچے ہوئے دائرے کے پاس آتے تو رک جاتے اور اندر نہ آسکتے۔ آپ نے خدام کو حکم دیا کہ ان سانپوں کو مار کر پھینک دو۔ خدام جس سانپ کو مار پھینکتے تو اس کے سر سے چنڑوال کا درخت پھوٹ پڑتا اور پھر وہ درخت فوراً ہی سایہ دار بن جاتا۔ اس کے بعد ہندوؤں نے جادو کے منتر پڑھنے کہ چاروں طرف سے آگ برسنے لگی اور انگارے گرنے لگے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ وہ بھی اس

دائرہ کے اندر نہ جاتے تھے۔ بلکہ اُلٹا ہندوؤں کی طرف لوٹ کر اِن کو جلانے لگتے۔ آخرکار جوگی کو راجہ کے سامنے سخت ندامت اُٹھانی پڑی اور وہ بے بس ہو کر حضرت کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ بندہ خدا! میں نے پہلے تو ابتدائی تدابیر اختیار کیں تھیں۔ لیکن ان کا تم پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ اَب بھی وقت ہے کہ یہاں سے چلے جاؤ اور خواہمخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا نہ کرو۔ ورنہ میں فضا میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں سے تم پر ایسا عذاب نازل کروں گا کہ تجھے بچنا ناممکن ہو جائے گا۔

حضرت خواجہؒ اس کی بات سُن کر مسکرائے اور فرمایا کہ اے گمراہ شخص تم نے یہ شعر تو سُن رکھا ہو گا:

تو کارِ زمیں را نکو ساختی ۔۔۔ کہ بر آسماں ہم بپرداختی

جوگی آپ کی یہ بات سُن کر شرمندہ ہُوا۔ اور ہرن کی جس کھال پر بیٹھا تھا اس کے ساتھ ہی فضا میں پرواز کر گیا حتیٰ کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

حضرت خواجہؒ نے اپنے جوتوں کو حکم دیا کہ تم بھی اس کے پیچھے پرواز کر جاؤ۔ اور اس کو مارنا شروع کر دو۔ اسے اتنا مارو کہ وہ زمین پر اُترنے کے لئے مجبور ہو جائے چنانچہ آپ کے جُوتے فضا میں بلند ہُوئے اور اسے مار مار کر نیچے زمین کی طرف لائے۔ اجیپال اپنی قوم اور جماعت کے سامنے بے حد نادم تھا۔ آخر سر جھکائے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہُوا اور اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ آپ نے پانی کا ایک پیالہ بھر کر اسے دیا اس کے پینے سے اس کے دل میں کفر کا اندھیرا نورِ ایمانی میں بدل گیا اور صدق دل سے توبہ کر کے مشرف باسلام ہو گیا۔

حضرت خواجہؒ نے فرمایا "تیرے دل میں کوئی خواہش ہے تو بتلاؤ میں وہ پوری کر دوں گا"۔ اس نے عرض کی آپ کے اِن خدام کو سلوک کا وہ مقام جو بڑی ریاضتوں کے بعد حاصل ہُوا ہے۔ آپ دُعا فرمایئے کہ وہ مقام مجھے بغیر کسی ریاضت کے نصیب ہو جائے۔ حضرت خواجہؒ نے جب اس کی طلب صادق کو دیکھا تو آپ نے دُعا فرمائی جو قبول ہُوئی۔ پھر آپ نے مراقبہ کیا، کافی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور اس پر نظر ڈالی، وہ

جوگی فوراً ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو باطنی دُنیا میں حضرت خواجہؒ کے ہمراہ پایا اور دیکھا کہ حضرتؒ آسمان کی طرف پرواز کیے جا رہے ہیں اور وہ بھی ان کے عقب میں پرواز کر رہا ہے۔ حضرتؒ جس آسمان سے گذرتے وہ جوگی بھی اس آسمان کو عبور کرتا۔ آخر کار دونوں ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں حیرت اور حیرانگی کے سوا کچھ نہ تھا اور جس کی تفصیل الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ وہاں فرشتوں کی ایک جماعت کو دیکھا جو گروہ در گروہ آکر حضرت خواجہؒ کو سلام عرض کرتے ہیں۔ اور آپس میں کہتے ہیں کہ اللہ کے دوست خواجہ معین الدینؒ آئے ہیں، ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان کی زیارت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔

بعد ازاں حضرت خواجہؒ نے جوگی کو فرمایا کہ اس سے آگے کا راستہ انتہائی تنگ اور نازک ہے۔ میں خود تو اس راستے کو عبور کر سکتا ہوں، لیکن تمہارے لئے ناممکن ہے۔ لہٰذا بہتر ہے کہ تم یہاں سے واپس لوٹ جاؤ۔ جوگی نے کہا جیسے حضور کی مرضی۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ آنکھیں بند کر لو۔ اور کچھ دیر کے بعد حکم دیا کہ آنکھیں کھول لو۔ تو اُس نے دیکھا کہ اسی سابقہ جگہ پر بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اجپال! کہو کیا تمہاری دلی خواہش پوری ہوئی یا نہ؟ اس نے عرض کی کہ حضرت جو کچھ دیکھا وہ میری حیثیت سے کہیں بڑھ کر تھا۔

آپ نے فرمایا اور کوئی خواہش ہو تو بتلاؤ اس نے عرض کی کہ میری آرزو ہے کہ ہمیشہ زندہ رہوں۔ حضرت خواجہؒ نے اس کی بات سُن کر قدرے توقف کیا اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو الہام کیا کہ جو کچھ یہ طلب کرتا ہے میں اسے عطا کروں گا۔ بعدہٗ حضرت نے دو رکعت نماز ادا کی اور اس کی طول عمر کی دعا کی، جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لی۔ اسے فرمایا کہ جاؤ تمہاری جو خواہش تھی، وہ اللہ کے دربار میں قبول ہو گئی ہے انشاء اللہ تمہاری عمر میں بے حد برکت ہو گی لیکن تمہیں چاہیئے کہ لوگوں کی نظروں سے غائب اور اوجھل رہو۔

مشہور ہے کہ اب بھی اجمیر کے کوہستان میں وہ جوگی بقیدِ حیات ہے اور کئی

لوگوں سے اس کی ملاقات بھی ہوتی ہے۔ لیکن وہ ایسے لباس میں نظر آتا ہے کہ لوگ اسے پہچان نہیں سکتے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ جوگی اب بھی بلا ناغہ ہر جمعرات کو حضرت خواجہؒ کے روضۂ شریف پر حاضری دیتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

"سیر الاولیاء اور خزینۃ الاسرار" میں مذکور ہے کہ راجہ پتھورا اپنے اس گرو اجیپال کے اسلام لانے کے بعد بہت حیران ہوا۔ وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں گاہے گاہے آیا کرتا، لیکن اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت نے مجھ پر جو غلبہ حاصل کیا ہے یہ ولایت اور روحانی تصرف کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے میرے ساتھ جنگ کر کے تو مجھے مفتوح اور مغلوب نہیں کیا، اس لئے میری شجاعت و طاقت پر تو کوئی حرف نہیں آیا حضرت خواجہؒ نے نورِ معرفت کے زور پر اس کی دلی بات کو معلوم کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ وہ بھی ہو جائے گا۔ کوئی زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا، کہ تم گرفتار ہو کر پیش کئے جاؤ گے۔ چنانچہ آپ نے سلطان معز الدین جو سلطان غوری کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت غزنی میں قیام پذیر تھا، باطنی قوت سے یہ حکم دیا کہ جلد ہندوستان پہنچو اور اسے فتح کرو۔

صبح سلطان غوری بیدار ہوا تو ارکینِ سلطنت سے خواب بیان کیا اور جلد ہی لشکر کی تیاری کا حکم دیا۔ جب وہ اپنے لشکر کے ہمراہ اجمیر پہنچا تو یہاں ایک قیامت خیز جنگ ہوئی۔ آخرکار وہ غالب ہوا اور راجہ پتھورا گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ سلطان کے حکم سے راجہ کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس کی ہلاکت سے ہندوستان میں اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور کفر کا استیصال ہو گیا اور ۵۸۹ھ میں دہلی کو مسلمانوں کا دارالحکومت بننے کا فخر حاصل ہوا۔

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہؒ کی بے شمار کرامتوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ آپ کی آمد سے قبل پورے ہندوستان میں ہندوؤں کی حکومت تھی۔ یہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ہر سردار و بادشاہ خدا بنا بیٹھا تھا اور اُن کے پاس بے شمار اسلحہ تھا۔ یہاں ہندوستان میں درختوں، گایوں اور گوبر کے سامنے انسان سجدہ ریز ہوا کرتے۔ شریعت اور دین کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ پورے ملک میں کسی مسجد میں اللہ اکبر

کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ لیکن اہلِ یقین کے اس آفتاب نے جسے معین الدینؒ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ہند میں قدم رکھا تو یہ خطہ اسلام کے نور سے منور ہو گیا۔ اس علاقہ کو آپ کے آنے سے یہ اعزاز حاصل ہوا کہ جو شخص ایک بار اسلام قبول کر لیتا تو پھر تاقیامت اس کی نسلوں میں ایمان کی نعمت برقرار رہتی۔

از تیغ او بہ جائے اثر از کفر نماند

در دارِ کفر مسجد و محراب و منبر است

آنجا کہ بود نعرۂ فریادِ مشرکاں !

اکنوں خروشِ نعرۂ اللہ اکبر است

اب جو بھی صاحبِ سیف ہندوستان آکر دارالحرب کو دارالاسلام بنانے کی کوشش کرے گا۔ وہ حضرتِ خواجہؒ اور آپ کے متبعین کے دامن سے وابستہ ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

راسخ العقیدہ طالبانِ حق پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیئے کہ منشی فیضی وغیرہ کی تصانیف "اکبر نامہ" اور "اقبال نامہ" پر اعتماد کرتے ہوئے بعض عوام کا جو یہ خیال ہے کہ حضرت والا کی کوئی اولاد نہیں تھی تو یہ خیال سراسر باطل اور غلط ہے۔ فیضی اہلِ سنت والجماعت کا کٹر دشمن تھا اور نہ ہی آپ کے حالات پر اس کی گہری نظر تھی۔ حضرت سلطان التارکین مولانا حمید الدین سوالیؒ جو آپ کے جلیل المرتبت خلیفوں میں شمار ہوتے ہیں، نے اپنے ملفوظات میں وضاحت کی ہے کہ ایک بار حضرتؒ نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "معین الدین! تم کو تو دین کی اعانت اور مدد کرنی ہی تھی کیونکہ تمہارا نام ہی معین الدین ہے۔ لیکن بڑی تعجب کی بات ہے کہ تم خود سنّت کو ترک کئے بیٹھے ہو۔ ابھی تک تم نے شادی نہیں کی۔" انہی دنوں آپ کے ایک عقیدت مند کو جس کا نام ملک خطاب تھا اور کہ یہ پھیتلی کا قلعہ دار بھی تھا، دارالحرب سے ایک خوبصورت لڑکی دستیاب ہوئی جو کسی ہندو راجہ کی بیٹی تھی۔ یہ لڑکی حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ ملک خطاب نے یہ لڑکی آپ کی خدمت

میں پیش کی، تو آپ نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ اس کے بطن سے آپ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام بی بی حافظہ جمال رکھا گیا۔ یہ بھی بڑی صاحبِ کمال خاتون ہوئی ہیں اور ان کا مزار آپ کی قبر مبارک کی پائنتی کی جانب اب بھی موجود ہے اور زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔

کچھ مدت بعد سید مشہدی کے چچا سید وجیہ الدین کو خواب میں حضرت امام جعفر صادقؓ کی زیارت ہوئی۔ امام جعفر صادقؓ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی بیٹی بی بی عصمت کا نکاح حضرت معین الدینؒ کے ساتھ کر دو۔ چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں بیٹی لیکر حاضر ہوئے۔ اس کے ساتھ بھی آپ نے شادی کر لی۔ اس بیوی سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک کا نام شیخ فخر الدینؒ اور دوسرے کا نام شیخ حسام الدینؒ تھا۔ شیخ حسام الدینؒ تو بچپن سے ہی ابدالوں کے ساتھ وابستہ ہو گئے اور زندگی بھر شادی نہ کی۔ لیکن شیخ فخر الدینؒ سے بہت اولاد پیدا ہوئی۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کے وصال کے بعد شیخ فخر الدینؒ بیس سال تک زندہ رہے۔ انہوں نے قصبہ سرداڑ میں وفات پائی، جو اجمیر شریف سے سولہ کوس کے فاصلہ پر ہے۔ انہیں اس قصبہ میں حوض کے نزدیک دفن کیا گیا۔

"مطلوب الطالبین" میں یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ فخر الدینؒ کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام حسام الدینؒ تھا مگر وہ سوختہ کے نام سے مشہور تھا۔ وہ اکثر اوقات سلطان المشائخ محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ ان کی قبر قصبہ سانبھر کے مغرب میں اجمیر کے راستہ میں ہے۔

"فوائد الفواد" میں منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ احمدؒ جو حضرت خواجہ بزرگؒ کی اولاد میں سے تھے، کو میں نے خود دیکھا ہے اور ان کا ایک بھائی تھا جس کا نام خواجہ وحید الدین تھا، وہ حضرت شیخ الاسلام شیخ فرید الدین شکر گنجؒ کا مرید تھا۔ بعض بزرگوں سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ بزرگؒ کے وصال کے بعد اجمیر شریف میں سخت قحط پڑ گیا۔ اور اکثر لوگ فاقہ کشی سے تنگ آ کر اجمیر کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اس قحط کے عالم میں حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد اور

اقربا بھی وہاں سے ہجرت کر کے دکن چلے گئے صرف ایک مجاور باقی رہ گیا جو مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔ وہ آپ کے مزار پر چراغ جلایا کرتا اور مزار کی خدمت میں مصروف رہتا۔ ایک مدت اسی حال میں گذر گئی حتیٰ کہ جب اکبر بادشاہ وہاں پہنچا، تو آپ کی اولاد کا پتہ کرایا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ ملا۔ بادشاہ نے بڑی محنت اور تلاش بسیار کے بعد آپ کی اولاد کو دکن سے واپس اجمیر بلوایا۔ یہاں انہیں اکرام و انعام سے نوازا اور کئی دیہات ان کے نام وقف کر دیئے۔ اس مزدور مجاور کی وفاداری اور خدمت کے پیشِ نظر آپ کی اولاد نے بادشاہ کی عطا کردہ جائیداد کی نگرانی اسی کے حوالہ کر دی۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ جس رات حضرت معین الدین حسن سنجری نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اس رات کئی بزرگوں نے خواب میں حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ ہم خواجہ معین الدین کے استقبال کے لئے آئے ہیں۔ جب آپ کا وصال ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر یہ الفاظ لکھے تھے: "حبیب اللہ مات فی حب اللہ" (یعنی اللہ تعالیٰ کا محب اللہ کی محبت میں فوت ہوا۔)

حضرت خواجہ بزرگ کا وصال بروز پیر اور ایک قول کے مطابق اتوار کی رات مورخہ ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ کو ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک اجمیر شریف میں واقع ہے، جو مخلوقات کی زیارت گاہ ہے۔ (شجرۃ الانوار)

۱۸

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ برہانِ چشتیاں،
شہید المحبت، وکیل الباب، حضرت خواجہ

قطب الحق والدین بختیار اوشی کاکی چشتی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"خیر الاذکار" کے مصنف مولوی محمد گھلوی لکھتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت قبلہ عالم رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے خواجہ قطب الاقطاب اوشیؒ کے القاب میں کچھ شک ہے۔ از راہِ کرم بندہ کی اس معاملہ میں تسلی فرمایئے۔ آپ نے فرمایا کہ "وکیل الباب" کا معنی ہے وکیل باب العلم والمعرفتہ و باب الرحمتہ و باب الجنت یعنی تمام دروازوں کے وکیل۔ "وکیل الباب" کا لقب تمام فیوضات کے دروازوں کے لیئے بولا جاتا ہے "اوشی" کے الف پر پیش ہے۔ "اوش" علاقہ ماوراء النہر میں ایک شہر کا نام ہے جہاں آپ کا قیام اور مسکن تھا۔ "کاکی" کی طرف اس لیئے نسبت ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ آپ کے فرمان کے مطابق جب گھر یا مہمانوں کے لیئے روٹی کی ضرورت پڑتی تھی تو گرم گرم کاک لے آیا کرتی تھیں۔ کاک یعنی گرم و باریک روٹی جو ایک پہاڑ سے منسوب ہے۔ جو اس کے مشابہ تھا اور وہاں میدہ کی عمدہ روٹی دستیاب ہوتی تھی۔ ان روٹیوں کو اس پہاڑ کی نسبت سے "کاکیاں" کہا جاتا تھا۔ "بختیار" ممکن ہے یہ حضرتؓ کا اصلی نام ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کا لقب ہو۔

سیر الاولیاء، مطلوب الطالبین اور شجرۃ الانوار جیسی بزرگوں کی تصانیف میں لکھا ہے کہ قطب الاقطابؒ، حضرت بزرگؒ کے خاص خلیفہ اور ان کے قائم مقام تھے آپ کا شجرۂ نسب امیر المومنین حضرت حسینؓ بن علی المرتضیٰؓ تک پہنچتا ہے۔

آپ کی پیدائش ماوراء النہر کے مضافاتی شہر "اوش" میں ہوئی۔ ابھی آپ کی عمر دو سال تھی کہ آپ کے والد ماجد خواجہ کمال الدین بن موسیٰ احمدؒ کی وفات ہوگئی۔ اور آپ کی پرورش آپ کی والدہ محترمہ نے کی۔ جب پانچ سال کی عمر کو پہنچے تو والدہ ماجدہ نے

انہیں حصولِ تعلیم کے لئے اپنے وقت کے عالمِ دین اور وقت کے عظیم قطب شیخ ابوحفص کے پاس بھیجدیا۔ آپ اپنے اُستاد کی طرف آرہے تھے کہ راستہ میں آپ کی ملاقات ایک بزرگ سے ہوئی۔ اس بزرگ نے بڑی شفقت سے ہاتھ پکڑا اور شیخ موصوف کی خدمت میں لے جاکر فرمایا کہ یہ بچہ مستقبل میں ایک کامل ترین ولی اللہ بننے والا ہے لہٰذا اس کی تربیت اور تعلیم کا خصوصی خیال رکھنا۔ یہ کہہ کر وہ اجنبی بزرگ نظروں سے غائب ہوگئے۔ اُستاد نے دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون تھے تو آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اُستاد نے کہا کہ یہ بزرگ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام تھے، جنہوں نے تم کو میرے سپرد کیا ہے۔ آپ نے اپنے اُستاد سے صالح اخلاق، ظاہری و باطنی کمالات اور عمدہ تعلیم حاصل کی۔

ماہ رجب ۵۱۲ ھ میں بغداد کی مسجد ابوالیث میں شیخ الشیوخ خواجہ شہاب الدین سہروردی، الشیخ اوحدالدین، الشیخ برہان الدین چشتی اور شیخ محمود اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم کی موجودگی میں آپ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین حسن سنجری قدس سرہ العزیز کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اپنے مرشد کے حکم کے مطابق آپ کافی عرصہ بغداد میں رہے اور طرح طرح کے مجاہدے اور ریاضتوں میں مشغول رہے۔ خواجہ بزرگ خود رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے تحت بغداد سے اجمیر چلے گئے۔ جب آپ کو اپنے مرشد کے ہندوستان جانے کا علم ہوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے آپ نے اپنا رُخ ہندوستان کی طرف کرلیا۔

دورانِ سفر میں آپ ملتان پہنچے اور ایک مسجد میں قیام کیا تو خواجہ بہاؤالدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی آپ پر نظر پڑگئی اُنہوں نے فراستِ ایمانی سے معلوم کرلیا کہ یہ کوئی با خدا شخصیت ہے چنانچہ بہاؤالدین ذکریاؒ نے اپنے خادم کو اُن کی خدمت میں بھیجا۔ خادم کی جونہی آپ پر نگاہ پڑی اس کا باطن نُورِ معرفت سے روشن ہوگیا۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ آپ جب وضو کرتے ہیں تو پانی کے وہ قطرے جو آپ کے بدن سے نیچے گرتے ہیں، تمام قیمتی اور بے بہا موتیوں میں تبدیل ہوجاتے ہیں جنہیں فرشتے نُوری خوانچوں میں رکھ کر آسمانوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ خادم نے یہ ساری صورتِ حال حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کو سُنائی۔

آپ نے جب یہ تفصیل سُنی تو حکم دیا کہ دو پالکیاں لے آؤ۔ ایک پالکی میں خود بیٹھے اور

دوسری میں قطب الاقطاب کو بٹھا کر بڑی عزّت و تکریم سے اپنے مکان پر لے آئے۔ ان کے کھانے کے لیئے بڑی پُرتکلّف اشیاء تیار کی گئیں اور طرح طرح کے کھانے پیش کئے۔ آپ نے فرمایا "آپ کا کھانا تو واقعی بے حد پُرتکلّف ہے اس سے میرا پیٹ اور نفس تو بھر گیا ہے۔ لیکن رُوح و قلب کو اصلی غذا میسّر نہیں آئی" شیخ بہاؤالدینؒ سمجھ گئے کہ آپ سماع کے خواہشمند ہیں چنانچہ انھوں نے فوراً ہی قوّال بلائے اور سماع کی محفل شروع ہوئی۔ خود شیخ بہاؤالدینؒ ایک چھڑی لیکر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ سماع کی محفل جوبن پر آئی تو شرکائے محفل نے نعرہ بازی اور بلند آوازیں نکالنی شروع کیں۔ گرد و نواح کے وہ تمام لوگ جو سماع کے مخالف تھے اور جن کا تعلق سہروردیہ اور فرقۂ شہابیہ سے تھا، آپ کے مکان پر چڑھ آئے اور شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کو ملامت شروع کی کہ یہ کیا خلافِ اسلام محفل تم نے بپا کر رکھی ہے۔ پانچ سو سال کا طویل عرصہ گذر رہا ہے۔ کہ اس طرح کی خلافِ شریعت محفل ملتان میں نہیں جمی۔ شیخ موصوف نے کہا "کہ خدا کے بندو جس محفل کا دربان بہاؤالدین ذکریاؒ ہو بھلا وہ کیسے خلافِ شرع ہوگی۔ اگر تم خواہ مخواہ ضد کرتے ہو تو اندر چلے جاؤ اور سماع کو روک دو۔" وہ ظاہر بین اس محفل کو ختم کرنے کے لئے اندر چلے گئے۔ لیکن جونہی وہ اندر داخل ہوئے تو طریقہ چشتیہ بہشتیہ کی آتشِ شوق نے ان پر وہ اثر کیا کہ وہ تمام بے ہوش ہو گئے۔ اور ہکا بکا ہو کر متحیّر لوگوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔"

عشق بازی نہ ہمیں زاری و گریاں شدنست
حسنِ معشوق عیاں دیدن و حیران شدنست

جب قدرے سکون نصیب ہوا تو وہ سب لوگ جو سماع کو روکنے کے لئے آئے تھے، سماع کی اس کیفیت کو دیکھ کر مرید ہو گئے (تحیۃ الحق)

سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں۔ کہ جن دنوں قطب الاقطاب بختیار کاکیؒ اور شیخ بہاؤالدینؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ بیک وقت ملتان میں قیام پذیر تھے تو اس عرصہ میں ہندوؤں کا ایک لشکر قلعہ ملتان کے قریب پہنچ گیا۔ ان دنوں اس قلعہ کا قلعہ دار قباچہ بیگ تھا جو ناظمِ ملتان تھا۔ اسے جب صورتِ حال کا احساس ہوا تو کفار

کے دفعیہ کے لئے ان بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور دعا کے لئے درخواست کی حضرت قطب الاقطابؒ نے قباچہ کو ایک تیر عطا فرمایا اور کہا کہ اس تیر کو ہندوؤں کی طرف پھینک دینا۔ چنانچہ قباچہ نے رات کو وہ تیر ہندوؤں کے لشکر کی طرف پھینک دیا۔ دوسرے دن جب صبح ہوئی تو اس مقام پر ہندوؤں کا کوئی شخص بھی موجود نہ تھا۔

مطلوب الطالبین میں منقول ہے کہ حضرت قطب الاقطابؒ جب ملتان سے دہلی میں تشریف لائے تو آپ نے حضرت معین الدینؒ کو عریضہ لکھا کہ بندہ آپ کی قدم بوسی کا بیحد مشتاق ہے اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو حاضر ہو جاؤں۔ خواجہ اجمیریؒ نے آپ کا یہ مکتوب پڑھا تو آپ نے فرمایا کہ "بابا بختیار کو دہلی میں رہنا چاہیئے" اس لئے قطب الاقطاب اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق دہلی میں ہی رہے۔ البتہ دو تین بار اپنے مرشد کی زیارت کے لئے اجمیر تشریف لے گئے۔ دہلی کے تمام چھوٹے بڑے آپ کی صورت اور سیرت کے عاشق تھے۔

سیر العارفین میں منقول ہے کہ قیام دہلی کے دوران میں آپ کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک شیخ احمد جن کی قبر آپ کے پہلو میں ہے۔ انہیں خواجہ احمد تماجی بھی کہا جاتا ہے یہ سلطان المشائخؒ کی حیات میں زندہ رہے۔ دوسرے شیخ محمد جو بچپن میں ہی دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔

سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ دونوں بھائی جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ جب اپنے بیٹے محمد کو دفن کر کے واپس شہر میں آئے اور اپنی بیوی کی گریہ وزاری سنی تو بے حد اظہار افسوس کیا۔ شیخ بدر الدین غزنویؒ نے اس افسوس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ جو مجھے اب یاد آ رہا ہے۔ اگر پہلے یاد آ جاتا تو میں اللہ کے دربار میں درخواست کر کے مرحوم بچے کی زندگی مانگ لیتا اور اللہ تعالیٰ میری دعا قبول بھی فرما لیتے سلطان المشائخؒ کہتے ہیں کہ دیکھیئے قطب الاقطاب اپنے مولا کی یاد میں کس قدر مستغرق تھے کہ اپنے بیٹے کی موت و حیات کی طرف بھی توجہ نہیں رہی۔

بزرگوں سے منقول ہے کہ جب آپ کے گھر میں مسلسل دو تین دن کا فاقہ ہو جاتا تو

آپ کی اہلیہ، آپ کے پڑوسی شرف الدین کی بیوی سے ضروری مقدار میں کچھ چیزیں بطور قرض لاتیں اور گھر والوں کو کھانا مہیا کرتیں۔ اُدھر حضرت خواجہ اجمیریؒ نے آپ کو یہ ارشاد فرما رکھا تھا کہ تم پر جب پانچ سو درہم قرض ہو جائے تو فتوحات غیبی سے ادا کر دیا کرو۔

ایک دن آپ کی اہلیہ جب فاقہ کشی کے عالم میں اپنی پڑوسن کے پاس حسب معمول قرضہ مانگنے گئیں تو اس عورت نے بڑی رعونت سے کہا کہ بی بی اگر ہم تمہارے پڑوس میں نہ ہوتے تو پھر تم کس طرح گذارہ کرتے۔ اس کی یہ ناشائستہ بات سن کر مائی صاحبہ واپس آ گئیں اور اس سے قرضہ نہ لیا۔ حضرت قطب الاقطابؒ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اہلیہ کو ارشاد فرمایا کہ آئندہ قرضہ مانگنے کے لئے کہیں نہ جانا۔ جب کبھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت پڑے تو فلاں طاقچہ میں سے ہاتھ ڈال کر لے لینا۔ چنانچہ اس کے بعد مائی صاحبہ کو جب بھی کسی چیز کی حاجت ہوتی تو آپ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اس طاقچہ میں ہاتھ ڈالتیں اور مطلوبہ چیز حاصل کر کے گھر والوں کا کھانا تیار کر دیتیں۔ یہ سلسلہ عرصہ تک چلتا رہا۔

سیر الاولیاء میں مذکور ہے کہ آپ اپنے مصلیٰ کے نیچے جب بھی ہاتھ ڈالتے تو وہاں سے "کاکیاں" یعنی میدہ کی روٹیاں نکال لیتے۔ اسی لئے آپ کو کاکی کہا جاتا ہے۔

"افضل الفوائد" میں درج ہے کہ سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ ایک دن قطب الاقطابؒ ایک حوض کے کنارے بیٹھے تھے اور آپ کے خدام بھی یوں مہتاب کے ارد گرد تاروں کی طرح بیٹھے تھے۔ آپ کے خدام نے عرض کیا کہ حضرت! کیا ہی اچھا ہو کہ اس حال میں ہمیں گرم گرم کاکیاں، یعنی میدہ کی روٹیاں مل جائیں تو ہم کھائیں۔ حضرت اُٹھے اور حوض میں ہاتھ ڈال ڈال کر کاکیاں نکالتے رہے اور وہ گرما گرم روٹیاں اپنے خدام میں تقسیم کرتے رہے نیز آپ نے خود بھی ان میں سے تناول فرمائیں۔ اس واقعہ کے بعد آپ "کاکی" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

"قدسیہ فریدیہ" میں مذکور ہے کہ بادشاہ کے ایک نان بائی نے جب بادشاہ کے لئے کاکیاں یعنی روٹیاں لگائیں تو اتفاق سے سب جل گئیں۔ آپ کا وہاں سے گذر ہوا تو وہ پریشان حالت میں کھڑا تھا۔ آپ نے اس سے پریشانی کی وجہ دریافت کی تو اس نے

جواب دیا کہ بادشاہ کے لئے میں نے جو روٹیاں تنور میں لگائی تھیں وہ سب جل گئی ہیں۔ آپ نے فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر تندور میں ہاتھ ڈالو۔ چنانچہ نان بائی نے ایسے ہی کیا تو جو روٹی بھی نکالتا وہ پختہ ہوتی۔ اس نے اطمینان سے انہیں بادشاہ کی طرف بھیج دیا۔

"کاک" فارسی لفظ ہے اردو میں اسے کلچہ اور عربی میں کعک کہتے ہیں۔

"سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ حضرت ابتدائی دور میں تھوڑا بہت سو بھی لیا کرتے لیکن آخری عمر میں آپ نے سونا قطعی موقوف کر دیا بلکہ فرماتے تھے کہ اگر میں سو جاؤں تو مجھے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام "رئیس" تھا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک نورانی گنبد ہے جس کے ارد گرد بے شمار مخلوقات جمع ہے۔ وہیں ایک کوتاہ قد شخص ہے جو گنبد کے اندر آتا جاتا ہے اور لوگوں کی باتوں کا جواب دیتا جاتا ہے۔ رئیس کہتا ہے کہ میں نے اس کوتاہ شخص (جو درحقیقت عبداللہ بن مسعودؓ تھے) سے دریافت کیا کہ اس گنبد کے اندر کون شخص ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے ہیں تو میں نے عرض کیا کہ مجھے بھی حضورؐ کی خدمت میں پہنچا دیجئے۔ تاکہ اگر اجازت ملے تو میں بھی اپنی حقیر گذارشات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں تک پہنچا سکوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اندر گئے اور کچھ دیر کے بعد باہر آئے اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ "میری زیارت کرنے کی ابھی تمہارے اندر اہلیت و صلاحیت پیدا نہیں ہوئی۔ تم چلے جاؤ اور بختیار کاکی کو میرا سلام پہنچا دو۔ نیز انہیں کہنا کہ تم جو تحفہ مسلسل بھیجا کرتے تھے وہ تین دن سے نہیں پہنچا، اس کی کیا وجہ ہے؟ جب "رئیس" بیدار ہوا تو حضرت قطب الاقطابؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ سنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پیغام تھا وہ بھی آپ کو پہنچایا۔ اصل صورت یہ تھی کہ آپ ہر رات تین ہزار بار درود شریف پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ لیکن شادی کی وجہ سے تین دن تک یہ عمل جاری نہ رہ سکا۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت بیوی کو بلایا اور اس کا مہر ادا کر کے اسے فارغ کر دیا۔

کہتے ہیں کہ وہاں کے رئیسوں میں سے ایک شخص جس کا نام اختیار الدین تھا اس نے کچھ نقدی بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کی لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ آپ جس مصلیٰ پر بیٹھے تھے اسے ذرا سا ہٹایا اور اس شخص کو کہا کہ دیکھو۔ اس نے دیکھا کہ مصلیٰ کے نیچے زر و جواہر کا دریا بہہ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے ہوتے ہوئے مجھے تمہارے نذرانہ کی کیا ضرورت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ قطب الاقطابؒ اور قاضی حمید الدین ناگوریؒ (جن کا مزار آپ کے مزار کے بائیں جانب بلند چبوترہ پر ہے) سفر کر رہے تھے راستہ میں دریا آ گیا۔ اس وقت دونوں کی حالت بھوک کی وجہ سے بے حد کمزور تھی اور وہاں کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ اچانک ایک بھیڑ آئی جس کے منہ میں دو روٹیاں تھیں وہ روٹیاں ان کے حوالے کر کے خود غائب ہو گئی۔ دونوں حضرات نے روٹیاں کھا لیں اور کہنے لگے کہ یہ بھیڑ غیبی امداد کے طور پر آئی ہے۔ اسی دوران میں ایک بلند قامت بچھو آیا اور دریا میں کود گیا اور عبور کر گیا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ شاید اس میں بھی کوئی حکمت ہو گی۔ چنانچہ دونوں نے اس بچھو کے پیچھے جانے کا ارادہ کر لیا بموجب ارادہ کے دریا میں خشک راستہ بن گیا۔

یہ دونوں اس کے پیچھے گئے۔ دیکھا کہ وہاں ایک درخت کے نیچے ایک شخص سویا ہے۔ درخت کے اوپر سے ایک اژدہا اس شخص کو ہلاک کرنے کے لئے نیچے آ رہا ہے۔ جونہی وہ اژدہا اس شخص کے قریب پہنچا اس بچھو نے حملہ کر کے اس سانپ کو ہلاک کر دیا۔ اور خود نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ ان دونوں حضرات نے سوچا کہ یہ شخص ضرور کوئی بزرگ ہے۔ اس کی زیارت سے مشرف ہونا چاہیئے۔ لیکن جب اسے بیدار کیا تو دیکھا کہ وہ ایک شرابی ہے جو نشہ میں دھت پڑا ہے اور اس کے ارد گرد اس کی قے پڑی ہے انہوں نے اللہ کی تقدیس بیان کی کہ وہ ذات کس قدر رحیم ہے کہ اس جیسے شرابی کی حفاظت کے لئے اس نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اسی دوران غیب سے آواز آئی کہ "اگر میں صرف نیک لوگوں کی ہی حفاظت کرنے لگوں تو پھر ایسے بدکاروں کی حفاظت کون کرے گا؟"

اسی دوران میں وہ شخص بھی بیدار ہوگیا۔ انہوں نے اس کو پوری صورتِ حال بتلائی تو وہ بہت نادم ہوا اور توبہ کر کے واصلانِ حق میں شامل ہوگیا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا کہ جب اللہ کے لطف وکرم کی ہوا چلتی ہے تو ہزاروں بدکاروں کو صاحب سجادہ بنا دیتی ہے اور جب اس کے قہر وغضب کی ہوا چلتی ہے تو ہزاروں سجادہ نشین بدکار بن جایا کرتے ہیں۔

بسا صدیق را از بے نیازی چوں زندیقاں سیہ کردند رخسار
بسا زندیق را از ابروئے لطفش زینت خانہ بہ صدر صفحۂ یار

حضرت سلطان المشائخؒ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک بار میں خواجہ قطب الاقطابؒ کے مزارِ مبارک پر حاضری کے لئے گیا تاکہ آپ کی روح سے استعانت طلب کروں۔ وہاں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ پتہ نہیں حضرتِ والا کو میری آمد کا علم بھی ہے یا نہیں۔ ابھی میں اسی سوچ وبچار میں تھا کہ مرقد سے آواز آئی۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بتن

(یعنی مجھے بھی اپنی طرح زندہ ہی سمجھو۔ میرے اور تمہارے درمیان فقط یہ فرق ہے کہ میں روحانی طور پر زندہ ہوں اور تم جسمانی طور پر)

قبور سے استعانت کا مسئلہ

علماء اور فقہا کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ قبروں سے استعانت جائز ہے یا نہیں۔ جامع کبیر میں لکھا ہے کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ اہلِ قبور سے مدد مانگنا ناجائز ہے۔ کیونکہ استعانت کا تعلق غیبی امور سے ہے اور غیبی امور فقط اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہیں۔ لیکن 'عبد المبارک' کا خیال ہے کہ اہلِ قبور سے مدد طلب کرنا جائز ہے اور اس سلسلہ میں متعدد احادیث وارد ہوتی ہیں۔ ابراہیم بن رستمؒ سے مروی ہے کہ قبور سے مدد مانگنا صرف اس طور جائز ہے کہ فاتحہ پڑھنے کے بعد انسان یہ کہے کہ جو کچھ میرے دل میں موجود ہے اللہ تعالیٰ کو اس کا بخوبی علم ہے۔ اس لئے میری اس حاجت میں جو میرے

دل میں موجود ہے میری مدد کرو۔ کیونکہ آدمی جب فاتحہ پڑھتا ہے تو اس کو سننے کے لئے مردوں کی ارواح آتے ہیں اور پھر اس وقت آدمی جو بھی کہے گا وہ ارواح ضرور سن لیں گے۔

"رسالہ اسلامیہ" میں لکھا ہے کہ اولیاء کرام مرتے نہیں بلکہ وہ دراصل اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتے ہیں گویا جس طرح اولیاء کو زندگی میں زندہ کرنے اور مارنے کی طاقت تھی وہ طاقت مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کی حالت کا علم زندگی میں عطا کر رکھا ہوتا ہے۔ اس طرح مرنے کے بعد بھی یہ علم ان کے ساتھ رہتا ہے۔

شیخ عبدالحقؒ نے حضرت امام غزالیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہر وہ شخص جس سے زندگی میں مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ اس سے مرنے کے بعد بھی مدد طلب کرنا جائز ہے۔

کتاب الحکم کے شارح سید احمد جو کہ ایک بلند پایہ فقیہ اور جلیل القدر عالم دین تھے اور مغرب کے صوفیاء میں ایک مقام کے حامل تھے، فرماتے ہیں کہ یہ بات دین میں ثابت شدہ ہے کہ ارواح زندہ ہیں اور جو شخص ان کے مزار پر حاضری دیتا ہے اس کی آمد کا ان کو شعور ہوتا ہے۔ اولیائے کرام کی ارواح کا خدا کے ساتھ وہ تعلق مرنے کے بعد قائم رہتا ہے جو تعلق خدا سے زندگی میں تھا۔ بلکہ مزید براں مرنے کے بعد بھی وہ عالم دنیا میں تصرف کر سکتے ہیں اور اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی ان کی کرامات ظاہر ہوتی رہتی ہیں لیکن یہ سب کچھ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور حکم سے ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ متصرف حقیقی تو صرف اس اللہ کی ہی ذات ہے۔ اس لئے بزرگوں کے مرنے کے بعد اگر کسی شخص کو ان کی مدد حاصل ہوتی ہے تو یہ کوئی ناممکن اور محال بات نہیں ہے۔ وہ حضرات زندہ تھے تب بھی حقیقی تصرف صرف اللہ کا تھا اور اب جبکہ وہ وفات پا چکے ہیں تو بھی تصرف اسی اللہ کا ہے۔

میرے آقا اور میرے دست و بازو قبلہ مولانا محمد خدا بخشؒ ملتانی ثم خیر پوری نے "توفیقہ شریف" میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول پاکؐ کو فرمایا ہے۔

"اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّہُمْ مَّیِّتُوْنَ"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے نبی تم بھی میت ہو۔ یہ نہیں کہا کہ "اِنَّکَ تَمُوْتُ" یعنی تم مر جاؤ گے۔ اس سے بھی یہی وضاحت ہوتی ہے کہ آپ تو اب بھی میت ہیں گویا اصل میں حقیقی زندگی تو صرف ایک اللہ کی ہے" جو ذی تعین ہے۔ آپ تو اس وقت بھی میت ہیں۔ ہر چیز کی ہلاکت کے بارے میں فرمایا گیا۔

"کُلُّ شَیْءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجْہَہٗ" یہ بھی انسان کی ہلاکت ہے جو صرف تعین ہے الغرض اہلِ قبور سے دعا اور مدد مانگنا دراصل اللہ تعالیٰ سے ہی مدد مانگنا ہے تو اس طرح وہابی فرقہ کی تردید ہو جاتی ہے۔

آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات مرے ہوئے اشخاص خواب میں کوئی چیز بتلاتے ہیں تو وہ بالکل مطابق واقعہ ثابت ہوتی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حضرات زندہ ہیں ان کی حیات دراصل اللہ تعالیٰ کی ابدی حیات ہے۔ وہ اللہ جو حیّ اور قیّوم ہے اور جو چاہے کرتا ہے۔

اکثر ملفوظات چشتیہ بہشتیہ میں یہ واقعہ منقول ہے کہ ایک بار حضرت علی سنجریؒ کی خانقاہ پر سماع کی محفل قائم تھی اور قوالوں نے شیخ احمد جامؒ کے اس شعر سے قوالی کا آغاز کیا:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو اس شعر کے سننے سے حضرت قطب الاقطابؒ پر ایک خاص وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ حتیٰ کہ یہ وجد کی حالت تین چار روز تک مسلسل قائم رہی۔ بلکہ روز بروز اس میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اور قوال شب و روز بدستور یہی شعر پڑھتے رہے۔ صرف نماز کے وقت افاقہ ہوتا اور نماز ادا کرنے کے بعد آپ پھر اسی حالت میں چلے جاتے۔ قوال جب پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ فنا کی حالت میں مستغرق ہو جاتے اور جب وہ دوسرا مصرعہ پڑھتے تو آپ بقا کی حالت میں چلے آتے۔ جب آپ کے وصال کا وقت

قریب ہُوا تو اتفاق سے قوالوں کو دوسرا مصرعہ جو بقا کی حالت میں لاتا تھا بھُول گیا اور باوجود بسیار کوشش کے انہیں یاد نہ آیا اور اسی حالت میں جبکہ وہ بار بار پہلا مصرعہ پڑھتے رہے تو آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے گلشنِ احدیت کی طرف روانہ ہوگئی۔

سیر الاولیار میں ذکر ہے شیخ بدرالدین غزنوی کہتے ہیں کہ جس رات حضرت قطبؒ الاقطابؒ کا وصال ہُوا مَیں اس وقت آپ کی خدمت میں موجود تھا۔ مجھ پر تھوڑی سی غنودگی طاری ہوگئی تو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ موصوف اپنی جگہ سے اُٹھے اور فضا کی طرف پرواز کرنا شروع کر دیا اس اثنار میں آپ نے مجھے فرمایا کہ "اے بدرالدین اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر موت نہیں آیا کرتی"۔ جب میں بیدار ہُوا تو دیکھا کہ آپ اس عالمِ فانی کو چھوڑ کر عالمِ لقا کو سدھار چکے تھے۔

مولانا فخرالدین زرادیؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت قطب الاقطابؒ کی رحلت ہوئی تو اس وقت ایک فاضل طبیب جس کا نام شمس الدین تھا، کو آپ کے علاج کے لئے لایا گیا جب اس نے آپ کی نبض دیکھی تو کہا حضرت کا جگر تو آتشِ محبت سے جل گیا ہے اور مجھ سے ان کا علاج نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِيْ ۔ فَلَا طَبِيْبَ لَهٗ وَلَا رَاقٍ
اِلَّا الْحَبِيْبَ الَّذِيْ قَدْ شُغِفْتُ بِهٖ ۔ فَعِنْدَهٗ رُقْيَتِيْ وَتِرْيَاقِيْ

(میرے دل کو عشق کے سانپ نے ڈس لیا ہے۔ اب نہ کسی طبیب کی کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے اور نہ کسی کلام پڑھنے والے کا زور چل سکتا ہے۔ میرے اس مرض اور اس درد کا علاج صرف میرے محبوب کے پاس ہے اور اس کا کلام ہی مجھے شفا بخش سکتا ہے۔)

آپ کی عمر شریف میں اختلاف ہے بعض نے آپ کی عمر ۴۷ سال بتلائی ہے اور بعض نے کم۔ یہ دونوں خیال درست نہیں۔ کیونکہ سیر الاولیار کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک خاص قرینہ کے مطابق آپ کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ

تھی۔ اور وہ قرینہ یہ ہے کہ آپ ماہ رجب ۵۱۲ھ میں مرید ہوئے۔ اور چودہ ربیع الاوّل ۶۳۳ھ کو آپ کا وصال ہوا۔ تو اس حساب سے آپ کے بیعت کرنے اور رحلت کے درمیان کا عرصہ ایک سو بیس سال بنتا ہے۔ اور وہ عمر جو مرید ہونے سے قبل کی ہے، وہ اس سے زائد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آپ کا مزارِ مبارک شمسی حوض کے پاس پرانی دہلی میں موجود ہے۔ جو زیارت گاہِ عوام و خواص ہے۔ ایک بزرگ نے اس شعر میں آپ کی تاریخِ وصال کہی ہے:

چوں سال ششصد و سی و سہ گذشت از ہجرت
شیخ قطب جہان از جہاں گذر فرمود

۱۹

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ حریق المحبت، امام العارفین سلطان الزاہدین حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر اجودہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

حضرت خواجہ فریدالدینؒ کے تمام کمالات کو احاطۂ تحریر میں لانا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح کوہ قاف کو سوئی کے ناکے سے گذارنا اور بیابانوں کی ریت کو پیمانہ سے ماپنا۔

وصف جمال چوں توئی نیست حدِ بیان من
من چہ کنم ترا صفت ایکہ چنانکہ ہم توئی

آپ کا شجرۂ نسب فرخ شاہ کابلی کے واسطہ سے حضرت امیر المومنین عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے دادا فرخ شاہ عادل کی سلطنت جب حوادث زمانہ کے سبب خلل پذیر ہوئی۔ اور حکومت ان کے ہاتھ سے نکل کر شاہانِ غزنوی کے ہاتھوں میں منتقل ہوئی تو اسوقت بھی فرخ شاہ کی اولاد بے شمار دولت اور خوشحالی میں زندگی بسر کر رہی تھی۔ لیکن چنگیز ملعون نے جب ایران اور طہران پر قبضہ کیا اور اس کی فوجیں تباہی مچاتی ہوئی غزنی کی طرف بڑھیں اور کابل تک پہنچ گئیں تو اس عظیم خاندان کو بھی اس کے مظالم کا تختۂ ستم بننا پڑا۔ اس دوران آپ کے جد بزرگوار شیوخ العالم قاضی شعیب اپنے تین بیٹوں اور ساتھیوں کے ہمراہ پنجاب کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ یہاں قصور کے قصبہ میں قیام کیا۔ اسوقت قصور میں ایک نیک قاضی تھا جس کے انصاف کی ہر طرف دھوم تھی اور اسے اس خاندان کی عظمت اور بزرگی کا پہلے سے علم تھا اس لئے جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ خاندان قصور میں تشریف لایا ہے تو وہ قاضی آپ کی زیارت کے لئے آیا اور بے حد خوش ہوا:

آنچہ گوش از کمال خواجہ شنید
چشم زو صد ہزار چنداں دید

آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں اُس نے اس خاندان کی پُر تکلف ضیافتیں اور دعوتیں کیں۔ بادشاہِ وقت شاہ جہاں کو قاضی موصوف نے خط لکھا جس میں اس خاندان کی عظمت اور علمی وجاہت کی بالتفصیل اطلاع دی۔ بادشاہ نے قاضی صاحب کا خط پڑھا تو وہ اس قدر متاثر ہوا کر آپ کو اختیار دے دیا کہ حکومت کے عہدوں میں سے جو عہدہ بھی آپ پسند فرمائیں نشاندہی کر دیں وہ آپ کو دیدیا جائے گا۔

بادشاہ کی اس پیش کش پر آپ کے دادا بزرگوار نے تمام عہدوں میں سے قضا کا عہدہ قبول فرمایا۔ چنانچہ کوتھوال کے علاقہ میں جو ملتان کے زیرِ اثر تھا آپ کو شاہی قاضی مقرر کر دیا گیا اور آپ اس قصبہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ اسی قصبہ میں آفتاب کرامت شیوخ العالمؒ کی ولادت ہوئی جس نے سورج کی طرح ظلمتوں اور تاریکیوں کو دُور فرمایا۔ شجرۃ الانوار میں ہے کہ آپ کے والدِ گرامی کا نام قاضی جمال الدین سلیمانؒ تھا۔ ان کے تین بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے بیٹے کا نام شیخ اعزاز الدین محمودؒ۔ منجھلے کا نام شیخ فرید الدین مسعودؒ اور سب سے چھوٹے کا نام شیخ نجیب الدین متوکلؒ تھا۔

آپکی والدہ مولانا وجیہہ الدین خجندی کی دختر نیک اختر تھی جو علم و فضل میں کامل تھیں اور صاحبِ کرامات تھیں۔ چنانچہ سلطان المشائخ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک رات محترمہ موصوفہ نمازِ تہجد میں مصروف تھیں کہ ایک چور گھر میں داخل ہوا جونہی اس کی نظر پڑی نابینا ہو گیا اور نابینا ہونے کی وجہ سے اسے راہ نہیں سجھائی دیتی تھی بے بسی کے عالم میں اُس نے آوازیں دینی شروع کر دیں کہ میں چوری کی غرض سے اس گھر میں آیا تھا لیکن مکان کے مالکوں نے میری آنکھوں کی بینائی ختم کر دی ہے۔ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر میں دوبارہ دیکھنے لگ گیا تو اس چوری کے پیشہ کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔ اور کفر کو چھوڑ کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاؤں گا۔ آپ کی والدہ محترمہ نے جب اس چور کی آواز سُنی تو اللہ سے مخلصانہ دُعا کی کہ مولا! اس شخص کو بینائی عطا فرما۔ اللہ کے حکم سے اُسے دوبارہ بینائی مل گئی۔ موصوفہ نے رات کے اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ صبح ہوئی تو وہ شخص اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک بڑا سا تھال دہی کا بھر کر آپ کے

دروازہ پر پہنچا اور عرض کیا کہ میں وہی رات والا چور ہوں۔ رات کو میں چوری کی غرض سے آیا تھا لیکن گھر میں ایک خاتون نماز پڑھ رہی تھیں، ان کے کمالات کی وجہ سے میں اندھا ہو گیا۔ چنانچہ میں نے رات کو عہد کیا تھا کہ آئندہ چوری بھی نہ کروں گا اور کفر کو ترک کر کے مسلمان ہو جاؤں گا۔ اب میں اہل و عیال کے ہمراہ حاضر ہوں۔ مجھے مسلمان کیجئے چنانچہ اس نے اسلام قبول کیا اور آپ کے مخلص خادموں میں شمار ہوا اور واصل باللہ ہو گیا۔

صاحب "شجرۃ الانوار" لکھتے ہیں کہ اس شخص کی قبر قصبہ کوتھوال میں موجود ہے، جو روضہ شیخ عبداللہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس علاقہ کے مرد اور عورتیں اس روضہ سے اب بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اس بندۂ ناچیز نے بعض ثقہ لوگوں سے سُنا ہے۔ کہ حضرت غریب نواز، قدوۂ کاملاں اور ہادیٔ گمراہاں خواجہ محمد سلیمانؒ فرماتے تھے کہ یہ وہی شخص ہے جسے عوام چاولی مشائخ کے نام سے جانتے ہیں۔ اس شخص کو آپ کی والدہ سے اور پھر بالواسطہ حضرت شیوخ العالمؒ سے فیض حاصل ہُوا تھا اور اُس نے آپ کی بیعت کی تھی۔

منقول ہے کہ حضرت شیوخ العالمؒ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو قرآن مجید حفظ کرنے لگے۔ قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد عقلی اور نقلی علوم حاصل کرنے کی غرض سے مُلتان تشریف لے گئے۔

"سیر العارفین" میں سلطان المشائخؒ سے منقول ہے کہ حضرت خواجہ فریدالدینؒ ایک دفعہ ملتان میں مولانا منہاج الدین کی مسجد میں علم فقہ کی مشہور کتاب "نافع" کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اچانک قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ "اوش" سے اس مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک خوبرو نوجوان مطالعہ میں مستغرق ہے۔ فرمایا جوان! کیا پڑھ رہے ہو؟ عرض کیا "نافع" پڑھ رہا ہوں۔ فرمایا کہ کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ کتاب صحیح معنوں میں تمہیں نفع پہنچائے گی۔ آپ نے عرض کیا کہ پیر و مرشد کی نظرِ کرم کے صدقے مجھے اس سے یقیناً نفع ہو گا۔ یہ کہا اور قطب الاقطابؒ کے قدموں میں گر گئے اور آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت قطب الاقطابؒ جب دہلی کے لئے تشریف لے گئے

تو آپ بھی تین منزلوں تک ساتھ گئے۔ اس کے بعد حضرت قطب الاقطابؒ نے فرمایا بابا فرید! پہلے ظاہری علوم کی تکمیل کر لو اس کے بعد میرے پاس آنا اور علوم باطنیہ حاصل کر لینا۔ بعض کتابوں میں ہے کہ اسی موقع پر آپ قطب الاقطابؒ کے ساتھ دہلی گئے تھے اور وہاں جا کر آپ کے مرید ہو گئے تھے۔ لیکن یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ سلطان المشائخ رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ اس وقت آپ کی عمر پندرہ یا اٹھارہ سال تھی۔

شجرۃ الانوار میں درج ہے۔ کہ حضرت شیوخ العالم گنج شکرؒ کے پاس شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ آئے اور کہا کہ میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ بھی میرے ساتھ چلیں تو بہتر رہے گا۔ حضرت شیخ الشیوخ ان کی خوشنودی کی خاطر روانہ ہوئے نیز شیخ داؤد موکرؒ شیخ محمود بہرنگیؒ اور لعل شہباز قلندرؒ بھی آپ کے رفقائے سفر بن گئے۔ دوران سفر میں حضرت بہاؤ الدینؒ کے پاؤں پر کسی سانپ نے ڈس لیا۔ تکلیف کی شدت کی وجہ سے آپ بہت بے چین تھے شیوخ العالمؒ نے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اس پر چند بار خواجہ قطب الاقطابؒ کا اسم مبارک پڑھ کر دم کیا اور درد والی جگہ پر چھڑک دی۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ تمام درد و الم اسی لمحہ کافور ہو گیا۔ تمام ساتھی شیوخ العالمؒ اور قطب الاقطابؒ کی عظمت پر حیران رہ گئے۔

جب یہ قافلہ بغداد کے قریب پہنچا تو بھیڑوں کے ایک ریوڑ کو چرتے دیکھا ہر بھیڑ کے گلے میں سونے یا چاندی کے گلوبند تھے۔ چرواہے سے پوچھا کہ یہ تمام بھیڑیں کس کی ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہ گلہ جناب شیخ شہاب الدینؒ کا ہے۔ آگے بڑھے تو کئی گھوڑوں اور اونٹوں کو زر و جواہر سے مرصع دیکھا۔ ان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو یہی جواب ملا کہ تمام جانور شیخ شہاب الدینؒ کے ہیں۔ اور آگے بڑھے تو دائیں بائیں بڑے بڑے باغات نظر آئے۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ وہ سب باغات بھی شیخ شہاب الدینؒ کے ہیں۔ اس صورت حال سے زچ ہو کر لعل شہباز قلندرؒ نے اپنے پرانے لباس کا ٹکڑا

اپنی بغل سے نکالا اور زمین پر پھینکتے ہوئے کہا کہ یہ بھی شیخ شہاب الدینؒ کا ہی ہے
جب بغداد پہنچے اور شیخ موصوف کے دروازہ پر حاضری دی تو خادم نے پہلے
دور سے آنے والوں کے بارے میں پوچھا اور پھر جا کر حضرت سے عرض کیا کہ پانچ
اشخاص زیارت کے طالب ہیں۔ آپ نے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ اور ان سے پوچھو کہ "تم میں
صاحب تجرید و تفرید شیخ فرید اور مروج دین متین شیخ بہاؤالدین ذکریا کون ہیں
جب وہ اپنا تعارف کرا دیں۔ تو ان دونوں کو بمع رفقاء کے بہتر مکان میں عزت و احترام
سے بٹھانا" چنانچہ خادم نے آکر پوچھا تو ان دونوں حضرات نے کہا کہ ہم ہیں۔ خادم نے
دونوں بزرگوں سے کہا کہ آپ بمعہ ساتھیوں کے تشریف لائیں اور اس مکان میں قیام
کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب تک مالک مکان کی زیارت نہیں کریں گے ہم قیام
نہیں کریں گے۔ خادم نے کہا کہ آپ سر دست حضرت کے حکم کی تعمیل کریں بعد میں آپ
کی زیارت بھی ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایک شاندار مکان میں قیام کیا۔ تھوڑی دیر
بعد خادم کھانا لے آیا۔ آپ کے ساتھیوں نے کھانے کی طرف توجہ کی لیکن حضرت شیوخ العالمؒ
نے فرمایا کہ میں تو شیخ محترم کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا۔ خادم نے یہ بات حضرت شیخ
تک پہنچائی۔ تو حضرت شیخ الشیوخؒ نے کہلا بھیجا کہ میں نے سات روزوں کی نیت کر
رکھی ہے۔ اس لئے آپ کھانا کھالیں۔ خادم نے واپس آکر جب شیخ الشیوخ کا یہ
حکم بتلایا تو آپ نے کہا میں بھی سات روزوں کی نیت کرتا ہوں۔ (جان لیں کہ شیوخ العالم
حضرت گنج شکرؒ کا لقب ہے اور شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدینؒ کا لقب ہے۔)
دوسرے دن شیخ الشیوخ شہاب الدینؒ نے حکم دیا کہ تم میں سے جو شخص
بیعت کی نیت سے آیا ہے وہ جنگل میں جائے اور میرے گھوڑوں کے لئے خشک گھاس
لائے۔ حضرت شیوخ العالمؒ اور لعل شہباز قلندرؒ اگرچہ بیعت کی نیت سے نہیں آئے
تاہم اپنے ساتھی کی رفاقت کی خاطر ان کے ہمراہ جنگل میں گئے۔ شیخ داؤدؒ اور شیخ محمودؒ
جنگل سے سبز گھاس لائے۔ لیکن حضرت شیخ بہاؤالدینؒ خشک گھاس۔ جب شیخ الشیوخؒ
نے ان تینوں کے گھاس پر نظر ڈالی تو خادم سے فرمایا کہ "بہاؤالدین سے پوچھو کہ تم سبز

چراگاہ سے خشک گھاس کیوں اٹھا لائے ہو" حضرت بہاؤالدینؒ نے عرض کیا کہ حضرتؒ میں نے دیکھا کہ سبز گھاس خدا تعالیٰ کی یاد میں محو ہے لہٰذا میں نے اسے چھوڑا اور خشک گھاس لے آیا۔"

دوسرے دونوں حضرات نے عرض کیا کہ چونکہ مویشی سبز گھاس کو رغبت اور شوق سے کھاتے ہیں اس لئے ہم سبز گھاس لے آئے ہیں۔ ان کی باتیں اور دلائل جب خادم نے حضرت کے گوش گذار کیں تو آپ نے ہر ایک کی نیت کو پسند فرمایا اور سب کی استعداد معلوم کر لی۔

حضرت شیخ الشیوخؒ نے ادائے طعام کے بعد تینوں کو طلب فرمایا تینوں ساتھی دروازہ پر پہنچے تو دیکھا کہ اندر مکان میں دو آدمی گرفتار کر کے لائے گئے اور انہیں حضرت کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ جب تینوں حضرت کے پاس پہنچے تو آپ کے ساتھ کھانا تناول کیا اس دوران میں انہوں نے دیکھا کہ شیخ الشیوخؒ جو کی روٹی تناول فرما رہے ہیں۔ لعل شہباز قلندرؒ کے دل میں خیال آیا کہ کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت کے پاس اس قدر دولت اور زر و جواہر ہیں لیکن پھر بھی جو کی روٹی کھا رہے ہیں۔

آپ نے شہباز قلندرؒ کے اس خیال کو اپنی باطنی معرفت سے معلوم کر لیا۔ اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے قلندر! "میخ زر در گل زدہ ام نہ در دِل" (یعنی میں نے سونے چاندی اور مال و دولت کی کیل مٹی میں گاڑ رکھی ہے اسے اپنے دل کی زمین میں نہیں گاڑا ہے) اسی دوران میں کپڑے کا وہ پرانا ٹکڑا جو شہباز قلندرؒ نے راستہ میں پھینکا تھا۔ آپ اپنے حجرہ سے نکال لائے اور ان کے حوالے کر دیا، جسے دیکھ کر تینوں حیران رہ گئے۔

ان حضرات کے دل میں خیال آیا کہ دوسرے تمام شکوک تو دور ہو گئے لیکن یہ مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوا کہ وہ دو شخص کون تھے اور انہیں کس جرم کی سزا میں آپ نے قتل کرایا ہے؟ آپ نے کشف الٰہی سے ان کی بات معلوم کر لی اور فرمایا کہ وہ دونوں شخص شیخ داؤد اور شیخ محمود کے نفس تھے جنہیں میں نے متشکل کر کے

قتل کرا دیا ہے۔ اسی اثنار میں شام ہوگئی۔ اور شیخ الشیوخ کے وضو کے لئے کوزہ اور آفتابہ و چلمچی لائی گئی۔ جب آپ کلی اور مسواک کرنے لگے تو شیوخ العالم گنج شکرؒ نے اپنے باطنی نور سے معلوم کر لیا کہ حضرتِ والا کو دانت کی تکلیف ہے۔ اسی عالم میں آپ نے التجا کی کہ اے اللہ! اپنے ولی کو دانتوں کی تکلیف سے شفا عطا فرما۔ خدا کی طرف سے القار ہوا کہ یہ ہماری مقرر کردہ تقدیر ہے۔ آپ نے پھر التجا کی۔ کہ اگر تقدیر اس طرح ہی ہے تو اے مولا ان کا درد دُور فرما دے اور یہ درد مجھے لگا دے۔ اسی لمحہ حضرت شیخ الشیوخ کے دانت کا درد تو ختم ہوگیا لیکن حضرت فریدالدین شکر گنجؒ کو وہ درد لاحق ہوگیا۔

جب شیخ الشیوخ کو اس صورتِ حال کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ میرے درد کی تو کسی شخص کو بھی خبر نہیں تھی تمہیں اس کا علم کیسے ہوگیا؟ اور تم نے بلا وجہ اپنے آپ کو درد میں کیوں مبتلا کر لیا تو حضرت گنج شکرؒ نے عرض کیا درویش کا یہی وطیرہ ہوتا ہے کہ جس ذات سے اُسے محبت ہوتی ہے وہ اس کی تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی یہ تکلیف دُور کر دے۔ لیکن اگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو وہ تکلیف خود لے لیتا ہے۔ آپ کا یہ جواب سُن کر انہوں نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ! گنج شکر کا درد بھی دُور فرما دے۔ چنانچہ یونہی ہوا اور درد اسی لمحہ کافور ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے شیخ شہاب الدینؒ سے عرض کیا۔ "حضرت دُعا فرمائیں کہ میں اپنے پیر و مرشد تک پہنچ جاؤں اور اپنے نفس اور شیطان لعین کے شر سے محفوظ رہوں۔"

شیخ الشیوخ نے فرمایا کہ شیطان تم پر اثر انداز نہیں ہو سکے گا۔ حضرت گنج شکرؒ نے پھر عرض کیا۔ کہ "دُعا فرمائیں کہ میرے تمام مقاصد کی تکمیل ہو جائے۔" تو آپ نے ان کے حق میں دُعا فرمائی۔ نیز اپنی تصنیف کردہ کتاب "عوارف المعارف" بھی عطا کی اور ساتھ ہی ہدایت بھی فرمائی کہ اسے اپنے شیخ کی حاضری تک مطالعہ میں رکھنا۔ اس کے بعد آپ اجازت طلب کر کے دہلی چلے آئے۔

وجہ تسمیہ گنج شکر

"سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ آپ دہلی تشریف لائے تو حضرت قطب الاقطابؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کے وقت اس مجلس میں قاضی حمید الدین ناگوریؒ، مولانا علی کرمانیؒ، سید نور الدین غزنویؒ، شیخ نظام الدین ابو المواتدؒ، مولانا شمس الدین ترکؒ اور خواجہ محمودؒ جیسی عظیم شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ ان تمام بزرگوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ گنج شکر کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمائے۔

بیعت کے بعد آپ نے پیر و مرشد سے عرض کی کہ بندہ کو ریاضت و مجاہدہ کی اجازت مرحمت فرمائیں تو حضرت قطب الاقطابؒ نے فرمایا کہ مسلسل تین دن کا روزہ رکھنا اور تین دن گذرنے کے بعد غیب سے جو چیز بھی حاصل ہو اس کے ساتھ روزہ افطار کر لینا۔ چنانچہ آپ نے تین دن کا روزہ رکھا۔ تین دن کے بعد افطار کا وقت آیا تو ایک شخص چند روٹیاں لیکر حاضر ہوا۔ آپ نے سمجھا کہ شاید یہی وہ غیب کی طرف سے کھانا ہے جس کی جانب حضرت مرشد نے اشارہ فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے وہ روٹیاں کھالیں اور روزہ افطار کیا۔ افطار کے بعد آپ نے نگاہ اٹھائی تو سامنے درخت پر ایک سیاہ کوا بیٹھا نظر آیا جس کے منہ میں کوئی بدبودار مردار تھا۔ اسے دیکھ کر آپ کو متلی ہوئی اور جو کچھ کھایا تھا، قے کے ذریعے باہر نکل گیا۔

آپ نے یہ واقعہ حضرت قطب الاقطابؒ کو سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تین دن کے روزہ کے بعد تم نے جو روٹیاں کھائی تھیں، وہ ایک شراب فروش کی طرف سے آئی تھیں۔ خدا کا شکر ہے کہ انہیں تمہارے معدہ نے قبول نہیں کیا اور وہ سب قے کے ذریعہ نکل گئیں۔ البتہ برخوردار تمہارا وہ مسلسل روزہ نامکمل رہ گیا ہے۔ اب اسے مکمل کرنا تمہارے لئے ضروری ہے چنانچہ اس کے بعد آپ نے تین دن مسلسل روزہ رکھا۔ جب کل چھ دن پورے ہو گئے تو افطار کے وقت کوئی کھانے کی چیز آپ کو دکھائی نہ دی حتیٰ کہ پورا ایک پہر گذر گیا۔ جب جسم میں نقاہت بڑھ گئی۔ اور طبیعت بے حد نڈھال ہو گئی۔ تو آپ شدت ضعف سے زمین پر گر پڑے۔ زمین پر ہاتھ پڑا تو ایک سنگریزہ ہاتھ میں آگیا۔ آپ نے اسے منہ میں ڈالا تو وہ مصری کا ٹکڑا تھا۔ لیکن اس خدشہ کے پیش نظر کہ شاید یہ بھی

کہیں شیطان کی طرف سے کوئی چال نہ ہو۔ آپ نے اسے منہ سے نکال دیا حتیٰ کہ جب آدھی رات ہوئی اور ضعف انتہائی حدود کو جا پہنچا تو آپ نے پھر چند سنگریزے منہ میں ڈالے تو وہ بھی حسب سابق مصری اور کھانڈ بن گئے۔ حکیم سنائی نے کہا ہے:

سنگ در دستِ تو گوہر گردد

زہر در کامِ تو شکر گردد!

بعد ازاں آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ شیطانی چکر نہیں بلکہ خواجہ قطب الاقطابؒ کے ارشاد کے مطابق غیب کی طرف سے عطا کردہ غذا ہے اور اس سے افطار حلال ہے۔ آپ نے چند سنگریزے کھا لئے۔ جب آپ نے دن کے وقت اس کا ذکر اپنے مرشد سے کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ وہ سنگریزے کھائے وہ فی الواقع تمہیں غیب سے غذا کے طور پر عطا کئے گئے تھے اب آئندہ کے لئے تم شکر کی طرح شیریں رہو گے چنانچہ اس دن سے آپ کا نام گنج شکر مشہور ہو گیا۔

'سیر العارفین' میں منقول ہے کہ ایک دن آپ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ضعف اور نقاہت کی وجہ سے آپ کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔ اتفاقاً پاؤں پھسلا اور آپ زمین پر گر گئے۔ اسی دوران میں مٹی کے چند چھوٹے ٹکڑے آپ کے منہ میں چلے گئے۔ اور منہ میں جا کر شکر بن گئے۔ اس دن سے آپ شکر گنج مشہور ہو گئے۔

'اخبار الاخیار' میں روایت ہے کہ چند تاجر بوریوں میں شکر بھر کر جا رہے تھے۔ آپ نے ان سے تھوڑی سی شکر طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ یہ شکر نہیں نمک ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا نمک ہی ہو گا۔ آگے جا کر ان تاجروں نے جب بوریاں کھولیں تو دیکھا کہ اُن سب بوریوں میں نمک ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضرت ان بوریوں میں دراصل شکر تھی لیکن ہم نے غلط بیانی کی جس کی ہمیں یہ سزا ملی کہ وہ نمک بن گئی ہے خدارا دعا فرمائیں کہ نمک دوبارہ شکر میں تبدیل ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے دعا کی اور وہ نمک شکر میں تبدیل ہو گیا تو آپ کو اس دن سے گنج شکر کہا جانے لگا۔

کان نمک جہاں شکر شیخ بحر و بر
کان از شکر نمک کند و از نمک شکر

"گلشن اولیاء" کا مصنف بیان کرتا ہے۔ کہ آپ کو بچپن میں شکر سے بڑا لگاؤ تھا۔ والدہ محترمہ انہیں نماز کا عادی اور پابند بنانا چاہتی تھیں۔ تو انہوں نے یہ تدبیر کی کہ مصلیٰ کے نیچے شکر رکھ دیتیں اور کہتیں کہ پہلے نماز پڑھو پھر اللہ تمہیں شکر دے گا۔ ایک روز اتفاق ایسا ہوا کہ کسی مصروفیت کی وجہ سے والدہ شکر رکھنا بھول گئیں۔ آپ حسب معمول مقررہ وقت پر آئے نماز پڑھی اور حسب سابق مصلیٰ کے نیچے سے شکر اٹھا کر کھانی شروع کر دی۔ پہلے جو شکر ملتی تھی وہ کم مقدار میں ہوتی۔ لیکن اس دن دیکھا کہ وافر مقدار ہے۔ آپ نے سیر ہو کر شکر کھائی۔ پھر والدہ سے کہنے لگے کہ آئندہ میں آپ کے سامنے نماز نہیں پڑھا کروں گا۔ کیونکہ آپ تھوڑی مقدار میں شکر دیتی تھیں۔ آج میں نے اکیلے نماز پڑھی ہے۔ تو بے شمار شکر پائی ہے۔ یہ سنا تو والدہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کے بیٹے کی عبادت قبول فرمائی۔

"سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ چلے کے مسلسل روزوں کے بعد آپ نے جناب قطب الاقطابؒ سے مزید ریاضت و مجاہدہ کی اجازت طلب کی اور استفسار فرمایا کہ مناسب ہو تو میں چلہ کشی کروں۔ خواجہ قطب الاقطابؒ نے فرمایا چلہ کشی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس سے شہرت حاصل ہوتی ہے جو کہ ایک سالک کے لئے ضرر رساں ہے۔ عرض کی مجھے شہرت کا تو قطعاً کوئی خیال نہیں تاہم آپ جیسے مناسب سمجھیں۔ خواجہ قطب الاقطابؒ نے فرمایا کہ اگر تم چلہ کشی کرنا چاہتے ہو تو پھر معکوس چلہ کرو۔ اور وہ یوں کہ کوئی ایسی مسجد تلاش کرو جس کے صحن میں کنواں ہو اور کنویں کے کنارے درخت ہو۔ عشاء کے وقت پاؤں میں نوار ڈال کر درخت سے باندھ لو اور کنویں میں الٹے لٹک کر ذکر الٰہی کرو حتیٰ کہ صبح ہو جائے۔ لیکن اس مسجد کے موذن کو اعتماد میں لینا کہ وہ اس کا کہیں ذکر نہ کرے۔

چنانچہ آپ اس قسم کی مسجد تلاش کرنے لگ گئے۔ دہلی اور ہانسی کے تمام علاقے

چھان مارے وہاں تو اس طرح کی مسجد دستیاب نہ ہوئی۔ لہٰذا سفر پر روانہ ہو گئے شہر بہ شہر تلاش کرتے آخر کار ریواڑی کے نزدیک ایسی مسجد مل گئی۔ اس مسجد کا مؤذن خواجہ رشید الدین دراصل ہانسی کا رہنے والا تھا اور اسے آپ سے پہلے سے ہی عقیدت و محبت تھی۔ آپ نے اس مؤذن کو اپنے پروگرام سے مطلع کیا اور اسے تاکید کر دی کہ اس کی خبر کسی اور شخص کو نہیں ہونی چاہیئے۔

الغرض جب عشاء کی نماز کے بعد مسجد خالی ہو جاتی تو وہ مؤذن آپ کے پاؤں میں نوار کی رسی ڈال کر اس درخت سے باندھ کر کنویں میں لٹکا دیتا آپ وہاں اس کنوئیں میں صبح تک اُلٹے لٹک کر خدا کا ذکر کرتے رہتے۔ حتیٰ کہ صبح کے وقت نماز فجر سے قبل ہی وہ آپ کو نکال لیتا۔ آپ رات کو اس میں اُلٹا لٹک کر ذکر الٰہی کرتے اور سارا دن مسجد کے کونے میں مراقبہ میں مشغول رہتے۔ چالیس دن مسلسل یہ عمل جاری رہا۔

اس کتاب کے ناچیز مصنف نے خود اپنی آنکھوں سے وہ کنواں اور مسجد دیکھے ہیں جہاں آپ متواتر چالیس دن اُلٹے لٹکے رہے۔ یہ مسجد ریواڑی سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے اور اب اس کنوئیں کے ارد گرد ایک دیوار بنا دی گئی ہے یہ جگہ لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔

اکثر ملفوظات میں منقول ہے کہ آپ جب چلہ کشی سے فارغ ہو کر حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ کی خدمت میں دہلی آئے تو اتفاقاً ان دنوں حضرت خواجہ بزرگ بھی تشریف لائے ہوئے تھے اور دونوں بزرگ ایک ہی جگہ بیٹھے تھے۔ اب آپ کے ذہن میں یہ کشمکش شروع ہو گئی کہ یہ دونوں ہستیاں میرے لئے قابل صد افتخار ہیں۔ میں ان دونوں میں سے کس ہستی کی قدم بوسی کروں۔ آخر کار بہت سوچ بچار کے بعد آپ نے ان دونوں کے درمیان اپنا سر سجدہ میں رکھا اور زمین کو بوسہ دینا شروع کیا۔

حضرت خواجہ بزرگؒ کی نظر آپ پر پڑی فرمایا "بابا قطب الدین اس نوجوان کو کب تک مجاہدوں اور ریاضتوں کی بھٹی میں پگھلاتے رہو گے۔ اس لئے اس کو اصل حقیقت کی پہچان کراؤ تاکہ وصال کے صاف و شفاف آب حیات سے فیض یاب ہو سکے" قطب الاقطاب

نے عرض کی کہ آپ کی موجودگی میں بندہ کی بھلا کیا مجال ؟ آپ ہی ارشاد فرمایئے ۔ تو آپ نے کہا کہ بابا مسعود کے مسئلہ کا حل تمہاری توجہ پر منحصر ہے ۔ اس کے بعد خواجہ بزرگؒ اور قطب الاقطابؒ حجرے کے اندر تشریف لے گئے ۔ آپ کو اندر بلایا اور اپنے درمیان میں روبقبلہ بٹھایا ۔ اُن دونوں حضرات نے بیک وقت اپنی توجہات ان پر منعکس کرنی شروع کر دیں اور آپ کو سلوک و معرفت کے بلند ترین مقام تک پہنچا دیا ۔ اس سلسلہ میں ایک بزرگ کا قطعہ ہے :-

بخشش کونین از شیخیں شد درباب تو
بادشاہی یافتی از بادشاہان جہاں
مملکت دنیا و دیں گشتہ مسلّم مر ترا
عالم کن گشت اقطاع تو اے شاہِ جہاں

اس موقعہ پر حضرت خواجہ بزرگؒ نے ارشاد فرمایا کہ فرید الدین ہمارا وہ چراغ ہے جو ہمارے سلسلہ کی روشنی کو زمین و آسمان تک پہنچا دے گا نیز کئی فراموش شدہ سلسلوں کا احیاء کرے گا ۔

" سیر الاولیاء " میں لکھا ہے کہ جب شیوخ العالمؒ ان دونوں حضرات سے فقر کی نعمت اور خرقہ خلافت سے فیضیاب ہو گئے تو عوام الناس آپ کے ارد گرد اس طرح جمگھٹے بنا کر جمع ہونا شروع ہوئے جیسے چاند کے ارد گرد ستاروں کا اجتماع ۔ اس پر حضرت گنجِ شکرؒ قطب الاقطابؒ سے اجازت طلب کر کے ہانسی چلے گئے اور وہاں قیام کر لیا ۔ آپ یہاں بھی مجاہدوں اور ریاضتوں میں مصروف رہتے لیکن بالکل چھپ کر تا کہ کسی کو اس کا علم نہ ہو ۔ حتیٰ کہ ایک دن مولانا نور الدین کو آپ کا پتہ چلا ۔ نور الدین ہانسی آئے یہاں کے لوگوں کو جو آپ کی ذات سے بے خبر تھے ، آپ کے کمالات سے باخبر کیا اور ان کی ایسی تعریف کی جیسے کسی صاحب حکومت و سلطنت بادشاہ کی تعریف کی جاتی ہے ۔ لوگوں کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ آپ پر امڈ پڑے ۔ لوگوں کی بکثرت آمد و رفت سے آپ کو پریشانی ہونے لگی ۔ لہٰذا آپ وہاں سے ہجرت کر کے اپنے قدیم مسکن کوتھوال

میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ مسلسل کنویں میں اُلٹے لٹک کر نمازوں میں مشغول ہو گئے۔ یہ کنواں ابھی تک موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لئے آتے ہیں:

ہر دل کہ در رہ مہر تو آویختہ شد
آویختہ شد عاقبت از کنگرۂ عشق

موضع کوہتوال ملتان کے نزدیک تھا اس لئے لوگوں نے یہاں بھی آپ کی خدمت میں بکثرت آنا شروع کر دیا تو آپ ہجرت کر کے اجودھن جیسے دور افتادہ قصبے میں چلے گئے۔ یہاں کے لوگ بڑے غیر مہذب اور غیر معقول تھے اور انہیں آپ کے کمالات کا نہ علم تھا اور نہ ہی ان کے ساتھ دلچسپی۔ آپ نے زندگی کے بقایا سولہ اور ایک روایت کے مطابق بیس سال اسی قصبے میں گزارے۔

حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ جب خواجہ قطب الاقطابؒ کے وصال کا وقت قریب آیا تو اس وقت شیوخ العالمؒ ہانسی میں تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ بدرالدینؒ نے خواجہ قطب الاقطابؒ سے عرض کی کہ قبلہ آپ کے بعد ہم ناچیز آپ کی جگہ کس شخص کو دیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ "میرا خرقہ، دستار، مصلیٰ، چوبی جوتے اور میرا عصا جو مجھے میرے شیخ حضرت خواجہ بزرگؒ نے عطا فرمایا تھا۔ یہ تمام اشیاء شیخ فرید الدین مسعودؒ تک پہنچا دینا میرے بعد وہی میرا مسند نشین اور خلیفہ ہوگا۔" یہ تمام اشیاء قاضی حمید الدینؒ کے حوالہ بطور امانت سپرد کیں اور خواجہ قطب الاقطابؒ خود عالم بقا کو رحلت فرما گئے۔

شیخ شیوخ العالم گنج شکرؒ کو اس تمام صورت حال کی اطلاع غیبی طریقہ سے اسی رات ہو گئی۔ چنانچہ آپ دہلی کی طرف روانہ ہو گئے حضرت قطب الاقطابؒ کے وصال سے چوتھے دن آپ وہاں پہنچے۔ مزار مبارک پر گئے اور فیض حاصل کیا۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے وہ تمام اشیاء آپ کے حوالہ کیں اور حضرت خواجہؒ نے جو کچھ زبانی ارشاد فرمایا تھا وہ بھی آپ کو پہنچا دیا۔ آپ کافی مدت تک وہیں رہے پھر آپ اجودھن واپس تشریف لائے۔ اجودھن چونکہ آپ کا مسکن بن گیا تھا اس لئے اس کا نام پاک پتن مشہور ہو گیا۔ آپ کے وجود کے طفیل یہ چھوٹا سا دیہہ ہندوستان اور خراسان کے لوگوں کے

لئے قبلہ کی طرح قابلِ احترام قرار پایا۔

"اسرار السالکین" اور "جواہر فریدی" میں مذکور ہے کہ حضرت بدرالدین اسحاقؒ جو آپ کے خلفائے اعظم میں شمار ہوتے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ جب حضرتؒ اجودھن میں تشریف لائے تو ان دنوں اس قصبہ میں ایک ہندو جوگی رہتا تھا جسے استدراج یعنی حیران کُن شعبدے دکھانے کی بڑی صلاحیت حاصل تھی۔ اس نے اپنے جادو کے زور پر اہلِ دیہہ کو اپنا مطیع بنا رکھا تھا۔ چنانچہ قصبہ والے ہفتہ میں ایک دن اپنے مویشیوں کا دُودھ اُس کی نذر کیا کرتے تھے۔ حضرتؒ کے چند مرید بھی معمول کے مطابق اسے دُودھ پہنچاتے۔ آپ نے ایک دن اپنے ایک مرید کو فرمایا رات کو دودھ بھیج دینا۔ اس نے کہا، ہم تو آج رات کا دُودھ ہندو جوگی کو پہنچائیں گے ورنہ وہ ہمیں زک پہنچائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ "وہ جوگی ہندو ہے اور میں مسلمان ہوں اس لئے دُودھ مجھے بھیجنا۔ اس نے اگر تمہیں نقصان پہنچایا تو میں خود اس سے نمٹ لوں گا" چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اس جوگی کو اس صورت کا علم ہوا تو اس نے جوگیوں اور اپنے پیروکاروں کو ہوا پر اور بعض کو زمین پر آپ کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ آپ کو ختم کر دیں۔ لیکن وہ جُوں ہی آپ کے قریب پہنچے تو ہوا والے فضا میں اور زمین والے زمین میں گڑ کر رہ گئے۔ ان تمام کو جوگی نے یوں بے بس پایا تو غضبناک ہو کر اپنی چٹائی پر بیٹھا اور پرواز کرتا ہوا آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے اس سے پُوچھا کہ تم نے اپنے آپکو زیادہ سے زیادہ کس مقام تک پہنچایا ہے۔ اس جوگی نے جواب دیا کہ میں فضا میں پرواز کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی پرواز کا منظر ذرا ہمیں بھی تو دکھاؤ۔ چنانچہ وہ چٹائی پر بیٹھ کر اپنے جوگیوں کے ہمراہ فضا میں پرواز کر گیا۔

آپ نے اپنے جوتوں کو حکم دیا کہ تم بھی اس کے پیچھے پرواز کر جاؤ اور اسے نیچے لے آؤ۔ چنانچہ آپ کے نعلین فضا میں بلند ہوئے اور جوگی کے سر پر مسلسل برسنے لگے حتیٰ کہ اسے مجبوراً نیچے زمین پر اترنا پڑا۔ جوگی اور اس کے چیلوں نے آپکی یہ کرامت دیکھی تو وہ سب کے سب خلوصِ قلب سے اسلام لے آئے۔

آپ نے ان تمام افراد کو چند دن اپنے پاس رکھا انہیں علم دین کی تعلیم دی اور روحانی تربیت کی پھر انہیں تبلیغ دین کے لیے بوستان کی طرف روانہ فرما دیا۔

'سیر الاقطاب' میں آپ کی یہ کرامت مذکور ہے کہ قصبہ دیپال پور میں ایک جوگی رہتا تھا۔ اس کے کانوں میں مُندر یعنی بالیاں لٹکتی رہتیں۔ یہ جوگی اپنے فن میں عظیم دسترس کا مالک تھا۔ اس نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ جس شخص کی توجہ قلبی سے میرے یہ دو مندرے زمین پر گر گئے، میں اس کا مرید ہو جاؤں گا۔

اتفاقاً آپ کا گذر اس جوگی کے پاس ہوا۔ جونہی آپ کی نگاہ اس کے مُندروں پر پڑی تو وہ فی الفور کانوں سے زمین پر آگرے۔ جوگی نے جب یہ دیکھا تو آپ کے کمال کا معترف ہو گیا۔ لیکن مزید امتحان کی خاطر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اب اگر یہی بالیاں زمین میں جذب ہو جائیں اور اسی وقت یہ دو درختوں کی شکل میں نمودار ہو جائیں تو مجھے ان کی عظمت کا مکمل یقین آجائے۔

آپ کو اس کے دل کے خیال کا علم ہوا۔ آپ نے دونوں بالیاں اٹھائیں اور زمین میں دبا دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جوگی کیا دیکھتا ہے کہ دو قدآور درخت رونما ہوئے اور زمین پر سایہ کرنے لگے۔ جوگی نے جب یہ حیران کن واقعہ دیکھا تو آپ کے قدموں میں گر کر توبہ کی، اسلام قبول کیا اور آپ کی خدمت میں رہنے لگ گیا حتیٰ کہ قلیل مدت میں وہ جوگی ایک کامل ولی بن گیا۔

کہتے ہیں کہ وہ دونوں درخت اب تک موجود ہیں اور ان پر جو پھل لگتا ہے۔ اس کی شکل بالکل مُندروں کی طرح ہوتی ہے۔ بہار کے موسم میں ان درختوں پر سرخ رنگ کے بے حد خوبصورت پتے لگتے ہیں۔

'سراج الہدایہ' میں منقول ہے کہ ایک دن ایک حبشی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی حضرت میرا کوئی بیٹا نہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے لڑکا عطا فرمائے۔ اس وقت آپ عالم استغراق میں تھے۔ فرمایا۔ ایک، دو حتیٰ کہ سات تک آپ نے گنتی

فرمائی اور کہا کہ تمہیں سات بیٹے نصیب ہوں گے۔

اس وقت آپ کا ایک طالب علم بھی وہیں بیٹھا تھا۔ آپ کے الفاظ سن کر اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور کہنے لگا مرشد ہے یا خدا؟ لیکن آپ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور اس حبشی کے ساتھ باتوں میں مصروف رہے۔ بہت عرصہ بعد وہی حبشی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے ہمراہ اس کے سات لڑکے بھی تھے۔ اس دن بھی اتفاق سے وہ طالب علم وہاں موجود تھا۔ اور اس کرامت سے حیران و پریشان تھا۔ آپ نے اس طالب علم کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ مولانا میں چالیس سال سے اللہ کی اطاعت میں مصروف ہوں اور جو کچھ وہ فرماتا ہے میں اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ اب چالیس سال کے طویل عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ طاقت عطا فرمادی ہے کہ میں جو کچھ کہتا ہوں اللہ کے حکم سے وہی کچھ ہو جاتا ہے۔" وہ طالب علم آپ کے قدموں میں گر گیا اور معافی مانگ کر آپ کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔

حضرت محمد غوثؒ نے اورادِ غوثیہ میں لکھا ہے ایک رات میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ غیب سے آواز آئی۔ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی حضوری اور قربت کا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے پیش ہو۔ میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بہت بڑا سمندر ہے اور تمام دنیا اس سمندر پر موجود ہے۔ عین درمیان میں ایک انتہائی مرصع اور منقش تخت پڑا ہے جس میں سے جلال و جمال کی شعاعیں نکل رہی ہیں۔ اس کے اوپر ایک شخص بڑے وقار و جلال کے ساتھ تخت نشین ہے۔ اور یہی شخص اس مقام خاص کی حفاظت کر رہا ہے۔ بہت مخلوق جمع ہے مگر اس مقام خصوصی پر ہر شخص کو جانے کی ہمت نہیں۔ صرف چند اشخاص نصف راہ تک پہنچتے ہیں۔ اس عالم میں میں بھی کوشش کر کے اس مقام تک پہنچنے کی سعی کرتا ہوں۔ چنانچہ جب میں تخت کے قریب گیا تو اس محافظ تخت نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنی قمیص اتار کر مجھے عطا کی۔ پھر دو تھال جمالی انوار کے اور تین تھال جلالی انوار کے میرے سر پر نچھاور کیے جن کی برکت سے میرے دل کی دنیا میں یک گونہ اطمینان اور راحت محسوس ہوئی۔ میں نے درخواست کی کہ مزید تھال بھی نچھاور

فرمایئے۔ تو اس محافظ نے کہا کہ تمہاری قسمت میں یہی کچھ تھا۔

میں نے اس محافظِ تخت سے پُوچھا کہ آپ کا اسمِ گرامی کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا "میں فریدالدین گنج شکر ہُوں"۔ میں نے اپنا سر ان کے قدموں پر رکھدیا اور عرض کی کہ حضرت یہ تو فرمایئے کہ یہ کون مقام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "یہ بحرِ ہستی ہے اور یہ تخت اللہ تعالیٰ و تبارک کا ہے۔ اور یہ جو جمال و جلال کی دو صورتیں تم دیکھ رہے ہو ہر نبی اور ولی اس مقام تک پہنچتا ہے اور ان دونوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔ پھر میں نے دریافت کیا کہ کیا اس مقام کے واحد محافظ آپ ہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "نہیں ہم چار اشخاص ہیں، خواجہ بسطامیؒ، خواجہ جنید بغدادیؒ، خواجہ ذوالنون مصریؒ اور یہ درویش فریدالدین"۔

آپ نے پھر فرمایا کہ ہم چاروں افراد باری باری اس مقام کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور جس کی باری میں جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ وہ محافظ اپنی فیض اُس شخص کو عطا کرتا ہے اور اس کی استعداد کے مطابق جلال و جمال کے انوار سے اسے سرفراز کرتا ہے۔ اور یہ سلسلہ قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا۔ میں نے آپ سے پھر دریافت کیا۔ کہ یہ چاروں حضرات تو اُمّتِ محمدیہؐ سے تعلق رکھتے ہیں۔ رسُولِ پاک صلّی اللہ علیہ وسلم سے قبل اس مقام کی حفاظت کا کیا طریقۂ کار تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم چاروں افراد وجودِ عنصری اور جسدِ خاکی کے ظہور سے قبل ہی اس خدمت پر متعین چلے آتے ہیں اور آئندہ بھی ہم ہی متعین رہیں گے۔ اور اس جسمِ خاکی کی وہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"شجرۃ الانوار" جو کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود اودھی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے، میں منقول ہے کہ حضرت گنج شکرؒ کثیر الازدواج تھے۔ چنانچہ آپ کی اولاد بھی کثیر تھی۔ آپ اپنے سب اہل و عیال کو سابقہ مسکن سے منتقل کر کے جامع مسجد اجودھن کے پڑوس میں لے آئے۔ آپ سارا دن مسجد میں اللہ کے ذکر میں گذار دیتے یا پھر کریر اور جال کے درخت کے نیچے قدرے آرام کرتے۔

آپ اور آپ کی اولاد کا کریر کے پھل یعنی ڈیلوں پر یا جال کے پھل یعنی پیلو پر گزارا تھا۔ یہ دونوں پھل بھی اتنی مقدار میں انہیں دستیاب نہ ہوتے کہ ان کا

پیٹ بھر جائے اور وہ سیر ہو جائیں۔ حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ جس دن شیخ العالم فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد کو اور گھر والوں کو یہ دو تو پھل پیٹ بھر کر مل جاتے اس دن ان کی عید ہوتی۔

ایک دن آپ کا خادم ایک پیسہ کا ادھار نمک لایا اور ان پر چھڑک دیا۔ جب یہ چیزیں پیش کی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ آج اسراف اور فضول خرچی کی بو آرہی ہے چنانچہ اس دن آپ نے یہ اشیاء تناول نہ فرمائیں۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپ کی مالی حالت بدل گئی اور ہر طرف سے فتوحاتِ غیبی اور دولت آنی شروع ہو گئی تو آپ وہ تمام دولت اپنے خدام اور مسافروں پر خرچ کر دیا کرتے۔ چنانچہ صبح سے لیکر رات گئے تک آپ کا لنگر جاری رہتا۔ اس دوران جو شخص بھی آتا اسے حسب منشا کھانا مطبخ سے مل جاتا۔ لیکن اس تمام مالی وسعت کے باوجود بھی حضرتؒ اپنے سابقہ طریقہ پر قائم رہے اور آپکی غذا بدستور سادہ رہی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن حسن قوّال نے عرض کی کہ حضرت میں اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کچھ رقم عنایت فرمایئے، تاکہ میں اسے جہیز دے کر باعزت رخصت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا تم جانتے ہی ہو کہ میرے پاس تو کچھ نہیں۔ اس نے عرض کی حضرت آپ کو تو خدا نے بہت طاقت عطا فرما رکھی ہے۔ آپ اس اینٹ کو حکم دیں کہ وہ سونا بن جائے تو وہ سونا بن جائے گی۔

آپ نے قدرے سکوت فرمایا تھوڑی دیر کے بعد آپ نے قوال کو حکم دیا کہ وہ اینٹ اٹھالاؤ۔ قوّال نے ابھی وہ اُٹھائی ہی تھی کہ وہ سونے میں تبدیل ہو گئی۔ قوّال نے عرض کی کہ اگر اجازت دیں تو میں دوسری اینٹ بھی اُٹھالاؤں، تو آپ نے فرمایا کہ نہیں اسی پر اکتفا کرو۔ اس نے عرض کی کہ حضرت ایک بار اجازت دیں میں پھر عرض نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس کے اصرار پر آپ نے اجازت دیدی۔ اس نے دوسری اینٹ اٹھائی تو وہ بھی سونے کی بن گئی۔

اس قوّال نے کہا کہ اگر اجازت دیں تو تیسری اینٹ بھی اُٹھالوں آپ نے فرمایا کہ تم بار بار وعدہ خلافی کر رہے ہو اور اپنی فطرت پر جا رہے ہو۔ حسن قوّال نے عرض

کی کہ حضرت آپ کا زبان ہلانے پر آخر کیا خرچ ہو رہا ہے۔ میں اپنی فطرت کے مطابق طلب کرتا جا رہا ہوں آپ اپنی فطرتِ عالیہ کے مطابق عمل کرتے جائیے اور مجھے عنایت فرماتے جائیے۔ آپ اس کی یہ بات سُن کر مسکرا پڑے۔ آپ نے فرمایا اچھا وہ تیسری اینٹ بھی اُٹھا لو چنانچہ وہ بھی سونے میں بدل گئی۔ وہ قدمبوسی کر کے تینوں اینٹیں لیکر اپنے گھر چلا گیا۔

"سیر العارفین" میں منقول ہے کہ حضرت شیوخ العالم خواجہ فرید الدین مسعودؒ ۵ محرم الحرام کو بیمار ہوئے۔ رات کا وقت تھا۔ نماز عشاء کے بعد آپ پر بے خودی کی حالت طاری ہو گئی۔ جب ہوش میں آئے تو آپ نے مولانا بدر الدین اسحاقؒ سے دریافت کیا کہ "میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے"؟ انہوں نے عرض کی کہ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا "میں دوبارہ عشاء پڑھنا چاہتا ہوں کیونکہ پتہ نہیں کیا ہو جائے"۔ چنانچہ اس رات عشاء کی نماز تین بار ادا فرمائی۔ پھر آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا، وضو کیا اور دو رکعت نماز نفل ادا کی اور سجدہ ریز ہو کر "یا حی یا قیوم" پڑھتے ہوئے اس عالم فانی سے عالم باقی کی طرف سدھار گئے۔ ۵ محرم ۶۶۴ھ بروز منگل آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی کل عمر مبارک ۹۵ سال تھی۔ آپ کا مزارِ مبارک اپنے حجرہ خصوصی میں اجودھن قصبہ میں بنایا گیا۔

آپ کے پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

اولاد:- ① آپ کے بڑے بیٹے شیخ نصیر الدینؒ کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے مگر پوری توجہ کے ساتھ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے۔

② دوسرے بیٹے شیخ شہاب الدینؒ تھے، جو فوج میں ملازم تھے اور سلطان المشائخؒ کے ساتھ انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔

③ تیسرے بیٹے شیخ بدر الدین سلیمانؒ تھے جو حضرت گنج شکرؒ کے بعد برادران اور خلفاء کے باہمی مشورہ اور اتفاق رائے سے سجادہ نشین ہوئے اور وصال کے بعد آپ کے روضہ شریف میں ہی دفن ہوئے۔

④ چوتھے بیٹے شیخ نظام الدینؒ تھے۔ اُن کے ساتھ حضرتؒ کو بے حد اُنس اور پیار تھا اور عزیز ترین بیٹے تھے۔ جنگ کرنے میں بڑے بہادر اور نڈر تھے۔ جب ہندوؤں کے لشکر

نے اجودھن پر حملہ کیا تو اس دوران آپ جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ آپ کی لاش کو تلاش کیا گیا لیکن وہ دستیاب نہ ہو سکی۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ان کی قبر قلعہ رنتھمبور میں ہے، جو زیارت گاہ ہے۔

⑤ پانچویں فرزند، جو سب سے کم عمر تھے ان کا نام شیخ یعقوبؒ تھا۔ ان کی زندگی سیر و سیاحت میں بسر ہوئی۔ آخر کار رجال الغیب انہیں اٹھا کر قصبہ امروہہ میں لے گئے اور وہیں ان کا مزارِ مبارک ہے۔

① آپ کی سب سے بڑی بیٹی کا نام بی بی مستورہ تھا، جو زندگی بھر ذکرِ الٰہی میں مصروف رہیں۔

② دوسری بیٹی کا نام بی بی شریفہ تھا۔ جو حضرت بدرالدین اسحاقؒ کے نکاح میں آئیں۔ ابھی آپ کے بطن سے کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی تھی کہ ان کی وفات ہو گئی۔

③ تیسری بیٹی بی بی فاطمہ تھیں، جو بی بی شریفہ کی وفات کے بعد خواجہ بدرالدین اسحاقؒ کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے ایک خواجہ محمدؒ اور دوسرے خواجہ موسیٰؒ۔ مولانا بدرالدینؒ کے وصال کے بعد یہ دونوں بیٹے اجودھن میں ہی رہتے تھے لیکن دونوں کی مالی حالت بے حد خستہ تھی۔ اس لئے حضرت سلطان المشائخؒ اپنے ہمراہ دہلی لے گئے اور وہاں ان کی معاشی حالت بہتر ہوئی۔ ان کی نسل میں سے کئی افراد آج تک حضرت سلطان المشائخؒ کے روضہ شریف کے مجاور ہیں۔ حضرت گنج شکرؒ کے پوتے اور پڑپوتے بے شمار تھے اور ان سب کی تفصیل لکھنا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ (مطلوب الطالبین)

'سیر الاولیا' میں مذکور ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے تمام صاحبزادوں نے باہم مشورہ کر کے یہ فیصلہ کیا کہ آپ کا مزارِ مبارک قلعہ سے باہر شہدا کی قبروں کے نزدیک تیار کیا جائے۔ اس لئے آپ کے تابوت کو باہر لائے۔ شیخ نظام الدین لشکریؒ جو آپ کے عزیز ترین بیٹے اور حضرت گنج شکرؒ کو بے حد محبوب تھے، وہ اس وقت سلطان غیاث الدین بلبنؒ کے پاس قصبہ پٹیالی میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شیوخ العالم نے

انہیں اپنی خدمت میں طلب فرمایا ہے۔

چونکہ شیخ نظام الدینؒ ان دنوں غیاث الدین بلبن کے ہاں فوجی کی حیثیت سے ملازم تھے۔ اس لئے صبح کو انہوں نے بادشاہ سے گھر جانے کی اجازت طلب کی۔ بادشاہ نے اجازت دے دی تو آپ اجودھن کو روانہ ہوئے۔ جس رات آپ نے رحلت فرمائی اس رات آپ شہر تک آپہنچے تھے۔ مگر چونکہ قلعہ کا دروازہ بند تھا اس لئے اندر نہ جاسکے حضرتؒ نے رحلت کے وقت فرمایا تھا کہ نظام الدین پہنچ تو گیا ہے، لیکن کیا فائدہ؟ ہم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ صبح کے وقت جب آپ کی نعش مبارک کو شہر سے باہر لایا گیا تو شیخ نظام الدینؒ شہر کے دروازہ پر موجود تھے آپ نے دریافت کیا کہ حضرت کو کہاں دفن کرنے کا ارادہ ہے تو اُن میں سے بعض نے جواب دیا کہ قلعہ سے باہر اور شہیدوں کے مقابر کے نزدیک قبر بنانے کا خیال ہے، کیونکہ آپ اس جگہ پہلے قیام پذیر و مشغول بھی رہے تھے۔

آپ نے کہا کہ اگر تم نے والد گرامیؒ کی قبر مبارک وہاں بنائی تو کوئی شخص بھی تمہیں اچھا نہیں کہے گا۔ کیونکہ جو شخص مزار مبارک پر حاضری کے لئے آئے گا باہر سے ہی زیارت کر کے چلا جائے گا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ شہر کی فصیل کے اندر حجرہ خاص میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ آپ کے مشورہ کے مطابق آپ حجرہ میں دفن کئے گئے۔

مشائخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ کا روضۂ مبارک اس وجہ سے تنگ اور مختصر ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ نے آپ کے وصال کے بعد یہ اہتمام کیا کہ پاک مٹی سے اینٹیں تیار کی گئیں۔ ہر اینٹ کو پکانے کے بعد تین بار دھویا گیا پھر ہر ایک اینٹ پر تین تین بار سورۂ اخلاص، جس کا ثواب ایک قرآن پاک کے ختم کے برابر ہے، پڑھ کر پھونکی گئی۔ راج اور مزدور جو تعمیر کے کام پر مقرر تھے، ان کو پابند کیا گیا کہ تعمیر کے وقت باوضو ہو کر کام کریں۔ اس تمام اہتمام کو ملحوظ رکھ کر آپ کا روضۂ مبارک تعمیر ہوا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ ان شرائط کی پابندی کی وجہ سے وسیع روضہ نہیں بن سکتا تھا۔

"اسرار کمالیہ" میں ذکر ہے کہ جب حضرت شیوخ العالمؒ کا وصال ہوا اس وقت حضرت سلطان المشائخؒ موجود نہ تھے جیسا کہ "سیر الاولیاء" میں بھی لکھا گیا ہے۔ وصال کے

بعد جب آپ اجودھن المعروف پاکپتن تشریف لائے۔ اور حضرت شیخؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو اپنے مرشدؒ کے روحانی اشارہ کی وجہ سے آپ نے صاحبزادوں کو کہا کر حضرتؒ کو ان کے مخصوص حجرہ میں دفن کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ حضرتؒ پہلے گنج العلمؒ کے مقام پر مدفون تھے۔ لیکن بعد میں آپ کے تابوت کو وہاں سے آپ کے خصوصی حجرہ میں منتقل کیا گیا۔

بہشتی دروازہ

جب حضرت شیوخ العالمؒ کے تابوت کو وہاں سے نکال کر حجرۂ خاص کی طرف لے جا رہے تھے تو حضرت سلطان المشائخؒ بھی آپ کے جنازہ میں شریک تھے۔ اور انہوں نے بھی تابوت کا ایک پایہ اٹھایا ہوا تھا کہ یکایک حضرت سلطان المشائخؒ غش کھا کر گر پڑے اور پایہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ پایہ حسب سابق اونچا ہی رہا اور اس میں کوئی جھکاؤ نہ آیا۔ حتیٰ کہ حجرۂ خصوصی تک تابوت کے صرف تین پایوں کو پکڑے پہنچایا گیا۔ جب حضرت سلطان المشائخؒ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت کی قبر مبارک اس جگہ تیار کرو۔ آپ کے ساتھیوں نے آپ سے پوچھا کہ حضرتؒ آپ بے ہوش کیوں ہو گئے تھے؟ تو آپ نے جواب دیا "کہ جب میں تابوت کا پایہ پکڑے ہوئے تھا تو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پایہ مجھ سے لے لیا اور اسے سہارا دیکر حجرۂ خصوصی تک پہنچایا۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں بھی اپنے دوست کے جنازہ میں شرکت کروں گا۔" چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ جونہی مجھ ناچیز کے کانوں تک پہنچے تو میں غش کھا کر گر گیا۔ وہ پایہ جو میں نے اٹھا رکھا تھا بعد میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھے مبارک پر اٹھا لیا۔ آخر کار سلطان المشائخؒ کی مقرر کردہ جگہ پر قبر مبارک تیار کی گئی۔ اور وہ جگہ جہاں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک پڑا تھا اس جگہ کو بہشتی دروازہ کہا جانے لگا۔

کتابوں میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ جس شخص کا قدم اس جگہ پر پڑ جائے جہاں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رکھا تو وہ شخص بہشتی ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے کہ اس دروازہ سے جب داخل ہوں گا تو ممکن ہے میرا قدم اس جگہ پر پڑے

جائے جہاں حضور مبارک صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم رکھا تھا اور میں بہشتی ہو جاؤں۔ بہشتی دروازہ کی پیشانی پر یہ الفاظ درج ہیں: مَنْ دَخَلَهٗ کَانَ آمِنًا۔

فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

بعض بزرگوں نے بہشتی دروازے کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ حضرت شیوخ العالمؒ کا ایک عقیدت مند ملتان میں رہا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کو غیبی آواز سنائی دی کہ آج جس شخص کو آپکی زیارت نصیب ہوگی وہ بہشتی ہوگا۔ چنانچہ حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ ایک ہاتھی یا ڈولی پر سوار ہو گئے اور اس کو ملتان کے تمام گلی کوچوں میں پھرایا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ زیارت کریں اور بہشتی ہو جائیں۔ لیکن حضرت بابا صاحبؒ کا عقیدت مند مرید جو ملتان میں رہتا تھا، اس نے یہ جب آواز سنی اور حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کی سواری دیکھی کہ قریب آپہنچی ہے تو وہ چھپ گیا اور پاکپتن کی طرف روانہ ہوا۔

جب یہ شخص شیوخ العالمؒ کی خدمت میں پہنچا اور قدم بوس ہوا تو آپ نے دریافت کیا کہ میرے بھائی بہاؤالدین ذکریاؒ کا کیا حال ہے؟ اس نے عرض کی کہ انہیں تو خدائی الہام ہوا ہے کہ جو شخص آج ان کی زیارت کرے گا، وہ جنتی ہو جائے گا۔ اس لئے وہ سوار ہو کر ملتان کے گلی کوچوں کا چکر لگا رہے تھے۔

آپ نے اس شخص سے دریافت فرمایا کہ پھر کیا تم نے بھی اُن کی زیارت کی؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں! میں نے تو نہیں کی۔ آپ نے پوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ حضرت میں نے دل میں خیال کیا کہ میں تو اُن کی زیارت کر کے بہشتی ہو جاؤں گا لیکن خدا معلوم میرے مرشد کس پاک مقام پر ہوں گے۔ میں یہ قطعاً گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ میں اپنے مرشدِ پاک سے اگلے جہان میں جُدا رہوں۔ چنانچہ میں بغیر زیارت کئے چھپ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ جب آپ نے اپنے اس مرید کا یہ جذبہ اور شوق دیکھا۔ اُس کے حسنِ ارادت سے متاثر ہوتے اُس کو شاباش دی اور آفرین کہی۔

پھر آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ میرے بھائی بہاؤالدین اس نوبت پر پہنچ گئے کہ اپنے آپ کو گلی کوچوں میں پھراتے ہیں۔ حالانکہ اس فقیر کو ہر روز اسی طرح کی آوازیں

دن میں کئی بار سنائی دیتی ہیں۔ لیکن میں اس بات کی خبر اور اطلاع بھی کسی کو نہیں دیتا۔"

اسی دوران غیب سے آواز آئی کہ اے فرید الدین گنج شکر۔ آپ تسلی رکھیں کہ میں نے تمہیں صابروں کے گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ "اَلصَّبْرُ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ" (صبر تمام خوشیوں کے لئے شاہ کلید کا کام دیتا ہے) تمہیں مبارک ہو کہ تمہارے اس صبر کی وجہ سے میں نے تمہیں یہ اعزاز بخشا ہے کہ جو شخص بھی تمہاری زیارت کرے گا۔ وہ بہشتی قرار پائے گا۔ اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ اسی وجہ سے اس دروازہ کو بہشتی دروازہ کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۴۰)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ سلطان العاشقین، محبوب الٰہی، حضرت خواجہ

نظام الحق والدین محمد ابن احمد بداؤنی بخاری

رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ

آپ خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے خلیفہ اور قائم مقام تھے۔ آپ کا نام مبارک محمد بن احمدؒ بن علی بخاریؒ، اور لقب سلطان المشائخ، اور محبوب الٰہی اور نظام الدین اولیاء ہے۔

"اخبار الاخیار" "مطلوب الطالبین" اور "شجرۃ الانوار" میں مذکور ہے کہ آپ کے دادا محترم جناب خواجہ علی بخاریؒ اور آپ کی والدہ کے دادا خواجہ عربؒ دونوں بخارا سے تشریف لائے تھے۔ کافی عرصہ تک لاہور رہے پھر بداؤں چلے گئے۔ بداؤں اس دور میں مسلمانوں میں قبلہ کی طرح قابلِ احترام شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے اسی شہر میں اقامت فرمائی۔

دونوں بزرگ دینی اور دنیاوی دولت سے مالا مال تھے۔ اتفاقاً ان دونوں کے درمیان رشتۂ قرابت بھی قائم ہو گیا اور وہ اسطرح کہ خواجہ عربؒ نے اپنی بیٹی بی بی زلیخاؒ کا نکاح خواجہ احمدؒ سے کر دیا۔ پھر ان دو شخصیتوں کے ملاپ سے ایک گوہر نایاب پیدا ہوا۔ جن کا اسم گرامی سلطان المشائخ مشہور ہوا کسی بزرگ نے آپ کے بارے میں کہا ہے ؎

آفریں خدائے بر پدرے
کہ ازو ماند ایں چنیں پسرے

(خدا کی لاکھوں رحمتیں ہوں اس باپ پر جس کی پشت سے ایسا لڑکا متولد ہوا)

"سیر اولیاء" میں مذکور ہے کہ آپ کی ولادت بتاریخ ۲۷ صفر المظفر، ۶۳۶ھ بروز آخری چہار شنبہ بعد طلوع آفتاب ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال آخری چہار شنبہ ماہ صفر میں آپ کی سالگرہ کے دن آپ کے مزار مبارک کو غسل دیا جاتا ہے۔ پھر اس پانی کو محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ جو مریض اس پانی کو پیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے شفا عطا فرما دیتے ہیں۔

"سیر العارفین" میں منقول ہے کہ ابھی آپ کی عمر پانچ سال کی تھی کہ آپ کے والدِ گرامیؒ ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے آپ کی والدہ محترمہ جو اللہ کی ولیہ تھیں، انہیں رات کو

خواب میں بتایا گیا کہ تم اپنے خاوند اور بیٹے میں سے کسی ایک کو رکھ سکتی ہو۔ تمہیں اختیار ہے۔ آپ کی والدہ نے اپنے بیٹے کو منتخب کر لیا۔ صبح آپ نے اس خواب کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ لیکن اس خواب کی وجہ سے انہیں خواجہ احمدؒ کی زندگی سے مایوسی ہو گئی۔ اس لئے خواجہ احمدؒ کو بغیر کسی پرہیز کے کھانے پینے کی تمام اشیاء دیتی رہیں۔ جلد ہی حضرت خواجہ احمدؒ کا انتقال ہو گیا۔

آپ کے والدین یعنی والدہ اور والد دونوں اللہ کے عظیم بزرگ تھے۔ چنانچہ تذکرۃ الاولیاء میں آیا ہے کہ سلطان المشائخؒ کے والد مادر زاد ولی تھے جب آپ کی ولادت ہوئی تو اس وقت بھی آپ کی زبان پر کلمۂ توحید تھا یعنی خدا کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دے رہے تھے۔

آپ کے والدؒ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک فاضل عالم بن چکے تھے آپ کے علم و فضل کی بنا پر بادشاہ وقت نے آپ کو قصبہ بداؤں کا قاضی مقرر کر دیا۔ لیکن چونکہ قضا کا عہدہ آپ کے مزاج کے موافق نہ تھا اس لئے چند دن کے بعد ہی اس سے دستبردار ہو گئے۔ تنہائی اختیار کر لی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو گئے اور دُنیا کو اپنے نورِ ولایت سے منور کرنے لگے۔ آپ خواجہ علی بخاریؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور آپ کا روحانی سلسلہ چند واسطوں سے حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ تک جاتا ہے۔

سیر الاولیاء میں منقول ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ محترمہ اللہ تعالیٰ کی ایک مقرب ولیہ تھیں۔ انہیں جب کوئی معاملہ در پیش ہوتا تو وہ وقوع سے قبل خواب میں سب کچھ دیکھ لیتیں اور جب بھی کوئی حاجت ہوتی تو اپنا دوپٹہ سر سے اتار کر اپنے سامنے رکھ لیتیں۔ پانچ سو بار درودِ پاک کا وظیفہ کرتیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے التجا کرتیں۔ تو اللہ کے کرم سے وہ مسئلہ حل ہو جاتا۔

چنانچہ ایک بار یوں ہوا کہ آپ کی خادمہ بھاگ گئی چونکہ گھر میں کوئی اور خادم نہیں تھا اس لئے کافی مشکل پیش آئی تو آپ نے اپنے سر سے دوپٹہ اتار کر اپنے سامنے رکھ کر خدا سے عرض کی "میں اس وقت تک اپنے سر پہ دوپٹہ نہ لوں گی جب تک میری خادمہ واپس نہیں آجاتی"۔ اسی دوران میں اچانک غیب سے ایک شخص دروازہ پر آیا اور آواز

دی کہ آپ کی مفرور خادمہ لے آیا ہوں اسے لے لیں۔ میں دروازہ پر گیا اور اس شخص سے خادمہ کو لاکر اپنی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا۔ اور اس واقعہ سے میں متحیر بھی ہوا۔

میں نے کئی ثقہ کتب میں پڑھا ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاںؒ بنیرہ سید جلال الدین سرخؒ اور دیگر کئی مورخوں نے حضرت سلطان المشائخؒ کا شجرۂ نسب صحیح اسناد کے ساتھ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچایا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب والد کی طرف سے اس طرح ہے:

حضرت خواجہ نظام الدین محمد بن خواجہ احمد بن علی بخاری بن سید ابی عبداللہ بن سید حسین بن سید علی بن سید احمد بن سید ابو عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر بن سید امام علی ہادی بن امام محمد جواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین شہید بن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اور والدہ کی طرف سے یوں ہے کہ آپ کی والدہ کے دادا محترم خواجہ عربؒ تھے۔ خواجہ عرب بخاری بن سید ابوالمفاخر بن ابو محمد اطہر بن سید حسین بن سید علی .... آخر تک

ان دونوں شجروں کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ حسنی حسینی سید تھے۔

حضرت سلطان المشائخؒ کی عمر چار سال کی ہوئی تو آپ نے حصول تعلیم کے لئے مکتب میں جانا شروع کیا۔ مختصر مدت میں قرآن پاک حفظ کر لیا بلکہ ساتوں انداز ہائے قرأت و تجوید کے مطابق حافظ قرآن ہوئے۔ اس کے بعد آپ نے دیگر کتب کی تعلیم حاصل کرنا شروع فرمائی۔ "مطلوب الطالبین" میں ہے کہ آپ اس قدر ذہین تھے کہ تمام علماء آپ کی ذہانت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ آپکو علماء مولانا نظام الدین مقرر محفل شکن کے خطاب سے یاد کیا کرتے۔ آپ علم فقہ، حدیث، تفسیر، اصول، ہندسہ، معانی اور منطق وغیرہ میں اس زمانہ کے جید علماء میں ممتاز تھے۔

آپ اگرچہ علوم ظاہری میں مصروف ہونے کی وجہ سے علماء و فضلاء سے صحبت رکھتے تھے لیکن آپ کا پاک دل ہمیشہ باطنی علم کی طلب میں رہتا تھا۔ چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگرچہ ایام جوانی میں مجھے فاضل علماء کی صحبت حاصل تھی لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی خواہش رہتی کہ میں یہاں سے چلا جاؤں اور علم حقیقی کے حصول میں اپنی زندگی بسر کروں۔

"نفحات الانس" میں مذکور ہے کہ آپ علومِ ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہو کر ایک رات دہلی کی جامع مسجد میں قیام فرما تھے کہ سحری کے وقت مینار پر مؤذن نے یہ آیتِ مبارکہ باآواز بلند پڑھی: "اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ" (یعنی اللہ پر ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے خوف سے ڈر کر خدا کی یاد میں لگ جائیں) جوں ہی یہ آیت سنی آپ کی حالت میں انقلابِ عظیم آگیا اور چہرہ سے انوار پھوٹنے لگے۔ صبح ہوئی تو سامانِ سفر اور زادِ راہ کے بغیر شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں روانہ ہو پڑے۔ شیخ موصوف کی خدمت میں حاضری دی اور ان کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حتیٰ کہ شیخ کی خدمت میں رہ کر درجۂ کمال تک جا پہنچے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک شخص پریشانی حالت میں شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت میرا ایک انتہائی قیمتی کاغذ گم ہو گیا ہے۔ اس کاغذ پر میرا لاکھوں روپے کا حساب کتاب درج تھا۔ اگر وہ کاغذ مجھے نہ ملا تو میں مالی لحاظ سے دیوالیہ ہو جاؤں گا۔ آپ نے اسے حوصلہ دلایا اور اپنی جیب سے ایک چونی نکال کر دی کہ جاؤ اس کی مٹھائی خرید کر درویشوں میں تقسیم کر کے اس کا ثواب حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی روحِ مبارک کو پہنچا دو۔ چنانچہ اس نے ایک حلوائی سے مٹھائی خریدی۔ اور وہ مٹھائی فقرا میں تقسیم کر دی مگر تھوڑی سی ایک کاغذ میں لپیٹ کر اپنے لئے رکھ لی۔ جب غور سے اس نے مٹھائی والے کاغذ کو دیکھا تو حیران رہ گیا کہ یہ وہی کاغذ تھا جو گم ہوا تھا اور جس کی تلاش میں وہ پریشان ہو رہا تھا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص نے کسی آدمی سے سو اشرفی لینی تھی لیکن مقروض انکاری ہو گیا تھا۔ اس شخص کے پاس قرضہ کی رسید تو موجود تھی لیکن وہ کہیں ادھر ادھر ہو گئی تھی۔ بہت تلاش کی مگر وہ نہ مل سکی۔ اس شخص نے سلطان المشائخؒ کی خدمت میں تمام صورتِ حال بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! میں تو ایک پیر ہوں اور مٹھائی مجھے بہت بھلی لگتی ہے۔ جاؤ سیر بھر مٹھائی لے آؤ۔ ہم کھائیں گے اور دعا کریں گے کہ اللہ کرے تمہیں وہ رسید مل جائے۔ چنانچہ وہ شخص ایک سیر مٹھائی خرید لایا۔ حلوائی نے وہ مٹھائی ردی

کاغذ میں ڈال کر دی تھی۔ وہ اسی طرح اسے لیکر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ کاغذ کھولو، تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ کاغذ دراصل وہ رسید ہی تھی جو مقروض نے قرض لیتے ہوئے لکھ کر دی تھی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ مٹھائی لے جاؤ خود بھی کھاؤ بچوں کو بھی کھلاؤ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔

سعادت القلوب میں درج ہے کہ پندرہ رجب المرجب بروز چہار شنبہ ۶۵۵ھ میں سلطان المشائخؒ نے حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی بیعت کی سعادت حاصل کی تھی۔ حضرت گنج شکرؒ نے اسی وقت اپنے سر پر جو ٹوپی تھی اسے اتار کر مع خرقہ خلافت اور چوبی کھڑاواں کے سلطان المشائخؒ کے حوالے فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ "نظام الدین ہندوستان کی ولایت میں کسی اور شخص کو دینا چاہتا تھا لیکن تم میری طرف روانہ ہو چکے تھے اور ابھی راستہ میں ہی تھے کہ مجھے غیب سے ایک آواز سنائی دی کہ جلدی نہ کرنا نظام الدین آرہا ہے۔ یہ ولایت اُس کی ہے۔" نیز اُس کتاب میں جو سلطان المشائخؒ کی تصنیف ہے مرقوم ہے کہ ۱۰ ربیع الاول ۶۵۱ھ کو آپ جناب شیخؒ سے خرقہ لیکر دہلی روانہ ہونے کی رخصت کرتے وقت خواجہ فریدالدینؒ نے میری طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا کہ "خدا [illegible] ولایت نظام الدین کے سپرد کر دی ہے۔ اسے اپنا جانشین بنا دیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا ہے۔"

خیر المجالس میں منقول ہے کہ سلطان المشائخؒ نے حضرت گنج شکرؒ سے [illegible] انعام حاصل فرمایا تو دو طرح کی صورت حال پیش آئی تھی۔

ایک یہ کہ ایک رات حضرت شیخ شیوخ العالم بابا فریدالدینؒ پر ساعت کے موسم میں اپنے خواص اور مریدوں کے ہمراہ شب [illegible] مصروف بیٹھے تھے۔ تمام رات مجلس رہی۔ سب [illegible] سلطان المشائخؒ جاگ رہے تھے۔ بابا فریدؒ نے آواز دی "نظام" آپ نے عرض کی "لبیک" فرمایا "میں اپنے بیٹے نظام الدین کو چاہتا ہوں"۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ آپ نے پھر آواز دی۔ سلطان المشائخؒ بیدار تھے۔ آپ نے پھر "لبیک" کہا۔ تو اس وقت بابا فریدؒ نے فرمایا کہ "نظام الدین آؤ اور یہ نعمت لے لو۔ یہ میں اپنے بیٹے نظام الدین کو دینا چاہتا تھا لیکن درحقیقت یہ تمہاری قسمت اور نصیب میں تھا۔" اور اسی روز بابا فریدؒ نے سلطان المشائخؒ کو بہت نعمتوں سے

نوازا۔

دوسری صورت یوں ہوئی کہ ایک دن شیخ بدرالدینؒ کسی کام کے لئے باہر گئے اور جاتے ہوئے سلطان المشائخؒ کو کہہ گئے کہ تم حجرہ کے دروازہ پر بیٹھو۔ پیرومرشد بلائیں تو فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہونا یا کوئی آئے تو حضرت کو اطلاع دے دینا۔ سلطان المشائخؒ دروازے پر بیٹھ گئے۔ اسی دوران شیوخ العالمؒ پر حجرہ میں خصوصی حالت طاری ہوگئی۔ آپ نے اس استغراق کی حالت میں سر سے ٹوپی اتار دی اور یہ رباعی پڑھنی شروع کر دی:

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی! — ہم بہر تو میرم و ز برائے تو زیم

(میری خواہش ہے کہ میں ہمیشہ آپ کی محبت و عشق میں زندہ رہوں۔ میری تمنا ہے کہ میں خاک بن جاؤں اور آپ کے پاؤں کے نیچے روندا جاؤں دونوں جہاں میں مجھ ناچیز کو صرف آپ ہی کی ذات مطلوب ہے۔ میں آپکی خاطر ہی مرنا چاہتا ہوں اور آپ کی خاطر ہی زندہ رہنا چاہتا ہوں۔)

جب آپ نے یہ رباعی ختم کی تو سجدہ ریز ہوگئے۔ اس عالم میں سلطان المشائخؒ حجرہ میں چلے گئے اور آپ کے قدموں میں گر گئے۔ حضرت مرشدؒ نے پوچھا "مانگو کیا مانگنا چاہتے ہو؟" اس وقت حضرتِ مرشدؒ فیاضی پر تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت مرشدؒ سے جو بھی مانگا انہوں نے عطا فرمایا۔

"راحت القلوب" میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں جب مرشد کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے فرمایا بیٹھو۔ میں ادب کے ساتھ بیٹھ گیا اور جیب سے وہ سفارشی خط نکال کر آپ کی خدمت میں پیش کیا، جو مولانا برہان الدین ہانسویؒ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ نے اس خط کا مطالعہ فرمایا اور بندہ سے پوچھا کہ تم دیر سے کیوں آئے ہو؟ میں نے سر جھکا کر عرض کی کہ حضرت میرا جسم تو وہاں تھا لیکن میری روح تو جناب والا کی خدمت میں تھی آپ نے فرمایا "ہاں! واقعی تم ٹھیک کہتے ہو۔ واقعی تمہاری حالت ایسی ہی تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ کئی بار تمہارے دل میں میری محبت اسقدر زیادہ ہوگئی کہ تم کہتے تھے کہ کاش میرے پر ہوتے تو میں اڑ کر مرشد کی خدمت میں پہنچ جاتا۔" اس کے

بعد آپ نے وہاں پر موجود دیگر مریدوں کو فرمایا کہ "راسخ اور پکا مرید ایسے ہوتا ہے جس طرح نظام الدین ہے " پھر آپ نے فرمایا کہ وہ مکتوب جو مجھے بھیجا گیا تھا اس میں ایک بڑی عمدہ اور پیاری رباعی درج تھی، اگر تمہیں یاد ہو تو سناؤ۔ مَیں نے سر جھکا کر بڑے ادب سے وہ رباعی حضرتؒ کو سنانی شروع کی :

زاں روئے کہ بندۂ تو خوانند مرا ۔۔۔ بر بر دمک دیدہ نشانند مرا

لطف و کرمت عنایتے فرمود است ۔۔۔ ورنہ چہ کسم خلق چہ دانند مرا

(چونکہ مَیں آپ کے غلام کے نام سے مشہور ہو گیا ہوں اس لئے مَیں جہاں بھی جاتا ہوں لوگ مجھے اپنی آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کا کرم اور آپ کی نظرِ عنایت کا فیض ہے ورنہ مَیں کیا حیثیت رکھتا ہوں اور لوگ مجھے کیا جانتے تھے۔)

یہ رباعی سُن کر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور آپ نے رقص کرنا شروع کر دیا۔ صبح سے لیکر دوپہر تک آپ رقص میں مشغول رہے۔ اس وجدانی کیفیت سے آپ کو جب قدرے سکون حاصل ہوا تو آپ نے خرقہ و مُصلّیٰ اور چوبی جوُتے مجھے عطا فرمائے اور میرے حق میں دُعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ " بابا نظام! میں تمہیں دہلی بھیجنا چاہتا ہوں لیکن کچھ دن میرے پاس رہو تا کہ میں تمہاری خوب جی بھر کر زیارت کر لوں کیونکہ دوستوں کی زیارت کرنا بہت بڑی غنیمت ہے۔ جب آپ اس لفظ پر پہنچے تو آپ رو پڑے اور آپ کی زبان پر یہ بیت جاری ہو گیا :

دیدار دوستاں بوقت غنیمت است ۔۔۔ چوں یافتیم حیف بود گر رہا کنیم

سلطان المشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں دہلی سے باہر چلا جاؤں اور کسی تخلیہ میں جا کر خدا کی یاد میں زندگی بسر کروں۔ تا کہ کسی شخص کو میرا سراغ نہ ملے اور مَیں سکون سے ذکرِ الٰہی کر سکوں۔ میں نے خدا سے دُعا کی کہ میں یہاں سے کسی تخلیہ والی جگہ جانا چاہتا ہوں۔ لیکن ایسی کوئی جگہ دستیاب نہیں ہو رہی میں کیا کروں۔ غیب سے آواز آئی تم غیاث پور چلے جاؤ۔ مجھے غیاث پور کا کوئی علم نہیں تھا۔ اس لئے میں اپنے دوست کے گھر گیا تا کہ اس سے غیاث پور کا پتہ معلوم

کروں۔ جب میں نے اس دوست کا دروازہ کھٹکھٹایا تو مجھے بتلایا گیا کہ صاحبِ خانہ توغیاث پور گئے ہیں۔ بہر حال میں کسی شخص کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک ویران اور غیر آباد سی جگہ ہے۔ میں نے وہاں دریا کے کنارے ایک کمرہ بنایا اور وہاں رہنے لگا۔ انہی دنوں معز الدین کیقباد جو غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا اپنے دادا کی وفات کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بنا۔ یہی موضع کیلو کھری میں جو غیاث پور کے قریب ہی ایک دیہہ ہے آیا اور تخت نشینی کے بعد اس جگہ کو آباد کرنے اور وہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرنے کا حکم دے گیا۔

خواجہ ابوالحسن المعروف امیر خسروؒ اور اعز الدین علی شاہ اور ان کے والد حسام الدین احمد نے بھی اس زمانہ میں ارادت حاصل کی اور حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں چند دن رہ کر مقامات بلند حاصل کیے۔

سیر الاولیاء میں مرقوم ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ فرماتے تھے جس دن حضرت گنج شکرؒ نے مجھے دہلی کی طرف سفر کے لیے الوداع کیا تھا۔ تو آپ نے زادِ راہ کے طور پر ایک روپیہ عطا فرمایا تھا۔ میں نے آپ کا تبرک لے کر رخصتی کی اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا کہ آج تم میرے مہمان کی حیثیت سے میرے ہاں ٹھہرو۔ تاکہ میں تمہیں جی بھر کر دیکھ لوں چنانچہ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

افطاری کا وقت ہوا تو گھر میں کوئی بھی ایسی چیز نہ تھی جو پکا کر افطاری کی جائے۔ میں نے عرض کی کہ حضرت اگر اجازت ہو تو وہ روپیہ جو آپ نے مجھے زادِ راہ کے طور عطا فرمایا تھا اس سے کوئی چیز خرید لاؤں۔ آپ میری اس بات کو سن کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا "نظام میں نے تمہیں دنیا عطا کر دی ہے"۔ نظام الدینؒ کہتے ہیں کہ آپ کے ان الفاظ کو سن کر میں کانپ اٹھا میں نے دل میں اپنے آپ سے خطاب کیا نظام تم کیا چیز ہو؟ اس دنیا نے تو بڑے بڑوں کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ میرے دل میں یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپ نے فرمایا کہ تمہیں دنیا کی وجہ سے کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عورت میرے صحن میں جھاڑو دے رہی ہے میں نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ میں نے کہا مکار اور فتنہ پرور میرے غریب خانہ سے فوراً

نکل جا۔ وہ منت سماجت کرنے لگی۔ مجھے غصّہ آگیا اُس کا بازو پکڑا اور اس کی گُدّی پر ایک مُکّا مار کر باہر کیا۔ لیکن تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ آگئی اور جھاڑو دینے میں مصروف ہوگئی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ حضرت والاؒ کی عنایت کا نتیجہ ہے۔

"تاریخ ہند" میں لکھا ہے کہ آپ کے لنگر سے بیک وقت تین ہزار دانشمند کھانا کھایا کرتے تھے۔ قرآن پاک کے حفاظ، طلباء دین، مریدین اور قوالوں کی ایک کثیر تعداد اس کے علاوہ ہوتی تھی۔ نیز اس گنتی میں آپ کی خدمت میں آنے اور جانے والوں کو شمار نہیں کیا گیا۔ وہ بھی روزانہ ہزاروں ہوتے تھے۔

"کتاب چشتیہ بہشتیہ" میں مرقوم ہے کہ ایک دن آپ کی خانقاہ کے پاس سے سلطان قطب الدین خلجی کا گزر ہوا۔ دیکھا کہ بے شمار عوام و خواص کی بھیڑ لگی ہے۔ بادشاہ نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ یہ کس شخص کا ٹھکانہ ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہاں حضرت نظام الدین اولیاء کا مقام ہے۔ بادشاہ آپ کی یہ مقبولیت دیکھ کر حسد کی وجہ سے غضبناک ہوگیا اور وزیروں کو حکم دیا کہ انہیں جاکر کہدو کہ میرے اس شہر سے فوراً چلے جاؤ۔ یا کوئی کرامت دکھاؤ۔

اسی لمحہ بادشاہ کے پیٹ میں شدید درد اُٹھا کہ گھر تک پہنچنا بھی دشوار ہوگیا۔ تاہم جب کسی نہ کسی طرح گھر پہنچا تو طبیب طلب کئے گئے۔ انہوں نے بہت زور مارا لیکن درد میں رتی بھر افاقہ نہ ہوا۔ بادشاہ کو محسوس ہوا کہ یہ اس گستاخی کی سزا ہے جو میں نے حضرت کے ساتھ کی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے آدمیوں کو حضرت محبوب الہیٰ کی خدمت میں بھیج کر دعا کی درخواست کی۔

وہ لوگ جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ خدائی فیصلوں میں ناچیز کیا کر سکتا ہے۔ وہ نامراد واپس لوٹ گئے اور آپ کی بات بادشاہ تک پہنچا دی۔ بادشاہ شدتِ درد سے بے حد اذیت اور تکلیف میں تھا۔ اور اسے سکون کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ بادشاہ کی والدہ برداشت نہ کر سکی۔ سواری پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ ایک کاغذ پر شاہی مہر لگا کر پوری

دہلی کی سلطنت میرے نام لکھ دے اور اپنا قارورہ بھی بھیجے، میں تب دُعا کروں گا۔

بادشاہ کی جان پر بنی ہوئی تھی اس نے دہلی کی سلطنت آپ کے نام لکھی اور اوپر شاہی مہر لگا دی نیز اپنا قارورہ بھی آپ کی خدمت میں بھیج دیا جب یہ دونوں چیزیں آپ کے پاس پہنچ گئیں تو آپ نے وہ شاہی مُہر لگا ہوا کاغذ مروڑ کر پیشاب والی شیشی میں ڈال دیا اور فرمایا کہ بادشاہ سے کہو کہ ہم درویشوں کی نظر میں سلطنت دہلی کی قیمت ایک بیمار شخص کے پیشاب کے برابر ہے۔ تاہم آپ نے دعا فرمائی اور بادشاہ تندرست ہو گیا۔

"خیر المجالس" میں مذکور ہے کہ حاسد لوگوں نے بادشاہ کو جا کر کہا کہ حضرت کو آپ کے ساتھ یہ گستاخانہ سلوک نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ کہ آپ کا تو رَد کر دیا مگر آپ کے ملازموں سے نذرانے لے لیتے ہیں۔ آخر یہ امراء کہاں سے لیتے ہیں۔ بادشاہ کا صدقہ ہی تو ہے جو وہاں جا کر پیش کرتے ہیں۔ بادشاہ نے ان لوگوں کی یہ بات سُن کر حکم دے دیا کہ آئندہ میرے لشکر میں سے کوئی شخص حضرتِ شیخ کی طرف جانے کی کوشش نہ کرے۔ اور نہ ہی یہاں سے کوئی چیز حضرت شیخ کے لنگر کی طرف جانی چاہیئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ اپنا یہ بڑا لنگر کیسے چلاتے ہیں؟ آپ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپ نے حکم دیدیا کہ میرے لنگر کا خرچ دوگنا کر دو۔ بادشاہ نے جب دیکھا کہ لنگر پہلے سے بھی زیادہ چل رہا ہے تو اسے بے حد تعجب ہوا۔

"چشتیہ بہشتیہ" میں مسطور ہے کہ بادشاہ کو اس سے مزید حسد پیدا ہوا۔ اس نے شہر میں منادی کرا دی کہ خبردار کوئی دوکاندار آپ کے یا آپ کے خدام کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کرے۔ اس صورتِ حال کا علم جب حضرت شیخ کو ہوا تو آپ نے خدام کو حکم دیا کہ کوئی بات نہیں تم کو جس چیز کی ضرورت ہو دریا سے ذرا پرے جا کر نظام آباد سے لے آیا کرو۔ خدام نے عرض کی کہ حضرت اس نام کا شہر یا دیہہ ہم نے آج تک کوئی نہیں سُنا۔ آپ نے فرمایا کہ دریا کے پار چلے جاؤ گے تو تمہیں خود ہی وہ شہر دکھائی دے گا۔ چنانچہ آپ کے مریدوں نے حکم کی تعمیل کی اور اس طرف روانہ ہو پڑے۔

کیا دیکھتے ہیں کہ بہت بڑا شہر ہے جس میں ہر چیز با افراط پائی جاتی ہے چنانچہ انہوں نے ضروری چیزیں اس شہر کے دکانداروں سے لیں اور جب قیمت کی ادائیگی کرنے

گئے تو ان دو ملازموں نے کہا کہ جاؤ ہم نے کوئی قیمت نہیں لینی۔ کیونکہ یہ شہر اللہ تعالیٰ نے حضرت نظام الدینؒ کی خاطر آباد کیا ہے۔ آئندہ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک لے جایا کرو۔ ہم تم سے کوئی قیمت نہیں لیں گے۔ چنانچہ آپ کے خدام اس غیبی شہر سے اشیاء لاتے اور لنگر میں کھانا تیار کرواتے۔ بادشاہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بے حد نادم ہوا۔

تذکرہ اولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے لنگر کی فراوانی پر حسد کھاتے ہوئے بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ فریدالدینؒ کا عرس آ رہا ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر کوئی چیز ان کے ہاں نہ جانے پائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت اپنے مرشد کا عرس کس طرح مناتے ہیں۔

جب عرس کا دن آیا تو آپ نے اپنے تمام ارادت مندوں کو جمع کر کے دریا کے کنارے محفل سماع منعقد کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تعمیل ارشاد ہوئی۔ جب سماع کی محفل ختم ہوئی تو لوگوں نے کیا دیکھا کہ چند کشتیاں کنارے پر آ گئیں۔ ان کشتیوں میں بے حد منقش اور خوبصورت تھال رکھے ہیں جو انواع و اقسام کے کھانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ نے خواجہ اقبال خادم کو حکم دیا کہ ان تھالوں کو اٹھالو اور تمام مریدوں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ وہ کھانوں سے بھرے ہوئے تھال مریدین میں تقسیم کئے گئے اور چند تھالوں کو مع طعام بادشاہ کے پاس بھیجدیا۔ تاکہ اسے شیخ کی کرامت کا پتہ چل جائے۔

بادشاہ نے وہ انتہائی خوبصورت اور منقش شیشے کے تھال دیکھے تو ان کی زیبائش کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا اور کھانا چکھا تو وہ اس قدر لذیذ کہ اس نے آج تک اتنا مزیدار کھانا زندگی بھر نہ کھایا تھا۔ حیران ہوا اور اسے اپنی حرکات پر بے حد شرمندگی ہوئی۔

چشتیہ بہشتیہ میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے گھر فاقہ تھا۔ تو آپ نے سلطان المشائخؒ کو فرمایا "نظام الدین جاؤ اور کوئی پکی ہوئی چیز لے آؤ"۔ خواجہ نظام الدینؒ بازار گئے۔ پیسے پاس نہ تھے۔ اپنے سر پر سے پگڑی اتاری اور اسے گروی رکھ کر حضرت مرشد کے لئے لوبیا لے آئے۔ اسے ابالا پھر تھوڑا نمک ڈال کر آپ کے حضور پیش کیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر یہ لوبیا تناول فرمایا اور کہا نظام! تم نے بڑا مزیدار لوبیا بنایا ہے اور اس میں نمک بھی خوب ڈالا ہے۔ اور دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ

نظام کے اس عمل کو قبول فرمائے اور اس قدر دولت اسے عطا فرمائے کہ بستر من نمک روزانہ اس کے مطبخ میں خرچ ہو جایا کرے۔" اللہ تعالیٰ نے یہ دُعا قبول فرمائی کہا جاتا ہے کہ آپ کے مطبخ میں اتنا پیاز استعمال ہوتا کہ ان کے بیکار چھلکوں کو اُٹھانے کیلئے کئی اونٹوں کی ضرورت پڑتی اور اتنا لنگر پکتا کہ روزانہ ستر من نمک صرف ہوتا۔ سچ ہے کہ جتنی دولت اللہ تعالیٰ نے حضرت نظام الدین کو عطا فرمائی تھی، مشائخ میں سے اتنی دولت کسی اور شیخ کو نہیں ملی تھی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرید نے آپ کی خدمت میں سو اشرفیاں نذر کیں، تو آپ نے ان میں سے صرف ایک اُٹھائی اور باقی اسے واپس کر دیں۔ اور فرمایا کہ یہ تم ہی رکھ لو۔ تمہارے کسی کام آئیں گی۔ مجھے تو ان کی قطعاً حاجت نہیں۔ اس شخص کو یہ بات ناگوار گزری کہ میری نذر قبول نہیں فرمائی۔

حضرت کو نورِ باطن کے ذریعہ سے اس ناگواری کا پتہ چل گیا آپ نے فرمایا دریا جون کی طرف دیکھو! اس نے دیکھا کہ وسیع و عریض دریا بہہ رہا ہے اور تمام کا تمام اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس نے یہ دیکھا تو آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کی کہ واقعی اس بے پایاں مال و زر کی موجودگی میں میری ان اشرفیوں کی آپ کو کوئی ضرورت نہیں۔

"نفحات الانس" میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ سلطان علاؤالدین خلجی نے ایک بوری سونے چاندی کے سکوں سے بھر کر آپ کی خدمت میں بھیجی۔ اس وقت ایک درویش قلندر بھی وہاں بیٹھا تھا اس نے عرض کیا کہ یا شیخ ہدیئے تو مشترک ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صرف ایک شخص کے لئے ہے۔ وہ درویش ایک شخص کے لفظ سے مایوس ہوا۔ تو حضرت خواجہ نے فرمایا مایوس نہ ہو۔ ایک شخص سے مراد تم ہی ایک شخص ہو۔ لہٰذا اسے اُٹھاؤ اور لے جاؤ جب وہ بوری اُٹھانے لگا تو وہ اس قدر وزنی تھی کہ اس سے اُٹھائی نہ جا سکی۔ آپ نے خادموں کو حکم دیا کہ اس کی مدد کرو تا کہ یہ اسے گھر تک لے جا سکے۔

"سیر الاولیاء" میں لکھا ہے کہ آپ کے مرید خاص خواجہ منہاج الدینؒ ایک دن آپ کے دروازۂ فیض آوازہ کی دہلیز پر بیٹھے تھے اور حضرت شیخؒ گھر کی چھت پر چارپائی کے اوپر

سو رہے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب آدھی رات گزر گئی تو دیکھا کہ آپ کی چارپائی سے نور کی ایک عمودی شکل آسمان کی طرف جا رہی ہے۔ اس نور سے اردگرد کا علاقہ دریا تک روشن اور منور ہو گیا۔ جس سے خوف زدہ ہو کر وہ ایک کونے میں جا کر سو گئے۔

"جامع الکلم" میں مرقوم ہے کہ آپ کا ایک مرید خاص مولانا بدرالدین زنجانیؒ دریا پر سے پرواز کرتے ہوئے گزرا۔ وہ اس وقت حضرت کی عطا کردہ ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ آپ کی ٹوپی گری اور دریا میں غرق ہو گئی۔ بدرالدینؒ کو بہت غم ہوا کہ میری پرواز کی وجہ سے ٹوپی دریا میں ڈوب گئی ہے۔ وہ کنارے پر بیٹھا افسوس کر رہا تھا کہ اسے نیند آ گئی۔ خواب میں حضرت شیخؒ کی زیارت ہوئی بدرالدین زنجانیؒ نے دیکھا کہ حضرتؒ کے ہاتھ میں وہی ٹوپی ہے اور آپ نے وہ ٹوپی بدرالدین کو عطا فرمائی۔ صبح ہوئی تو بدرالدین نے دیکھا کہ فی الواقع وہی ٹوپی اس کے ہاتھ میں ہے۔

"سیر الاولیاء" میں منقول ہے کہ جس گدڑی پر سلطان المشائخؒ بیٹھا کرتے آپ نے وہ گدڑی قاضی محی الدین کاشانیؒ کو عطا فرمائی۔ قاضی صاحب نے سونگھا تو اس میں سے دلکش خوشبو آ رہی تھی۔ انہوں نے خیال کیا کہ یہ خوشبو شاید عارضی ہو گی۔ لیکن کافی عرصہ گزرنے کے باوجود بھی جب وہ خوشبو برقرار رہی تو انہوں نے آزمانے کے لئے اس گدڑی کو پانی سے دھو ڈالا۔ لیکن اس کے باوجود بدستور خوشبو آتی رہی۔

قاضی صاحبؒ کو اس بات کا بڑا تعجب ہوا اور حضرتؒ کی خدمت میں آ کر تفصیل عرض کی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ:

این بوئے الٰہی است ۔ کہ در ذاتِ محبان اوست

(یہ خدائی خوشبو ہے جو اس کے عاشقوں سے آیا کرتی ہے۔)

آپ نے مزید فرمایا کہ جب کوئی ولی اللہ قطبیت اور فردانیت کے درجہ کو عبور کر کے مقام معشوق اور مرتبہ محبوبی حاصل کر لیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کا مظہر بن جاتا ہے اور اس کا ارادہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ بن جاتا ہے اور اس کا سب جسم غیبی خوشبوؤں سے معطر ہو جاتا ہے پھر اس کے بدن سے جو چیز چھو جاتی ہے۔ اس سے بھی خوشبو کی

مہکیں آنے لگتی ہیں۔ اور وہ جگہ جس جگہ وہ محبوبِ خدا قیام کرتا ہے۔ وہاں سے کستوری جیسی خوشبو پھوٹنے لگتی ہے۔ اللہ کا یہ نیک بندہ جس قبر میں رکھا جاتا ہے، اس قبر کی مٹی بھی خوشبودار ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت سلطان المشائخؒ کی محبوبیت کی وجہ سے آج بھی ان کے مزارِ مبارک سے خوشبو سونگھی جا سکتی ہے۔

ازبس کہ در کنار ہمیکرد واش نگار | بگرفت بوئے یار رہا کرد بوئے طین
عطار گو بہ بند دکاں را کہ من ز دوست | بوئے شمیدہ ام کہ بمشک و عبیر نیست

(میرے محبوب نے جب مجھے اپنے سینے کے ساتھ لگایا تو میری خاکی بو غائب ہو گئی اور میرے جسم سے محبوب کی خوشبو آنی شروع ہو گئی۔ عطار کو کہہ دو کہ وہ بے شک دکان بند کر دے کیونکہ مجھے ایسی خوشبو نصیب ہو چکی ہے جو کستوری اور عنبر میں بھی نہیں ہے۔)

"جامع الکلم" میں ہے کہ ایک دن ایک نوجوان روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دریافت کیا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کی کہ میرا باپ فاسق و فاجر تھا۔ اب وہ فوت ہو گیا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ مرنے کے بعد اب میرے والد کا کیا حال ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ زندگی میں میرے پاس آیا تھا۔ کہا کہ نہیں پھر پوچھا کہ کیا اس نے مجھے راستہ سے گزرتے ہوئے کبھی دیکھا تھا۔ اس نے کہا نہیں! پھر پوچھا کہ کبھی وہ غیاث پور آیا تھا۔ اس نے کہا جی ہاں! ایک بار وہ غیاث پور آیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو پھر خاطر جمع رکھو کہ تمہارے والد کا انجام بخیر ہے۔ کیونکہ اس کا غیاث پور میں آ جانا ہی اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔

سبحان اللہ۔ خدا نے آپ کو کس قدر عظمت و کرامت عطا فرمائی تھی۔ کہ جو شخص فقط غیاث پور میں ایک بار آیا وہ بھی عذابِ الٰہی سے محفوظ ہوا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ جو شخص آپ کا مرید ہو جائے یا آپ کے سلسلہ میں داخل ہو جائے اس کا درجہ کس قدر بلند ہوگا۔

اس کتاب کا ناچیز مصنف عرض کرتا ہے کہ "میں اسی مندرجہ بالا واقعہ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے، جب دہلی حاضر ہوا۔ تو حضرتؒ کی قدم بوسی اور زیارت حاصل کی۔ چنانچہ تین رات

میں نے خواجہ قطب الاقطابؒ کے مکان میں اور دو راتیں خواجہ مخدوم نصیر الدینؒ کے مکان پر اور تین راتیں حضرت سلطان المشائخؒ کے مکان پر گذاریں۔ پھر اپنے چند ساتھیوں کو ہمراہ لے کر آپ کے مسکن و قیام گاہ غیاث پور کی طرف چل پڑا۔ لیکن وہاں جا کر پتہ چلا کہ حضرت کے لنگر خانہ اور آپ کے اس مکان کی طرف جو بر لبِ دریائے جون ہے، گجر قیام پذیر ہیں اور وہاں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں۔ البتہ جو شخص ان کی مٹھی گرم کرے اور ان کی منت سماجت کرے تو اسے حضرتؒ کی قیام گاہ اور لنگر خانہ کی زیارت کی اجازت دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے کچھ رقم ان کو دی اور غیاث پور میں آپ کے دولتخانہ اور لنگر خانہ کی زیارت کی۔ یہ تمام میں نے اس لئے کیا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور بزرگوں کی برکت سے میری بخشش بھی فرما دے جیسے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں اسی شخص کی بخشش ہوئی تھی۔"

فخری نے اپنی کتاب "شجرۃ الانوار" میں لکھا ہے کہ شیخ نجیب الدینؒ کے ایک خاص خادم مولانا بہرام تھے۔ انہوں نے کئی کتب تصنیف کی ہیں۔ مولانا بہرام نے ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ ایک رات میں نے دیکھا کہ سلطان المشائخؒ حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ کی زیارت میں مصروف ہیں۔ جب صبح ہوئی تو حضرت سلطان المشائخؒ بے حد خوش تھے۔ میں نے اس بے پایاں خوشی کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ گذشتہ رات مجھے حضرت قطب الاقطابؒ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جو شخص تمہیں زندگی میں ایک بار بھی دیکھ لے گا اسکی بخشش ہو جائے گی۔"

آپ کو سماع سننے کا بے حد شوق بلکہ عشق تھا چنانچہ دو سو قوال جو اپنے فن میں مایہ ناز اور بے حد خوش الحان تھے، آپ کے مستقل ملازم کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔

"سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ آپ جب سماع سننے کا ارادہ فرماتے تو سب سے پہلے امیر خسروؒ آپ کی خدمت میں بیٹھتے پھر امیر حسنؒ کو دائیں ہاتھ بیٹھنے کا حکم دیتے۔ پھر خواجہ مبشرؒ آپ کے بائیں جانب نشست سنبھال لیتے۔ یہ تینوں حضرات سرود بجانے میں بے مثال حیثیت کے حامل تھے یہ حضرات اچھی آواز میں لحنِ داؤدی کے مالک تھے۔ غزل

پڑھنے کا آغاز امیر خسروؒ کرتے اور جس بیت یا شعر پر حضرتؒ اپنا سر مبارک ہلاتے اس شعر کو سب مل کر پڑھتے۔

"چشتیہ بہشتیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت کو پوربی راگ بے حد پسند تھا۔ کسی شخص نے آپ سے خصوصیت کے ساتھ اس راگ کو پسند کرنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ "روزِ میثاق" "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کی جو آواز خدا کی طرف سے آئی تھی وہ میں نے پوربی راگ میں سنی تھی اس لیے یہ راگ میرا پسندیدہ اور محبوب راگ ہے۔ اور وہ آواز آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔ آپ اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن یہ پوربی راگ بدستور جوان چلا آتا ہے۔

"تذکرۃ الاولیاء" میں منقول ہے کہ ایک دن حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے اپنی دستار مبارک اپنے سر سے اتار کر حضرت سلطان المشائخؒ کے سر پر باندھ دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ نظام! اس پگڑی میں سات پیچ ہیں۔ آج میں نے سات اقلیموں کا انتظام تمہارے سپرد کر دیا ہے۔

کہتے ہیں کہ حالتِ سماع میں اگر سلطان المشائخؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی اور پگڑی کا کوئی پیچ ڈھیلا ہو جاتا تو آپ بڑی سرعت کے ساتھ اس پیچ کو دوبارہ مضبوط باندھ لیتے۔ ایک دن وجد کی حالت میں پگڑی کا پیچ ڈھیلا ہو گیا تو فوراً آپ وجد کی کیفیت سے باہر آئے اور پیچ کو مضبوط باندھا۔ تو ایک برخوردار نے آپ سے دریافت کیا آپ اس معاملہ میں اس قدر احتیاط کیوں فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی اقلیموں کی حفاظت کی ذمہ داری ان سات پیچوں کے ذریعہ میرے کندھوں پر رکھی ہوتی ہے۔ تو جونہی ان میں کوئی ایک بھی ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ تو میں فوراً اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ کسی اقلیم میں ابتری اور بدانتظامی نہ ہونے پائے۔

"مطلوب الطالبین" اور "تذکرۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ سماع کی محفل میں تشریف فرما تھے کہ ایک صوفی بھی باہر سے آکر اس محفل میں بیٹھ گیا اور سماع سننے لگا۔ جب اس کی آتشِ شوق بھڑکی تو ایک آہ بھری اور جل کر راکھ ہو گیا۔ حضرتؒ جب وجدانی

کیفیت سے باہر آئے تو پوچھا کہ یہ سب کیا ہے؟ تو آپ کے خدام نے تفصیل بیان کی۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور پانی لاؤ۔ چنانچہ پانی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آپ نے پانی پر دم کر کے اس خاکستر پر چھڑکا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ اس راکھ میں سے وہی صوفی دوبارہ زندہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ آئندہ ہماری محفلِ سماع میں نہ آیا کرنا۔ تمہیں پتہ نہیں کہ سچے معنوں میں جو صوفی ہوتے ہیں ان پر اگر تلواریں بھی برستی رہیں تو وہ صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ نہ ہی وہ آہ نکالتے ہیں اور نہ ہی فریاد کیا کرتے ہیں۔ یہ حرکت جو تم نے کی ہے یہ تو ناقص اور خام لوگوں کی ایک بچگانہ حرکت ہے۔ وہ صوفی بیچارہ شرمندہ ہوا اور محفل سے اُٹھ کر باہر چلا گیا۔

فردوسیہ میں ذکر ہے کہ بادشاہِ وقت کو آپ کے سماع سے سخت چڑ تھی۔ چنانچہ اس نے تمام قوالوں کو حکم دے دیا کہ خبردار! اگر تم حضرت کی خدمت میں گئے۔ ایک دن آپ کے دل میں سماع کا شوق بڑی شدت سے اُبھرا تو آپ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ برخوردار جاؤ اور قوالوں کو بلا لاؤ۔ خواجہ اقبال نے عرض کی حضرت بادشاہِ وقت نے انہیں منع کر رکھا ہے۔ آپ نے دوبارہ حکم دیا۔ اسی دوران ایک موسیقار جس کا نام صامت تھا۔ وہ مع اپنے اہل و عیال کے جمن دریا کے دوسرے کنارے کھڑا آپ کو دکھائی دیا۔ آپ نے اسے خوش آمدید کہا اور ارشاد فرمایا کہ جلدی پہنچ! اس نے عرض کی حضرت کشتی تو ہے نہیں! میں آپ کی خدمت میں کیسے پہنچوں۔

آپ نے فرمایا کوئی فرق نہیں پڑتا اور کوئی فکر کی بات نہیں۔ اسی پانی میں بے خوف چل کر آ جاؤ۔ اسے آپ پر اعتقاد کامل تھا چنانچہ تعمیل ارشاد کرتے ہوئے اس نے دریا میں قدم ڈال دیا۔ آپ کی قدم بوسی کی اور آداب و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ اس شخص کی اس تعمیل ارشاد سے آپ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ اس وقت جو پان کھا رہے تھے اس کا ایک ٹکڑا منہ سے نکال کر اس کو عنایت فرمایا۔ اس نے جونہی آپ کا لعاب آلودہ پان کھایا۔ اس کے نتیجہ میں اس کا دل اسی لمحہ آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہو گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی فی البدیہہ غزل تیار کی اور خوش الحانی سے پڑھنا شروع

کر دیا جب وہ اس شعر پر پہنچا :

صامت از لعل تو چو جرعہ کشید   سالہا پُر خمار خواہد بُود ! !

یہ شعر سنتے ہی آپ کی آتشِ شوق میں غلغلہ بلند ہُوا اور آپ نے مع تمام ساز و سامان کے اپنی پالکی بھی اُسے بخش دی۔

اس موسیقار پر یہ اثر ہُوا کہ وہ اسی دن آپ سے بیعت کر کے آپ کے حلقہ مریدان میں شامل ہو گیا۔ اور سلوک کے اعلیٰ درجات تک ترقی پائی اور اپنے فنِ قوالی میں بھی اس قدر ماہر ہو گیا کہ دوسرے قوالوں میں سے کسی کو بھی اس فن میں اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ یہ موسیقار اور حسن اور اس کا بیٹا امیر خسروؒ کے شاگرد بن گئے اور یہاں سے قوالی و ترانہ اور فارسی غزل گوئی کی اعلیٰ تربیت حاصل کی۔

بحر المعانی میں ہے کہ جب غیاث الدین تغلق کو سلطان المشائخؒ کے ساتھ دشمنی پیدا ہُوئی تو اُس نے ارادہ کر لیا کہ آپ کو یا آپ کے خادموں کو نقصان پہنچایا جائے۔ لیکن اسے نقصان پہنچانے کا کوئی بہانہ نہیں مل رہا تھا۔

ان دنوں ملتان سے ایک سیاح آیا تھا۔ اس نے بادشاہ کی یہ عداوت دیکھی تو واپس جا کر شیخ بہاء الدین ذکریاؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابو الفتحؒ سے صورتِ حال کی تفصیل بیان کی۔ شیخ مذکورؒ خود دہلی آئے تاکہ بادشاہ وقت اور سلطان المشائخؒ کے مابین مصالحت کرا دیں۔ جونہی وہ شہر پہنچے، فی الفور سلطان المشائخ کے ہاں حاضری دی اور آپ سے واقعہ کی تفصیل دریافت کی۔ اِسی دوران صامت قوال آگیا اور اُس نے سماع کی محفل کا آغاز کر دیا۔ دورانِ سماع آپ پر وجد طاری ہو گیا اس کیفیت میں آپ اُٹھے لیکن شیخ رکن الدینؒ نے آپ کی آستین پکڑ کر آپ کو بٹھا دیا۔ دوسری بار آپ اُٹھے لیکن شیخ موصوفؒ نے دوبارہ آپ کی آستین سے پکڑ کر بٹھا دیا مگر تیسری بار آپ اُٹھے اور رقص میں مصروف ہو گئے۔ شیخ رکن الدینؒ وہاں سے اُٹھے اور جا کر نماز شروع کر دی۔ جب نماز سے فراغت پائی تو مولانا محمد اشرف امام نے شیخ موصوف سے پوچھا کہ یہ آستین کو بار بار پکڑنے اور آپ کو بٹھا دینے اور تیسری بار خود نماز میں مشغول ہو جانے کی تہہ میں کیا راز ہے؟

حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ پہلی بار جب میں نے آستین پکڑی تو سلطان المشائخؒ کا قدم ساتویں آسمان پر تھا۔ میں نے انہیں بٹھا دیا۔ دوسری بار جب آپ اُٹھے تھے تو اس وقت آپ کا قدم عرشِ معلیٰ کی چھت پر تھا۔ اس لئے میں نے انہیں بٹھا دیا۔ تیسری بار جب آپ اُٹھے تو مجھے پتہ نہیں کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے۔ میں نے ہر جگہ تلاش کیا لیکن نہ پا سکا آخر کار میں مجبوراً عالمِ ناسوت میں چلا آیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔

اباحت سماع: سماع کے بارے میں علماء، فقہا اور مشائخ کے درمیان اختلاف ہے۔ فقہا اس کے لہو ولعب کے پہلو کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ لیکن مشائخ عظام، جو اللہ کی نظرِ عنایت سے تمام دنیوی علائق اور مخلوقات سے الگ رہتے ہیں، بلکہ ذاتِ الٰہی میں فنا کے درجہ میں پہنچے ہوتے ہیں، انہیں لہو ولعب سے کبھی بھی واسطہ نہیں رہتا اور وہ ہر دم یادِ الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں اور ہمیشہ عشقِ الٰہی کی آتش میں جوش کھا رہے ہوتے ہیں۔ ان حضرات نے سماع کو جائز قرار دیا ہے بلکہ سماع کو نعمتِ عظمیٰ قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں:

الست از ازل ہم چناں شاں بگوش
بہ فریادِ "قالوا بلیٰ" در خروش

صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں یہ روایت ہے کہ ایک بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرۂ مبارک میں تشریف لائے۔ اس وقت دو لڑکیاں "جنگِ بُعاث" کے موضوع پر مشتمل گیت گا رہی تھیں۔ بُعاث کی ب پر پیش ہے۔ بعض نے اسے عین کی بجائے غین سے بُغاث بھی لکھا ہے۔ (لعاث بضم با موحدہ و عین مہملہ و ثا مثلثہ و بالکسر و الفتحہ و غین معجمہ) یہ بھی لکھا گیا ہے کہ یہ ایک گاؤں کا نام ہے جہاں مدینہ طیبہ کے دو مشہور قبیلوں اوس و خزرج کے مابین جنگ ہوئی تھی۔ چنانچہ اس جگہ کی نسبت سے اس جنگ کو "جنگِ بُعاث" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (جیسا کہ منتخب میں لکھا ہوا ہے)

چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور دوسری طرف منہ مبارک پھیر کر خواب گاہ پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو انہوں نے بچیوں سے فرمایا کہ تم یہ شیطانی کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کر رہی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "اے ابوبکر رہنے دو۔ آج عید کا دن ہے ان بچیوں کو منع نہ کرو۔

تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم المرتبت ذات نے عورتوں سے گانا سنا تو پھر آخر مردوں سے گانا سننا ناجائز کیوں ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کا گانا مردوں کی نسبت تو زیادہ ہی قابل اعتراض ہے۔

'آداب السالکین' میں مذکور ہے کہ کعب زہیر شاعر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں ساٹھ شعر لکھے تھے۔ فتح مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ کعب بن زہیر جہاں کہیں ملے اسے قتل کر دو۔ صحابہ علیہم الرحمۃ نے اسے بڑا تلاش کیا وہ کہیں بھی نظر نہ آیا کیونکہ وہ کسی گوشۂ تنہائی میں جا کر چھپ گیا تھا۔ جب کافی مدت گزر گئی اور بے چارہ بے بس ہو کر رہ گیا تو اس نے ایک دن عورتوں جیسا لباس پہنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کلمۂ توحید پڑھا اور ایمان لے آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔ اس نے عرض کی، میں کعب بن زہیر ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لباس میں کیوں آئے ہو؟ عرض کی کہ صحابہ کرامؓ سے خطرہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا ہے۔ پھر اس نے عرض کی کہ حضور والا! میں نے آپ کی ذاتِ بابرکات کی مدح میں ایک سو بیس اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے تاکہ میرے سابقہ قصیدہ کا کفارہ ادا ہو جائے۔ اگر اجازت ہو تو گوش گذار کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قصیدہ پڑھنے کی اجازت دی تو اس نے انتہائی خوش الحانی اور ترنم سے وہ قصیدہ سنانا شروع کر دیا۔ جب وہ اس شعر پر پہنچا:

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی   وَالعفوُ عندَ رسُولِ اللہِ مأمُولُ

مجھے بتایا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈرایا ہے حالانکہ آپ سے معافی کی امید وابستہ ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے دوبارہ پڑھو" اس نے دوبارہ پڑھا تو آپ نے فرطِ شوق میں اپنی وہ چادر جو آپ کے کندھوں پر تھی، اسے انعام کے طور پر عطا فرما دی۔

یہی وجہ ہے کہ اب بھی صوفیاء کرام کو دورانِ سماع کوئی شعر زیادہ پسند آتا ہے تو یہ حضرات قوالوں کو وہ شعر مکرر پڑھنے کا حکم دیا کرتے ہیں۔ اور سنّتِ نبوی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے قوالوں کو اپنے کپڑوں سے نوازتے ہیں۔

کعب بن زہیرؓ کو دربارِ نبوی سے جو چادر عطا ہوئی تھی اس کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس چادر کو حاصل کرنے کے لئے کعبؓ کو چار ہزار اشرفیوں کی پیشکش کی تھی لیکن کعبؓ اس چادر کو اپنے سے جدا کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ جب کعبؓ فوت ہوگئے تو حضرتِ معاویہؓ کعبؓ کے بیٹوں کے پاس گئے اور بیس ہزار اشرفیاں دیکر چادر حاصل کرلی۔

مذکورہ کتاب میں ہی یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ گھر میں تشریف فرما تھے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیتِ رحمت لے کر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت سے بے حد خوشی اور فرحت ہوئی۔ آپ نے اس عالمِ مسرت میں صحابہ کو حکم دیا کہ مل کر اظہارِ خوشی کے طور پر گیت گاؤ۔ تو صحابہؓ نے دلکش آواز میں گیت گانا شروع کیا۔ ان کے گیت سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وجد کی ایک خصوصی کیفیت طاری ہوگئی حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور رقص کرنا شروع کر دیا۔ آپکے مبارک کندھوں سے چادر گر گئی جب آپ بے خودی کے عالم سے باہر تشریف لائے تو آپ نے وہ چادر مبارک صحابہ کرام کو عطا فرما دی۔ نیز فرمایا کہ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ" (جو شخص کسی کو قتل کرتا ہے تو اس مقتول کا سامان قاتل کی

ملکیت ہُوا کرتا ہے) کہتے ہیں کہ اس مجلس میں ایک سو صحابہ موجود تھے۔ انہوں نے اس چادر کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سو حصّوں میں باہمی تقسیم کر لیا۔ پس اس سے بڑھ کر سماع کے جواز میں بھلا اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ جب پیروں کے پیر اور مرشدوں کے مرشد اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے سماع سُنا اور رقص کیا ہے اور اپنی چادر مبارک بخشی، تو آپ کے غلاموں کو اس کی اجازت کیوں نہیں۔

اصل بات ہے کہ یہ سب کچھ دردِ دل پر منحصر ہے۔ جس شخص کا دل درد سے محروم ہو وہ اس روحانی دُنیا سے آشنا نہیں ہو سکتا۔ عشق تو ایک ایسا پرندہ ہے جو دردمند دل کے بغیر کوئی دانہ پسند نہیں کرتا اور جانِ عاشق کے بغیر کہیں آشیانہ نہیں بناتا؛

بیدلاں ذوقِ بے دلاں دانند　　بسملاں دردِ بسملاں دانند

"مطلوب الطالبین" میں لکھا ہے کہ ایک صوفی کو مرنے کے بعد کسی آدمی نے خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں پریشان اور دلگیر بیٹھا ہے۔ اس آدمی نے پُوچھا کہ اس پریشانی کا کیا سبب ہے۔ صُوفی نے جواب دیا کہ سماع کی وہ محفلیں جن سے میں دُنیا میں فیض یاب ہُوا کرتا تھا وہ یہاں جنّت میں حاصل نہیں ہیں۔

"سیر الاولیاء" میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا ہے کہ سماع کی چار قسمیں ہیں (۱) حلال (۲) حرام (۳) مباح (۴) مکروہ

(۱) حلال سماع تو وہ ہے جس میں سُننے والے کی پُوری توجہ صرف ذاتِ الٰہی پر مرکوز ہو۔ وہ اُس سماع کے وقت بھی یادِ خُدا سے غافل نہ ہونے پائے۔ نہ ریاکاری ہو۔

(۲) حرام سماع یہ ہے کہ سماع کی محفل میں جو اشعار سنے انہیں حقیقت پر محمول کرنے کی بجائے مجاز پر محمول کرنے لگ جائے۔ یعنی اس کی توجہ اس وقت کسی بے ریش لونڈے کی طرف یا کسی عورت کی جانب مبذول ہو۔ اور اس ناز و ادا کو جن کا ذکر اشعار میں آ رہا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کی بجائے مجازی محبوبوں کی طرف منسوب کرنے لگے

(۳) مباح سماع یہ ہے کہ محبوبِ حقیقی یعنی اللہ کی طرف اس کی زیادہ تر توجہ ہو اور محبوبِ مجازی کی طرف بہت تھوڑی ہو۔

(۴) اور مکروہ سماع یہ ہے کہ محبوب مجازی کی طرف اس کی توجہ محبوب حقیقی کی توجہ کے مقابلہ میں زیادہ ہو یعنی زیادہ توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف نہ ہو بلکہ مجازی محبوب کی طرف ہو۔

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفوائد میں تحریر فرمایا ہے کہ سماع میں ان چند چیزوں کو درست رکھنا بے حد ضروری ہے سمیع، مستمع، مسموع، آلتِ سماع۔ تاکہ ذوق اور لذت زیادہ ہو۔

(۱) مسمع: یعنی جو سماع میں اشعار و نعت پڑھنے والا ہے، ضروری ہے کہ وہ شخص بے ریش نہ ہو اور نہ ہی وہ عورت ہو۔

(۲) مستمع: یعنی سننے والا۔ سننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ دورانِ سماع جو کچھ سنے اس کو مجاز پر محمول نہ کرے بلکہ حقیقت پر محمول کرے۔

(۳) مسموع: یعنی جو چیز سنی جا رہی ہے، وہ لغو اور فحش مضامین پر مشتمل نہ ہونی چاہئے۔

(۴) آلتِ سماع: مزامیر وغیرہ جیسے ساز نہ ہونے چاہئیں۔

'آداب السالکین' میں ہے کہ حضراتِ چشتیہ کے دو ہی بڑے بڑے مشاغل ہیں۔ ایک نماز کی ادائیگی اور دوسرے سماع۔ نماز کی حالت میں ہوش و حواس بالکل قائم ہونے چاہئیں تاکہ قیام، قرات، رکوع اور سجود درست ادا ہوں۔ تاکہ نماز فاسد نہ ہو جائے۔ لیکن سماع میں اس کے برعکس مکمل بے خودی کی کیفیت طاری ہونی چاہئے بلکہ بجز تصورِ الٰہی کے دل سے دوسری تمام اشیاء کا تصور محو ہونا چاہئے کیونکہ سماع کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو جلا کر راکھ کر دے۔

آدابِ سماع بے شمار ہیں سماع کی محفل میں شرکت کرنی ہو تو اس محفل کو خوشبوؤں سے معطر کر لینا چاہئے۔ شرکائِ محفل کا لباس شستہ اور عمدہ ہونا چاہئے اور وضو اگر ہو بھی تو بھی تجدیدِ وضو کر لی جائے۔ نیز سماع کے آغاز اور اختتام پر قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے ختم پڑھا جائے اور اس بزرگ کی روح کو بخشا جائے، جس کا عرس ہے۔

"آداب السالکین" میں ذکر ہے کہ ایک رات خواجہ ممشاد علو دینوریؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی اور آپ سے دریافت کیا کہ حضور! کیا آپ سماع کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں! لیکن اگر سماع کے آغاز و خاتمہ پر قرآن مجید کی تلاوت کر لی جائے تو اس کا عظیم ثواب ہے۔

سماع کے آداب میں ایک ادب یہ بھی ہے کہ دوران سماع پان نہ کھایا جائے۔ پنکھا ہلا کر ہوا نہ لی جائے۔ اور آپس میں غلط باتیں کرنے سے کلی اجتناب کیا جائے محفل میں ہنسنا ممنوع ہے۔ پانی کی پیاس ہو تو بڑے محتاط انداز میں باہر جا کر پانی پی آئیں اور پھر آ کر اپنی نشست پر بیٹھ جائیں۔ سماع کے دوران سامع کی پوری توجہ سماع میں ہو اور دائیں بائیں نہ دیکھے۔

جب صوفی سماع کے دوران کھڑا ہو تو دیگر حاضرین بھی تعظیم کے طور پر کھڑے ہو جائیں۔ ہر شریک محفل کو ان تمام آداب کی پابندی کرنا لازمی ہے۔ اور جو شخص ان پر عمل پیرا نہیں ہوگا روز قیامت اس سے یقیناً پرسش ہوگی۔

"خلاصۃ الفوائد" میں ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخؒ دریائے جون کے کنارے تشریف فرما تھے کہ اچانک پانی کے اندر سے ایک ہاتھ باہر نکلا۔ حضرتؒ نے کاغذ کا ٹکڑا اس ہاتھ میں دے دیا اور وہ ہاتھ پھر پانی میں غائب ہو گیا۔ حاضرین مجلس نے دریافت کیا یا حضرت! یہ کس شخص کا ہاتھ تھا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ حضرت شرف الدین ابو علی قلندرؒ کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے مجھ سے کسی مکان میں ٹھہرنے کی اجازت طلب کی اور خود پانی کے اندر چھپے رہے۔

"سیر الاولیاء" میں مذکور ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ ہر جمعہ کے روز اپنے مکان کی تجرید کیا کرتے تھے۔ تجرید کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں جو بھی سامان وغیرہ ہوتا وہ سب کا سب اللہ کے راستہ میں خیرات فرما کر اس مکان میں خوب جھاڑو دے دیتے اس عمل کے بعد آپ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے مسجد چلے جایا کرتے۔ آپ کو سلاطین اور سرمایہ داروں کے ساتھ کوئی لگن نہ تھی۔

'فوائد الفوائد' میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ تشریف فرما تھے کہ ایک غنڈہ آیا اور آپ کو گالیاں دینے لگ گیا۔ لیکن آپ خاموش رہے اور اسے کچھ بھی نہ کہا۔ وہ جو سوال لے کر آیا تھا آپ نے وہ چیزیں اسے عطا کیں اور حاضرین مجلس سے مخاطب ہوئے کہ ہزاروں افراد میری قدم بوسی کرنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ اس طرح کا بھی کوئی شخص ضرور ہونا چاہیئے جو گالیاں دے۔

نیز اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ پر جادو کر دیا آپ دو ماہ بیمار رہے۔ آپ کے مریدین آپ کی خدمت میں ایک ایسے شخص کو لائے جو جادو نکالنے میں مکمل مہارت رکھتا تھا۔ وہ شخص آپ کے حجرہ کے اردگرد گھوما اور ہر جگہ سے مٹی اٹھا کر سونگھی حتیٰ کہ اسی طرح مٹی سونگھتا ہوا ایک جگہ رک گیا۔ اس جگہ کی مٹی بھی سونگھی پھر کہنے لگا اس جگہ جادو کا عمل دبایا گیا ہے اس لئے یہ جگہ کھودو چنانچہ جب زمین کھودی گئی تو وہاں سے جادو کا نشان برآمد ہوا جونہی اس کو توڑا گیا تو آپ کو شفا حاصل ہو گئی۔ اس شخص نے کہا کہ جادو کے معاملہ میں تو مجھے یہ کمال حاصل ہے کہ میں یہ بھی بتلا سکتا ہوں کہ جس شخص نے جادو کیا ہے اس کا نام کیا ہے۔ آپ کے مریدوں نے حضرت شیخؒ سے پوچھا کہ جس شخص نے جادو کا عمل کیا ہے، وہ اس کا نام بھی بتا سکتا ہے۔ لیکن حضرتؒ نے اس عمل کرنے والے کے نام بتلانے کی مخالفت فرما دی۔ اور فرمایا کہ جس شخص نے بھی یہ عمل بد کیا ہے، میں اسے اللہ کے لئے معاف کرتا ہوں اور اس کا گناہ بخشتا ہوں۔

'راحت المحبین' میں یہ مرقوم ہے کہ ساٹھ غنڈے آپ کے دولت کدہ پر آئے حضرت خواجہؒ کو سلام و آداب تک بھی نہ کیا۔ پھر انہوں نے ملکر سماع کی محفل منعقد کی اور رقص کرنے لگ گئے۔ ساتھ ہی حضرت خواجہؒ کو گالیاں بھی دینے لگے۔ لیکن حضرت خواجہؒ صبر و سکون سے بیٹھے رہے اور انہیں کچھ نہ کہا۔ جب کافی دیر کے بعد بھی گالیوں سے باز نہ آئے تو آپ نے خدام کو حکم دیا کہ لنگر میں جاؤ اور رات کا بچا ہوا کھانا لے آؤ۔ ممکن ہے انہیں بھوک لگی ہو۔

جب طعام کھانا ے آئے تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور حضور کو مسلسل گالیاں دینے میں مصروف رہے۔ آپ نے انہیں خطاب فرمایا کہ عزیزو! یہ کھانا اُس کھانے سے جو تم نے قرن کے مضافات میں کھایا تھا، ان شاء اللہ بے مزہ نہ ہوگا! انہوں نے جونہی یہ الفاظ سُنے تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اور پھر ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ ہم اپنے فعل سے توبہ کرتے ہیں اور آپ سے معافی کے طالب ہیں۔ ہم آپ کی کرامت دیکھنے کے لئے آئے تھے، وہ دیکھ لی۔ حضرت خواجہؒ نے اُن کے ساتھ شفیقانہ برتاؤ کیا اور اوپر بالاخانہ میں تشریف لے گئے اور انہوں نے وہ کھانا پیٹ بھر کر کھایا۔

مولانا فخر الدین زرادیؒ اور امیر خسروؒ نے ان سے دریافت کیا کہ قرن کے مقام پر تم نے کیا کھایا تھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے قرن کے مقام پر پڑاؤ کر رکھا تھا کہ وہاں ہمیں بھوک نے ستایا۔ وہ جگہ کچھ ایسی ہے کہ وہاں پر صحرا ہی صحرا ہیں اور کھانے کی چیز قطعاً میسر نہیں ہوتی۔ ہم مسلسل تین دن تک وہاں فاقہ کشی میں مبتلا رہے۔ چوتھا دن ہوا تو بھوک کے مارے ہماری بُری حالت ہو چکی تھی کہ اچانک ہمیں وہ جگہ دکھائی دی جہاں حضرت اویس قرنیؓ کے بیس دانت مدفون تھے ہم نے اس جگہ کی زیارت کی۔ پھر آگے روانہ ہوئے راستہ میں گزرتے ہوئے ہم نے دیکھا کہ ایک مردہ اونٹ پڑا ہے۔ وہ گل سڑ چکا ہے اور اس کے گوشت سے سخت بدبو اُٹھ رہی ہے۔ ہم نے باہم مشورہ کیا کہ ہم چار دن سے بھوکے ہیں اور اس متعفن اونٹ کے سوا کوئی اور چیز کھانے کے لئے نظر بھی نہیں آرہی۔ اگر ہم اس اونٹ کا گوشت نہیں کھائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا مجبوری کے عالم میں اس اونٹ کا کچھ گوشت کاٹا اور اسے بھون کر کھا لیا۔ حضرتِ خواجہؒ نے اپنے کشف کے سبب ہمارے اس واقعہ کو دیکھ لیا اور آج آپ نے اسی طرف اشارہ فرمایا۔ چنانچہ ہم آپ کے اشارہ کو سمجھ کر سخت نادم اور شرمندہ ہوئے ہیں آپ کے مرشد کے کمال و عظمت کا یقین آگیا ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرتِ خواجہؒ نے اپنے وصال سے چالیس دن قبل ہی کھانا پینا اور بول براز چھوڑ دیا تھا۔ آپ ہر وقت دربارِ الٰہی میں گریہ وزاری کرتے

رہتے۔ ایک دن میرے بھائی مبارک جن کے ذمہ آپ کے خورد ونوش کا انتظام تھا، نے درخواست کی کہ حضرت تھوڑا سا تناول فرمالیں تو کچھ طاقت آجائے۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ اس کھانے کو پانی میں پھینک دو۔ کیونکہ میرے لئے میری آنکھوں کے آنسو ہی سالن کے شوربا کا کام دیتے ہیں۔ جب سید حسین نے یہ منظر دیکھا تو آپ سے التجا کی کہ حضرت مسلسل کئی دنوں سے آپ کے معدہ میں کوئی چیز نہیں گئی اس طرح تو آپ بے حد کمزور رہ جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ "مجھ ناچیز کو تو محبوب حقیقی کے وصال کا اشتیاق ہے۔ میں تمھارے مجازی کھانے کیسے کھالوں؟"

جب بیماری کا آپ پر سخت غلبہ ہوگیا تو آپ نے خواجہ اقبال کو حکم دیا کہ گھر میں جو کچھ بھی پڑا ہے اسے اللہ کی راہ میں تقسیم کردو۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔ البتہ گودام میں چند ہزار من غلہ رہنے دیا۔ سید حسین کرمانی نے جاکر عرض کیا کہ حضرت خواجہ اقبال نے سب کچھ تقسیم کر دیا ہے۔ البتہ چند ہزار من غلہ لنگر کے تین دن کے خرچ کے لئے رکھ لیا ہے۔ آپ نے خواجہ اقبال کو طلب فرمایا کہ "بابا ریت کا یہ ڈھیر جو تم نے بچا رکھا ہے اسے بھی فقرا میں تقسیم کردو" نیز حکم دیا کہ تم گودام کے دروازے کھول کر ایک طرف کھڑے ہو جاؤ تاکہ ضرورت مند خود آئیں اور حسب ضرورت اس غلہ کو اٹھا لے جائیں۔ جب یہ عمل مکمل ہو جائے تو پھر تمام گھر اور گودام میں جاکر جھاڑو دے دو۔

جب حالت زیادہ کمزور ہوگئی تو اقرباء اور غلاموں نے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہماری کیسے گذرے گی تو ارشاد ہوا کہ میرے روضہ سے تم کو اتنا مال ملیگا کہ فراخی سے وقت گذار دو گے۔

"جامع الکلم" میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہؒ نے اپنے خلیفہ خواجہ شہاب الدین امام کو مرض الوفات میں وصیت فرمائی کہ میری وفات کے بعد مسلسل تین دن تک میری قبر پر سماع کی محفل جاری رکھنا۔

"راحت القلوب" میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخؒ کا وصال بتاریخ اٹھارہ ربیع الآخر ۷۲۵ھ بروز چہار شنبہ طلوع آفتاب کے بعد ہوا۔

"سیر العارفین" میں سید محمد کرمانیؒ نے لکھا ہے کہ آپ کی عمر ۸۹ برس تھی۔ آپ ماہ ذوالحجہ ۴۷۷ھ کے آغاز میں بیمار ہوئے اور چار ماہ اور کچھ دنوں بیمار رہنے کے بعد عالم بقا کو رحلت فرما گئے۔

زندگی کے آخری چالیس دنوں میں آپ پر تحیر کا عالم طاری رہا۔ ہر وقت گریہ زاری کرتے رہتے۔ ایک ایک نماز کو کئی بار ادا فرماتے اور ٹھنڈی آہیں بھر کر یہ مصرعہ دہرایا کرتے:

میروِیم، میروِیم، میروِیم

"سبع سنابل" میں لکھا ہے کہ جب آپ کا جنازہ اٹھا کر قبرستان کی طرف لے جایا گیا، تو جنازہ کے ہمراہ قوال حضرت سعدیؒ کی یہ غزل ترنم کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے:

سرو سیمینا بصحرا مے روی
نیک بد عہدی کہ بے ما مے روی
کس بدیں شوخی و رعنائی نرفت
خود چنینی یا بعمداً مے روی!

جب قوال شیخ سعدیؒ کے اس شعر پہ پہنچے:

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہرِ تماشا مے روی

تو حضرت خواجہؒ پر شوقِ سماع کا غلبہ طاری ہو گیا آپ ہاتھ اٹھانا چاہتے تھے کہ کفن سے باہر کریں کہ پورے وجود میں جنبش پیدا ہو گئی جب شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ نے یہ حالت دیکھی تو قوالوں کو منع فرمایا۔ اسی وقت حضرت خواجہؒ نے اپنا ہاتھ مبارک نیچے رکھدیا۔

"سیر الاولیاء" میں ہے کہ آپ کی نمازِ جنازہ کی امامت شیخ رکن الدینؒ نے ادا فرمائی۔

جب حضرت خواجہؒ کو لحد میں رکھا گیا تو حسبِ ارشاد حضرت گنج شکرؒ کا خرقہ آپ کے جسدِ مبارک پر ڈالا گیا اور مصلیٰ اور عصا آپ کے سرہانے رکھا گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۱

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ مستغرق بحر شہود شمس العارفین حضرت خواجہ

نصیر الحق والدین محمود چراغ دہلوی اودھی چشتی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مستغرق میم پر پیش اور را پر زبر ہے۔ بے خود، کسی خیال میں ڈوبا ہوا،
بحر با پر زبر ہے معنی دریا، آب شور، تیز رفتار گھوڑا۔
شہود پہلے دونوں حرفوں پر پیش معنی حاضر ہونا، گواہ، موجود افراد، لیکن سالکوں کی اصطلاح میں اللہ کی زیارت اور رویداد یعنی وہ کامل شخص جو صوری اور معنوی کثرتوں کے اوہام سے نکل کر توحید حقیقی تک جا پہنچا ہو اور پھر اپنی آنکھوں سے اللہ کا دیدار کرے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے: "کُنْتُ بَصَرَہُ الَّذِی یُبْصِرُ بِہٖ" (اللہ فرماتا ہے کہ اس کو وہ مقام مل جاتا ہے کہ میں ہی اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس کے ذریعہ وہ کائنات کو دیکھا کرتا ہے۔) وہ شخص جب اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو تمام موجودات کی صورتیں اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے۔ پھر وہ خود کو اور تمام موجودات کو قائم بحق دیکھتا ہے اور جو کچھ وہ جانتا ہے اُسے صرف حق ہی جانتا ہے:

رؤیت حق بحق شہود بود　　　　خاصۂ حضرت وجود بود

شمس شین پر زبر ہے یعنی آفتاب، سورج۔ (کشف اللغات)
عارفین جمع عارف پہچاننے والا شخص، خدا شناس 'کنز اللغات' میں آیا ہے کہ عارف اس شخص کو کہا جاتا ہے، جس نے وجدانی کیفیت میں حال و شہود اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اسماء الٰہی کو بخوبی سمجھ اور پہچان لیا ہو۔
اودھ دہلی کے قریب ایک دیہہ کا نام۔ الف پر زبر اور دال پر جزم ہے۔
حضرت شیخ نصیر الدین محمود بن یحییٰ اودھی حضرت سلطان المشائخؒ کے عظیم خلفاء میں سے تھے اور حضرت سلطان المشائخؒ کے بعد آپ ولایت دہلی کے وارث ہوئے اور دہلی ہی

میں قیام فرما لیا۔ آپ اطاعتِ مرشد کے عملی نمونہ تھے۔ آپ کا طریقِ زندگی فقر و فاقہ اور رضا و تسلیم کا مجموعہ تھا۔

'فردوسیہ' میں لکھا ہے کہ آپ کا شجرۂ نسب امیر المومنین حضرت امام حسینؓ تک جاتا ہے۔

وجہ تسمیہ چراغ دہلوی: آپ کو چراغ دہلوی اس لئے کہا جاتا ہے کہ سلطان المشائخؒ انہیں چراغ دہلوی اور اکثر صرف "چراغ" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

'چشتیہ بہشتیہ' میں مذکور ہے کہ ایک دن چند اجنبی درویش حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اتفاقاً حضرت خواجہ نصیر الدینؒ کسی کام کے لئے آئے اور بڑے ادب کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ آپ نے عرض کی حضرت ان درویشوں کی طرف پیٹھ ہو گی۔ مرشد نے فرمایا کہ چراغ کی نہ کوئی پیٹھ ہوتی ہے اور نہ ہی منہ ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ حسب الحکم بیٹھ گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ جس طرح سامنے کی طرف سے دیکھتے تھے اس طرح آپ کو پشت کی جانب سے بھی نظر آتا تھا۔ اس وجہ سے آپکو چراغ دہلوی کہا جاتا ہے۔

'سیر العارفین' میں منقول ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں المعروف سید جلال سیاحؒ بیت اللہ کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ گئے تو وہاں آپ حضرت امام یافعی رضی اللہ عنہ کی صحبت سے بھی بہرہ ور ہوئے۔ انہوں نے فرمایا "آپ سے قبل دہلی میں بزرگانِ دین تو بہت ہوئے ہیں لیکن اب دہلی میں جس چراغ نے روشنی پھیلائی۔ وہ شیخ نصیر الدین ہیں" پس اس دن سے آپ چراغ مشہور ہو گئے۔

'مراد المریدین' میں ہے کہ ایک رات بادشاہِ وقت نے آپ کے ساتھ حسد کی وجہ سے اپنے وزراء کو حکم دیا کہ خبردار! حضرت کے ہاں یا آپ کے خدام کے ہاں چراغ جلانے کے لئے تیل نہ جانے پائے۔ جس نے وہاں تیل پہنچایا، اسے سخت سزا دی جائے گی۔ اس رات چونکہ کہیں سے تیل میسر نہ آسکا اسلئے آپ نے چراغوں میں تیل کی بجائے پانی ڈال

دیا۔ وہ پھر بھی روشن رہے، تو اس واقعہ کے بعد آپ کا لقب چراغ دہلوی مشہور ہو گیا۔

"شجرۃ الانوار" اور "سیر العارفین" میں منقول ہے۔ کہ عبد اللطیف یزدیؒ جو آپ کے دادا محترم تھے، خراسان سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے تھے اور لاہور میں ہی سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہاں ان کے فرزند یحییٰؒ پیدا ہوئے وہ جب بڑے ہو گئے تو آپ اہل و عیال کے ہمراہ دہلی کے قریب اودھ کے قصبہ میں جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ وہاں شیخ نصیر الدینؒ پیدا ہوئے۔

شیخ نصیر الدینؒ نو سال کے ہی تھے کہ آپ کے والد یحییٰؒ کا انتقال ہو گیا اور آپ کی تربیت کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہؒ نے سنبھال لی۔

آپ کی عمر بیس سال کی ہوئی تو آپ تمام علوم ظاہری سے فارغ ہوئے۔

علوم ظاہری کے مکمل کرنے کے بعد ایک تارکِ دنیا درویش کے ہمراہ جنگل اور ویرانے میں تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے سنبھالو، کریر اور جنگلی کریلوں کے پتے کھا کھا کر گذارہ کیا۔ اور آپ نے آپ کو مزیدار اور بدمزہ کھانے کی تفریق سے آزاد کر لیا۔

جب چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ طویل مدت تک اپنے مرشدؒ کی خدمت میں مصروف و مشغول رہے۔ ایک دن سلطان المشائخؒ نے آپکو تنہائی میں طلب فرمایا اور پوچھا چراغ! تم اس قدر تن دہی سے میری خدمت کیوں کرتے ہو۔ آپ نے عرض کی کہ میرا مقصد حیات ہی یہ ہے کہ اپنی زندگی آپ کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرنے اور آپ کے خدام کی جوتیاں سیدھی کرنے میں صرف ہو جائے۔

سلطان المشائخؒ ان کے جواب سے بہت خوش ہوئے اور انہیں خرقۂ خلافت اور عظیم نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔

چشتیہ بہشتیہ: "ذخیر الاذکار" میں منقول ہے کہ اہل عرفان کے قائد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کو الہام خداوندی سے معلوم ہوا کہ ان کے خدام

اور سلسلہ چشتیہ بہشتیہ میں اس حلیہ اور ان نشانیوں والا ایک شخص آئے گا جس کا وجود اس قدر مقدس ہوگا کہ وہ اگلے پچھلے تمام لوگوں کی نجات کا ذریعہ بنے گا۔ اس الہام الٰہی کے بعد وہ زندگی بھر اس شخص کی آمد کے منتظر رہے لیکن اس حلیہ والا شخص نہ آیا۔ آپ نے وصال کے وقت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو وصیت فرمائی کہ اگر تمہارے عقیدت مندوں میں اس شکل کا کوئی آدمی آئے تو اس سے میری اور سلسلہ چشتیہ کے تمام وابستگان کی نجات کے لئے ضرور دعا کرانا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ بھی انتظار کرتے رہے لیکن ایسا شخص نہ آیا۔ چنانچہ آپ نے بھی بوقتِ رحلت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو وہی وصیت کی جو آپ کے مرشد نے وصیت کی تھی۔ لیکن حضرت بختیار کاکیؒ کی زندگی میں بھی ایسا شخص نہ پہنچا۔

حتیٰ کہ یہ وصیت سینہ بسینہ حضرت سلطان المشائخؒ تک پہنچی آپ اسی انتظار میں تھے کہ وہ شخص کہیں سے آجائے۔ ایک دن کیا دیکھتے ہیں کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ استغراق کے عالم میں ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہیں۔ آپ کے دونوں پاؤں حوض میں ہیں اور وہ تمام علامات آپ پر وارد ہیں۔ حضرت سلطان المشائخؒ نے جب سب مطلوبہ علامات اس وقت آپ میں دیکھیں تو بڑی تیزی سے اُن کی طرف بڑھے اور دوسری طرف سے حوض میں مع کپڑے چھلانگ لگا دی۔ اور ان کے دونوں قدموں کو ہاتھوں میں قابو کر لیا۔ جب خواجہ نصیر الدینؒ حالتِ استغراق سے نکلے تو یہ دیکھ کر سخت شرمندہ اور پریشان ہوئے کہ ان کے مرشد نے آپ کے پاؤں کو ہاتھ لگا رکھا ہے۔ سلطان المشائخؒ نے فرمایا کہ یہ سب کچھ میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ مجھے حضرات خواجگان کی طرف سے مسلسل ایک وصیت ہوتی آئی ہے۔ اب میں تمہارے پاؤں اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک تم سلسلہ چشتیہ کے تمام سابقہ، موجودہ اور آئندہ کے خدام کی اُخروی نجات، خاتمہ بالایمان اور رضائے الٰہی کی دعا نہیں کرو گے۔ آپ نے مرشد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس طرح دعا کی جس طرح حضرت مرشد نے فرمایا تھا۔

حضرت سید جلال الدین سرخؒ کے پوتے حضرت مخدوم جہانیانؒ اپنی کتاب جامع العلوم

میں نقل فرماتے ہیں کہ ایک بار میں بقصدِ حج اور خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ جب بھیڑ چھٹ جائے تو میں اطمینان سے طواف کعبہ کروں۔ لیکن وہاں ہر وقت لوگوں کا اژدہام رہتا۔ اس لئے مجھے موقعہ نہ مل سکا۔ اتفاق سے ایک رات آسمان پر سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور شہر میں سخت تاریکی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس وقت غالباً بھیڑ نہ ہوگی۔ لہٰذا اب جا کر طوافِ کعبہ کی دولت سے فیضیاب ہو لیتا ہوں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ بہت سے اژدہا طواف میں ہیں میرے لئے سکون سے طواف ناممکن تھا۔ مایوس ہو کر واپس لوٹ آیا۔ گھنٹہ بھر بعد میں پھر اٹھا اور بیت اللہ کی طرف چل پڑا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ بیت اللہ غائب ہے۔ میں حیران ہو گیا اور التجا کی "کہ اے میرے مولا! مجھ ناچیز سے ایسا کون قصور سرزد ہوا ہے کہ تو نے بیت اللہ کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے؟"

اسی دوران میں غیب سے آواز آئی کہ "تم سے تو کوئی قصور سرزد نہیں ہوا البتہ میرا ایک دوست ہے جس کے دل میں بیت اللہ کی زیارت کا بے حد اشتیاق ہے لیکن وہ اپنی نقاہت اور ضعف کی وجہ سے یہاں آ نہیں سکتا، ہمیں اس کی پاسداری اور دلداری ملحوظِ خاطر تھی۔ اس لئے آج کی رات ہم نے بیت اللہ کو حکم دیا ہے کہ تم خود اس کے پاس جاؤ اور اس کی تمنا و خواہش پوری کرو۔ تاکہ وہ بیت اللہ کا طواف وہیں اپنے گھر میں ہی کر لے۔ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کہتے ہیں کہ میں ہکا بکا رہ گیا میں نے پھر عرض کی کہ وہ ہستی کون ہے۔ اس کا نام اور ٹھکانہ کہاں ہے جس کے لئے اس قدر عظیم اہتمام کیا گیا ہے؟ آواز آئی کہ "اس کا نام شیخ نصیر الدینؒ ہے اور وہ دہلی میں رہتا ہے۔" حضرت مخدوم جہانیاںؒ کو جب یہ علم ہوا تو آپ نے ادائیگی حج کے بعد جلد واپسی اختیار کی، طویل سفر اور منزلوں پر منزلیں طے کرنے کے بعد دہلی پہنچے۔ آپ کے دروازہ پہ پہنچے تو دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام حجرہ سے باہر تشریف لا رہے ہیں حضرت مخدومؒ نے پوچھا حضرت یہاں آپ کیسے تشریف لائے تھے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا "شیخ نصیر الدینؒ کی زیارت مطلوب تھی۔" یہ سن کر حضرت مخدوم جہانیاںؒ

کے دل میں آتش شوق مزید بھڑک اُٹھی۔ اندر گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر غیر مترقب نعمتوں سے مالا مال ہوئے۔

"سیر العارفین" میں منقول ہے کہ حضرت چراغ دہلویؒ صبر و رضا کے مجسّم پیکر تھے۔ لوگ آپ پر خواہ بہت زیادتی بھی کرتے۔ آپ ہمیشہ صبر و حوصلہ سے کام لیتے اور کسی شخص سے انتقام نہ لیتے۔ ایک دن ایک قلندر جس کا نام "ترابی" تھا، بے وقت آپ کے خصوصی حجرہ میں گھس آیا۔ بغل سے چھری نکال کر آپ کے جسم پر بارہ وار کئے جن کی وجہ سے آپ کا خون بہنے لگا۔ وہ خون بہہ کر نالی کے راستہ جب حجرہ سے باہر گیا تو آپ کے خدام کو پتہ چلا لیکن حضرت اس قدر عالم استغراق میں تھے کہ آپ کو قلندر کے آنے یا اس کے وار کرنے کا قطعاً احساس نہ ہوا جب خون بہہ نکلا تو خدام نے اس قلندر کو گرفتار کر لیا۔ وہ اسے قتل کرنا ہی چاہتے تھے کہ آپ استغراق کی حالت سے باہر آئے۔ خدام سے حقیقتِ واقعہ دریافت کی۔ انہوں نے بالتفصیل سب واقعہ گوش گذار کیا۔ آپ نے یہ سن کر کچھ اشرفیاں منگوائیں۔ اس قلندر کو دیں اور اسے خدام سے چھڑا کر روانہ کر دیا۔ آپ نے اس قلندر کو فرمایا بھائی! اگر تمہیں ہمارے ہاتھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں معافی کا طلبگار ہوں۔ پھر کہا: "آیندہ یہاں نہ آنا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میرے یہ درویش تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔"

"مراۃ الاسرار" میں لکھا ہے کہ جب سلطان محمود تغلق اپنے لشکر کے ہمراہ ٹھٹھ کی جانب روانہ ہوا تو وہاں کے تمام مشائخ اور اکابرین کو جبراً اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس نے شیخ نصیر الدین محمودؒ کو بھی ہمراہ جانے پر مجبور کیا۔ آپ نے بڑے تحمل اور حوصلہ سے حجرہ سے باہر قدم نکالا اور بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ البتہ یہ الفاظ کہے کہ "بادشاہ مجھے اپنے ساتھ تو لے جا رہا ہے لیکن یہ لے جانا اسے سخت مہنگا پڑے گا اور وہ بخیریت دہلی واپس نہ آسکے گا۔"

چنانچہ یہی ہوا۔ بادشاہ جب ٹھٹھ کے قریب پہنچا تو ٹھٹھ پہنچنے کی بجائے عالم بقا کو سدھارا۔ آپ کے ارشاد کے مطابق محمود تغلق کے بعد اس کے بیٹے فیروز شاہ نے

عنانِ حکومت سنبھال لی۔ اپنے والد کے برعکس فیروز شاہ نے عدل وانصاف سے کام لیتے ہوئے پورے ملک میں سکون واطمینان کی فضا پیدا کر دی۔

سماع :-

"اخبار الاخیار" میں منقول ہے کہ ایک دن حضرت سلطان المشائخؒ کے بعض مریدوں نے سماع کی ایک محفل منعقد کی، جس میں ایک عورت بیٹھی ڈھولک بجا رہی تھی۔ آپ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو وہاں سے اُٹھ کر جانے لگے۔ آپ کے دیگر ساتھیوں نے بیٹھنے کے لیئے کہا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ خلافِ سنّت کام ہے میں یہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ دوستوں نے کہا کہ کیا تم اپنے مرشد کا طریقہ چھوڑ کر سماع کے منکر ہو رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کہ "مرشد کی بات میرے لیئے کوئی شرعی حجت نہیں۔ مجھے صرف قرآن وحدیث سے سماع کا ثبوت پیش کرو۔" ان ساتھیوں میں سے بعض نے اس واقعہ کی تفصیل حضرت سلطان المشائخؒ کے گوش گزار کی جب سلطان المشائخؒ کو آپ کے موقف کی صداقت کا علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ "نصیر الدین ٹھیک کہتا ہے اور یہی درست موقف ہے۔"

"خیر المجالس" میں مذکور ہے کہ شیخ نصیر الدینؒ کی مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ سازوں کے ساتھ سماع سننا جائز نہیں۔ یہ جو صوفیاء کی مجالس میں سازوں کے ہمراہ سماع کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور لوگ اس میں رقص کرتے ہیں یہ سب کچھ ناجائز ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں! مزامیر یعنی سازوں کا اور آلاتِ موسیقی کا استعمال تمام مکاتب فکر میں بالاجماع ناجائز ہے۔ اگر کوئی شخص طریقت کے درجہ سے گر گیا تو شریعت اسے پناہ دے گی۔ لیکن اگر وہ شریعت سے گر گیا تو پھر کہاں جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک صرف مخصوص افراد کے لیئے چند کڑی شرائط کے ساتھ سماع سننے کی اجازت ہے۔ لیکن جہاں تک آلاتِ موسیقی کے استعمال کا تعلق ہے تو وہ متفقہ طور پر ناجائز بلکہ حرام ہیں۔

کہتے ہیں کہ آخر عمر میں آپ مرشد کے طریقہ کے مطابق سماع سن لیا کرتے تھے۔ چنانچہ "جامع الکلم" میں مذکور ہے ایک دن خانقاہ میں بیٹھے تھے۔ اس شعر سے

آپ کے دل میں آتشِ شوق بھڑک اٹھی ؎

جفا بر عاشقاں گفتی نخواہم کرد ہم کردی
قلم بر بیدلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

(یعنی تو نے کہا کہ عاشقوں پر ظلم و جفا نہ کروں گا لیکن پھر بھی تم نے جفا کر ڈالی تو نے کہا کہ بیدلوں کی قسمت پر ظلم کا قلم نہ چلاؤں گا مگر تم چلا کر ہی رہے۔)

"مغیث" نامی ایک شاعر تھا اُس نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ کہ یہ شعر حقیقی معنوں پر قطعاً محمول نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جور و جفا کی نسبت خدا کی طرف کرنا کفر کے مترادف ہے۔ اس شاعر نے اسی نوعیت کے کئی اور اشعار جمع کئے اور مولانا معین الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مولانا نے یہ اشعار لیکر آپ کی طرف بھیج دیئے۔ جب اشعار کا یہ مجموعہ آپ کے پاس پہنچا۔ آپ نے مولانا معین الدین کو طلب فرمایا اور وہ مجموعہ مولانا کو واپس کر دیا۔ لیکن زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ دوسرے دن جب محفل سماع منعقد ہوئی تو حضرت خواجہؒ نے اس رباعی پر رقص کرنا شروع کر دیا۔

ما طبل مغانہ دوش بے باک زدیم | عالی علمش بر سر افلاک زدیم!
از بہر یکے مغبچہ میخوارہ! | صد بار کلاہِ تو بر بر خاک زدیم

(یعنی ہم میخانہ کا نقارہ پوری قوت سے بجائیں گے اور ناصح کے علم و فضل کی دھجیاں فضا میں بکھیر کر رکھ دیں گے۔ اس شراب نوش لونڈے کی خاطر ہم اپنی دستار فضیلت کو سو بار زمین پر پائمال کریں گے۔)

حضرت خواجہؒ یہ رباعی پڑھتے تھے اور بے حد بے چین و مضطرب تھے۔ پھر آپ بالاخانہ پر تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ مغیث کو بلاؤ۔ جب مغیث حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "ہاں مغیث اب بتلاؤ کہ اس رباعی میں کونسی ناجائز بات ہے؟" یہ کہہ کر مغیث کو واپس بھیج دیا وہ ابھی اپنے مکان پر نہ پہنچا تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

ذخیر المجالس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت صوفیاء پر جو حالت وارد ہوتی ہے، یہ کیوں ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ حالت اعمال

کا نتیجہ ہُوا کرتی ہے اور عمل کی دو قسمیں ہیں :

① ایک جسم کا عمل جو آدمی کو معلوم ہوتا ہے۔

② دوسرا قلب کا عمل جسے مراقبہ بھی کہتے ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ تیرے دِل میں ہر لمحہ یہ خیال جاگزیں رہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ عالمِ بالا سے جو انوار نازل ہوتے ہیں وہ پہلے رُوح پر نازل ہوتے ہیں، پھر اس کے بعد ان کا نزول دِل پر ہوتا ہے۔ دل سے آگے اعضا کیطرف جاتے ہیں ظاہر ہے کہ اعضاء دل کے ماتحت ہیں، جب دل حرکت کرتا ہے تو وہ بھی حرکت کرتے ہیں۔ عین اس وقت ایک شخص نے عرض کی کہ حضرت عوارف المعارف' میں تو صاحبِ حال شخص کو ایک درمیانہ درجہ کا شخص قرار دیا گیا ہے، چنانچہ 'عوارف المعارف' میں مذکور ہے :

"اَلْمُبْتَدِیُّ صَاحِبُ الْوَقْتِ وَالْمُتَوَسِّطُ صَاحِبُ الْحَالِ وَالْمُنْتَهِیُ صَاحِبُ الْاَنْفَاسِ"

(یعنی صاحبِ وقت کا درجہ ابتدائی، صاحبِ حال کا درجہ درمیانہ اور صاحبِ انفاس کا آخری درجہ ہے۔)

اس شخص کی یہ بات سُن کر آپ کے دیگر خدام نے عرض کی کہ حضرت جس موضوع پر پہلے بات ہو رہی تھی آپ پہلے اسے مکمل فرمائیں لیکن آپ نے اس شخص کی طرف توجہ فرمائی اور دریافت فرمایا کہ یہ درجات تم نے عوارف سے خود پڑھے ہیں؟ وہ شخص یہ سُن کر خاموش ہو گیا۔

حضرت مخدومؒ نے پھر ارشادات کا آغاز کیا اور فرمایا کہ المبتدی صاحب وقت کا کیا مطلب ہے؟ اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ صوفی وہ ہوتا ہے جو اپنے وقت کو غنیمت جانے اور اسے معلوم ہو کہ کام کے لئے میرے پاس یہی وقت ہے۔ اس کے بعد مجھے شاید وقت ملے نہ ملے۔ جب وہ یہ موقف اختیار کر لیتا ہے تو پھر وہ ہر وقت تلاوت، نماز اور ذکرِ الٰہی جیسی عبادات میں ہی لگا رہتا ہے۔ تو جو شخص اپنے اوقات کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دے اور اس عمل پر ثابت قدم رہے تو پھر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ صاحبِ وقت سے ترقی کر کے صاحبِ حال بن جائے، کیونکہ

صاحبِ حال ہونا اعمالِ صالحہ پر موقوف ہے۔ اور اعمال کے ذریعہ سے ہی انوارِ عالمِ بالا کا نزول ارواح پر ہُوا کرتا ہے۔ پھر اس کے دل پر پہنچ کر اعضا تک پہنچتا ہے۔

صاحبِ حال کو دوام نہیں ہُوا کرتا۔ اگر اسے دوام حاصل ہوتا تو یہ بھی ایک مستقل مقام بن جاتا۔

فرمایا کہ "المنتھی صَاحِبَ الانفاس" کا مطلب یہ ہے کہ سالک کا کوئی ایک لمحہ بھی غفلت میں بسر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ طریقت نے اس کا ایک یہ مفہوم بھی لیا ہے کہ سالک جو کچھ کہتا ہے اور جو سانس بھی لیتا ہے اللہ تعالیٰ وہی کچھ کر دیتا ہے۔

آپ نے فرمایا صوفیاء کی اصطلاح میں "صاحبِ وقت" اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے اوقات میں سے کسی وقت حال پیدا ہو جائے لیکن غالب نہ ہو جائے۔ المبتدی صاحبِ وقت یہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ "متوسط صاحب الحال" اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر حال غالب رہے یعنی جس کے اکثر اوقات میں حال پیدا رہے اور "منتھی صاحب انفاس" وہ ہوتا ہے کہ جس کا حال سانسوں کے ساتھ وابستہ ہو اور وہ ایک بھی ایسا سانس نہیں لیتا جو حال کی موجودگی کے بغیر ہو۔ گویا حال اس کا مقام بن جاتا ہے۔

پھر آپ نے ٹھنڈی آہ بھری اور یہ حدیث بیان فرمائی:

"اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ، اَلَا فَتَعَرَّضُوْا لَھَا۔" (یعنی یاد رکھنا کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے بعض اوقات خوشبودار ہوائیں چلا کرتی ہیں۔ ان ہواؤں سے مستفید ہونے کی کوشش کرو۔)

آپ نے فرمایا یہ وجدانی کیفیات بعض اوقات سالک کے جسم میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ صوفی اگر رات کو بھوکا سو جائے اور رات کے آخری حصہ میں بیدار ہو کر ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو جائے اور اس کے دل میں ماسوائے اللہ کسی چیز کا خیال بھی نہ ہو تو اس وقت وہ اپنی روح پر انوارِ الٰہی کی بارش نازل ہوتی محسوس کرتا ہے۔ خواہ اس وقت کوئی ترکِ دنیا کرے یا کوئی ریاضت یا مجاہدہ کرے،

اسے یہ کیفیت حاصل ہو جایا کرتی ہے اور اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں :

نظر در دیدہا ناقص فتاد است   وگرنہ یار من از کس نہاں نیست

(یعنی دیکھنے والوں کی نظریں ہی کمزور ہیں ورنہ میرا محبوب بھلا کس شخص سے چھپا ہوا اور پوشیدہ ہے ؟)

آپ نے مزید فرمایا کہ اس سلسلہ میں اہم چیز یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کی بخوبی حفاظت کرے۔ صوفی کو چاہیئے کہ اپنے نفس کی طرف سے پوری طرح چوکنا رہے اور باطنی دنیا کا خیال رکھے تاکہ مطمئن رہے۔ کیونکہ جب نفس کو کھلی چھٹی دے دی جاتی ہے تو انسان کا دل پریشان ہو جایا کرتا ہے۔ صوفی وہ ہوتا ہے جو اپنے سانسوں کا شمار رکھے۔ یہ ہے اصل میں صاحب انفاس کا مفہوم۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کو اپنے حال پر نگاہ رکھتے ہوئے اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ رکھنا چاہیئے اور اسی کے خیال میں مستغرق رہنا چاہیئے۔ اور اپنے دل سے ماسوی اللہ یعنی پوری دنیا کو کھرچ دینا چاہیئے۔

آپ نے فرمایا کہ قبولِ اعمال کا تعلق اور انحصار انسان کے اپنے جذبہ پر ہے۔ یعنی انسان جو عمل بھی کرتا ہے خواہ وہ عمل بچپن میں کرے، جوانی میں یا بڑھاپے میں البتہ اس جذبے کے کئی مرتبے ہیں۔ ایک جذبہ عام ہوتا ہے جس میں اعمال کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور ایک جذبہ خاص ہوتا ہے جس میں انسان کا دِل اللہ تعالیٰ کی ذات میں تو متعلق رہتا ہے مگر غیر سے فارغ ہوتا ہے۔

شجرۃ الانوار وغیرہ میں ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا۔ حضرت رات کا پہلا پہر بابرکت ہے یا آخری پہر متبرک ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

سَأَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جِبْرِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ مَا اَفْضَلُ الْاَوْقَاتِ فَقَالَ لَا اَدْرِیْ وَلٰکِنْ اِذَا مَضٰی نِصْفُ اللَّیْلِ تَرْتَعِصُ الْمَلَائِکَۃُ وَتُسِیْرُ الْعَرْشُ اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِیْ اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٍ فَتَعَرَّضُوْا لَھَا

یعنی حضور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ اوقاتِ شب و روز میں سے افضل ترین وقت کون سا ہے؟ جبریلؑ نے کہا کہ

"مجھے اس کا تو علم نہیں۔ لیکن رات کا جب نصف اوّل گذر جاتا ہے۔ تو فرشتے پھڑپھڑانے لگتے ہیں اور عرشِ الٰہی میں حرکت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس عالم میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی خوشبودار ہوائیں چلنا شروع ہوجاتی ہیں۔ اسلئے اسی عالم میں اللہ کے دربارِ اقدس میں حاضری دیا کرو۔" آپ سے کسی نے سوال کیا کہ حدیث میں آتا ہے "رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَتِہٖ" (یعنی میں نے اللہ تعالیٰ کا ایک حسین ترین صورت میں دیدار کیا) یہ حسین ترین صورت کون سی ہے؟

آپ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تھا تو اُس وقت اس سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی حسین ترین صورت تھی اور واقعی اُس وقت آپؐ کی صورت حسین ترین تھی کیونکہ آپؐ معراج کے مقام پر تھے جہاں آپؐ کی ملاقات انبیاء کرام سے ہوئی۔ آپؐ کو کئی خوشخبریاں دی گئیں اور اللہ کے نور کا آپ پر نزول ہوا تھا۔ چنانچہ ان تمام نعمتوں کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت پر ایک خصوصی جمال وحُسن جھلکنے لگا۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں:

رَأَیْتُ رَبِّیْ فِیْ سِکَکِ الْمَدِیْنَۃِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ وَفِیْ رِجْلَیْہِ النَّعْلَیْنِ
قِیْلَ اَکَفَرْتَ بَعْدَ الْاِیْمَانِ فَتَبَسَّمَ

"کہ ایک دن میں نے اپنے ربّ کو مدینہ کی گلیوں میں چلتے دیکھا۔ اس پر سُرخ چادر تھی اور پاؤں میں جوتے تھے۔ ان الفاظ کے سُننے پر لوگوں نے حضرت ابوہریرہؓ کو کہا کہ کیا ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہوگئے؟ تو حضرت ابوہریرہؓ ان کی بات سُن کر مُسکرا پڑے۔

اَب جبکہ صورت کا لفظ موضوعِ بحث تھا تو آپ کے خدام نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" (یعنی اللہ نے آدم کو اپنی صُورت پر پیدا کیا) تو اس حدیث میں "صورتہ" میں ہاء کی ضمیر کا مرجع کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ضمیر کا مرجع آدم علیہ السلام ہیں۔ یعنی اللہ نے آدم کو اس کی اپنی خاص صورت پر تخلیق کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام قدو قامت کی بلندی کی وجہ سے دوسرے تمام انسانوں سے

الگ صورت رکھتے تھے، نیز آدمیوں میں یوں ہوتا کہ عام آدمی پہلے بچّہ ہوتا ہے، پھر جوان اور پھر بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو آدمیوں کی صورت ایک حال پر قائم نہیں رہتی۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام میں عمر کی ان تبدیلیوں کی وجہ سے تبدیلی نہیں آئی تھی۔

سمرآت الاسرار میں مذکور ہے کہ جب حضرت خواجہ نصیر الدین محمود قدس اللہ سرہٗ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے خلیفے اور بھانجے حضرت خواجہ کمال الدین علامہؒ کو وصیت فرمائی کہ "جب مجھے قبر میں رکھا جائے تو حضرت شیخ و مرشدؒ کا عطا کردہ خرقہ اور عصا میرے سینہ پر رکھ دینا، لکڑی کا پیالہ اینٹ کی بجائے میرے سر کے نیچے رکھ دینا" تسبیح میرے ہاتھ میں ڈال دینا اور جوتے قبر میں میرے قریب رکھ دینا" چنانچہ آپ کی وصیت پر حرف بحرف عمل کیا گیا۔

آپ کا وصال جمعہ کی رات ۱۸ ماہ رمضان ۷۵۷ھ کو ہوا! اور دہلی میں اپنے خصوصی حجرہ میں دفن ہوئے۔

(۴۲)

اہل بے محرمت شیخ المشائخ

حضرت شیخ کمال الحق والدین علامہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

آپ خواجہ مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ کے خلیفہ اور رشتہ سے آپ کے بھانجے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امیر المومنین امام حسینؓ بن علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک جاتا ہے۔ آپ ننھیال اور ددھیال دونوں جانب سے صحیح النسب تھے۔ حضرت شیخ محمدؒ کی تالیف 'مجالس حسینیہ' میں مذکور ہے کہ آپ ابتداً اودھ میں قیام پذیر تھے لیکن حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغؒ کی بیعت کے بعد آپ اور آپ کے تمام اہل و عیال دہلی منتقل ہو گئے اور دہلی کو ہی اپنا مسکن قرار بنا لیا۔

آپ تمام علوم عقلیہ اور نقلیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم پانی پتی، مولانا عالم سنگریزہ ملتانی اور تاتار خاں آپ کے شاگرد تھے۔ نیز سید جلال الدین بخاریؒ کے پوتے حضرت مخدوم جہانیاںؒ بھی آپ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے خود 'جامع الکلم' میں تحریر فرمایا ہے کہ انھوں نے مشارق الانوار کی شرح شیخ کمال الدین علامہؒ سے پڑھی تھی۔

'شجرۃ الانوار' میں مذکور ہے کہ آپ نے جوانی میں اس لگن سے علوم حاصل کئے کہ کوئی بھی علم کا شعبہ ایسا نہ تھا جس میں آپ نے دسترس حاصل نہ کی ہو۔ آپ کو علم تفسیر، حدیث اور فقہ میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے تمام علمائے مفسرین و محدثین اور فقہا کے ہاں آپ علامہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ جہاں کہیں بھی کسی صاحب کمال درویش کا پتہ چلتا آپ تشریف لے جاتے اور جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ اسے علم سے لگاؤ ہے' اس کی قدر کرتے۔ آپ کا علوم ظاہریہ کی نسبت علوم باطنیہ کی طرف میلان زیادہ تھا۔ آپ کا قول ہے کہ اگر باطن نہ ہو تو ظاہر بے سود ہے اور اگر روح ہی نہ ہو تو وجود کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

آپ کو حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغؒ کی خدمت میں بیٹھ کر جو لذت و سُرور حاصل ہوتا وہ کسی اور کی مجلس میں حاصل نہ ہوتا۔ اپنے متعلق فرمایا کرتے :

آب در کوزہ و من تشنہ لباں گردیدم
یار در خانہ و من گرد جہاں گردیدم

(یعنی پانی برتن میں میرے سامنے تھا لیکن میں تشنہ لب پھرتا رہا۔ میرا محبوب میرے گھر میں بیٹھا تھا اور میں اسے دُنیا بھر میں تلاش کرتا پھرا)

جب حضرت شیخ نصیر الدینؒ نے اپنے بھانجے میں خلوص اور طلبِ صادق کا جذبہ موجود پایا تو انہوں نے آپ پر خصوصی توجہات کی بارش برسادی۔

آپ اکثر پوری پوری رات تلاوتِ قرآن مجید میں مصروف رہتے۔ کبھی پُوری رات نوافل ادا کرنے میں بسر ہو جاتی اور کبھی نمازِ عشاء کے بعد مراقبہ میں بیٹھ جاتے اور اسی ایک نشست پر صبح کر دیتے اور فجر کی نماز اسی عشاء کے وضو سے ادا فرماتے۔

حضرت مخدوم نصیر الدین محمودؒ نے اوائے نوافل کے سلسلہ میں آپ کو ارشاد فرمایا "برخوردار! طلوعِ آفتاب کے بعد دو رکعت نمازِ اشراق اس طریقے سے پڑھا کرو کہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی۔ تا خالدون۔ اور دوسری رکعت میں "آمن الرسول اور آیت اللہ نور السموات" تا علیم" پڑھا کرو۔ یہ دو رکعت ادا کرنے کے بعد مقررہ دعا کرو۔"

پھر دو رکعت استعاذہ اس طرح ادا کیا کرو کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ فلق ایک بار اور دوسری میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ الناس کی قرأت کیا کرو پھر مقررہ دعا کرو۔

اس کے بعد دو رکعت نمازِ استخارہ اس طور ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پڑھو اور نماز ختم کرنے پر مقررہ دعا پڑھو۔ پھر دو رکعت استحباب کی نماز اس طور پڑھا کرو کہ پہلی میں سورۃ قدر اور دوسری میں سورۃ کوثر پڑھی جائے بعد میں مقررہ دعا پڑھنی چاہیئے۔

پھر چار رکعت نمازِ ضحیٰ ادا کرو جس کی پہلی رکعت میں والشمس، دوسری

میں والّیل تیسری میں والضحیٰ چوتھی میں الم نشرح پڑھکر معیّنہ دُعا پر ختم کرو۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے مرشد کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ آپ نے مراقبہ فرمایا اور دعائیہ کلمات فرمانے کے بعد مجھے خوشخبری دی کہ "تم علامۂ زمان بنو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کمال پر پہنچائیگا اور میرے اس خرقۂ خلافت وکلاہِ درویشی کے تم وارث قرار پاؤ گے۔ ایسی صورتِ حال میں تمہیں ضروری ہے کہ ان اشیاء کی ذمہ داریوں کو سمجھنا، بزرگوں کے راستہ پر چلنا اور سُنّت نبوی کی مضبوطی سے پیروی کرنا۔" پھر آپ نے وصیت نامہ لکھ کر میرے حوالے فرمایا:

"مجالس حسینیہ" میں شیخ محمد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کمال الدین علامہؒ کو شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی طرف سے بھی خلافت ملی تھی۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ حالانکہ آپ کے مرشد تھے پھر بھی آپ کا بے حد ادب و احترام کرتے۔ چنانچہ شیخ موصوف جب اُن کی دستارِ مُبارک کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے۔ سید محمد گیسو درازؒ نے اپنی تالیف میں آپ کے بے شمار مناقب لکھے ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ شیخ کمال الدین علامہؒ اپنے زمانہ کے مسلم الثبوت رہنما تھے اور سلطان فیروز شاہ و دیگر اراکینِ سلطنت کو آپ کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی۔

قاضی محمد عاقل صاحبؒ جو حضرت قبلۂ عالم مہارویؒ کے خلیفۂ اعظم تھے، سے منقول ہے کہ حضرت مسعودؒ حضرت شیخ شہاب الدینؒ کے مرید تھے اور شیخ شہاب الدینؒ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کے خلیفۂ اعظم تھے۔ نیز انہوں نے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے بھی فیض پایا ہے اور شیخ کمال الدین علامہؒ کے معتقدین میں سے بھی تھے۔ انہوں نے ایک دن جوتوں کا جوڑا خرید کر شیخ کمال الدینؒ کے پیش کرنا چاہا۔ راستہ میں کسی نے پوچھا کہ کس کے جوتے اُٹھائے جا رہے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ کے"۔ ان الفاظ سے علماء برہم ہو گئے اور ان کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ چنانچہ انہیں قلعہ فیروز کے نیچے ساحل دریائے جمن پر لے جا کر شہید کر دیا گیا اور آپ کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے دریا کے پانی میں پھینک دیا۔ اس طرح ان کا کوئی سراغ نہ رہا۔

مگر کچھ مدّت کے بعد آپ کا مجسم وجود حضرت سلطان المشائخؒ کے حجرہ میں پایا گیا تو انہیں حضرت قطب الاقطابؒ کے مزار کے قریب ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت کمال الدینؒ کو ملی تو آپ نے قاضی سے پوچھا کہ تم نے کس جرم میں انہیں قتل کروایا؟ قاضی نے کہا کہ اس نے خداوند قدوس کے پاؤں ثابت کیے تھے۔ شیخ کمال الدینؒ نے فرمایا ایسی معمولی مشابہت موجب کفر نہیں ہوتی۔ اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ یہ خدا کے پاؤں کی جوتیاں ہیں۔ اس نے تو کہا تھا کہ یہ جوتیاں خدائے پاک کی ہیں۔ گویا اس کی ملکیت ہیں تو تو جب "وللہ مافی السموات والارض" کی آیت کے مطابق زمین و آسمان کی تمام اشیاء اللہ کی ملکیت میں ہیں تو اس نے اگر جوتیوں کی ملکیت کی نسبت اللہ کی طرف کر دی تو کون جرم ہو گیا؟ قاضی آپ کی اس دلیل سے لاجواب ہو گیا۔ آپ نے تین بار فرمایا۔ کہ روسیاہ قاضی میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ قاضی اسی وقت روسیاہ و تباہ حال ہو گیا۔

(منقول از تصنیف مولوی گل محمد احمد پوریؒ)

منقول ہے کہ شیخ حسن محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب شیخ کمال الدینؒ کو بیت اللہ اور روضۂ نبویؐ کی زیارت کا اشتیاق پیدا ہوا تو آپ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا ارادہ بیان کرنے کے بعد ان سے دعا کی درخواست کی تو حضرت سلطان المشائخؒ نے انہیں خود الوداع فرمایا اپنے پہنے ہوئے کپڑے عطا فرمائے اور خلافت نامہ عطا کیا۔

حضرت کمال الدینؒ نے آپ کے قدموں پر سر رکھا اور پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ یہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی نظر عنایت کا نتیجہ تھا کہ آپ نے زندگی میں حج کی سات بار سعادت حاصل کی، روضۂ اطہر کی زیارت بھی کی اور بیت المقدس میں حاضری بھی دی۔

حج سے واپسی پر آپ نے خراسان کا راستہ اختیار کیا۔ اہل خراسان کو آپ کی واپسی کا علم ہوا تو اس علاقہ کے کئی بادشاہان حکومت آپ کی زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور بے شمار مال و دولت بطور نذرانہ پیش کیا۔

اس کثیر مال و دولت کے ساتھ آپ دہلی تشریف لائے۔ تیرہ اونٹوں پر لدا ہوا یہ

مال لیکر شیخ نصیر الدین محمودؒ کی خدمت میں پہنچے۔ آپ نے پوچھا برخوردار! اتنی کثیر دولت کیوں سمیٹ لائے ہو؟ آپ نے عرض کی حضرت میں نے دوران سفر سنا تھا کہ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاءؒ وصال فرما گئے ہیں اور ان کی جگہ شیخ نصیر الدینؒ سجادہ نشین ہوئے ہیں میں نے سوچا کہ اگر میں خالی ہاتھ جاؤں گا تو لوگ مجھے طعنے دیں گے۔ لہٰذا یہ تمام زر و مال اور سامان لنگر کے خرچ کے لئے لایا ہوں۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ نے فرمایا "یہ تمام مال و دولت علماء اور صلحاء میں تقسیم کردو اور خود تجرید و تفرید اختیار کر لو یعنی اپنے گھر کا سب کچھ فی سبیل اللہ خرچ کر کے گھر میں جھاڑو پھیر دو"۔ چنانچہ آپ نے مرشد کے فرمان پر عمل کیا۔

عرصہ تک آپ نے تجرید و تفرید کو اپنائے رکھا۔ تاتار خان نے ۸۰ اشرفیاں ایک کا روزانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ آپ حضرتِ مرشد کے پاس حاضر ہوئے اور اجازت طلب کی حضرتِ مرشد نے فرمایا جو چیز بغیر ارادہ اور بغیر طلب مل جائے اسے فتوح سمجھا کرو۔ اور اس طرح کی فتوحات سے مستفیض ہونے میں کوئی حرج نہیں حضرتِ مرشد نے جب اجازت دی تب وہ وظیفہ قبول فرمایا۔ یہ مرشد کی ہی نظر عنایت تھی کہ تمام زاہدوں اور عابدوں میں شیخ کمال الدینؒ کا مقام ایک قائد کا سا ہے۔

شیخ کمال الدینؒ کا وصال ۲۷ ذی قعد ۷۵۶ھ میں ہوا اور آپ کا مزار حضرت چراغ دہلویؒ کی پائنتی کی جانب بنایا گیا۔

(۴۳)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ

حضرت شیخ سراج الحق والدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

آپ حضرت خواجہ کمال الدینؒ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے وافر علم عطا فرمایا تھا۔ آپ کو ریاضتوں اور مجاہدوں کے ساتھ بھی خاص شغف تھا۔ آپ بالعموم خلوت میں رہتے اور اپنی کرامات کو لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دیتے۔

"مجالس حسینیہ" میں منقول ہے کہ جب شیخ کمال الدینؒ حج سے واپس تشریف لائے تو شیخ نصیر الدینؒ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو تمہاری بے شمار نسل بڑھے۔ وگرنہ تمہاری نسل یہیں ختم ہو جائے۔ بہتر ہے کہ شادی کر لو۔ آپ نے حضرت مرشدؒ کے فرمان کے مطابق شادی کر لی۔ آپ کی اہلیہ کا رنگ سیاہ تھا۔ اس لئے آپ کو اس سے رغبت پیدا نہ ہو سکی اور مسلسل چھ سال تک اپنی بیوی سے شکر رنجی رہی۔

جب اس صورتِ حال کا علم شیخ نصیر الدین محمودؒ کو ہوا تو انہوں نے اپنے بھانجے، زین الدین کو حکم دیا کہ ایک مکان آراستہ کرو۔ چنانچہ زین الدین نے ایک مکان میں خوب آرائش کی۔ شیخ نصیر الدین محمودؒ نمازِ جمعہ ادا کرنے کے بعد اس مکان میں تشریف لائے اور شیخ کمال الدینؒ اور ان کی اہلیہ کو طلب فرمایا۔ جب یہ دونوں حاضرِ خدمت ہوئے تو فرمایا کہ میں یہ مکان تمہیں ہبہ کرتا ہوں۔ تم دونوں اس مکان میں رہائش اختیار کر لو۔ پھر فرمایا کہ لوگ عورت کے چہرے کے رنگ کو اہمیت دیتے ہیں مگر اس کے پیٹ کو نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔ تمہاری یہ بیوی اگرچہ سیاہ رنگ ہے لیکن تم دیکھو گے کہ اس کے بطن سے کئی ولی اللہ پیدا ہوں گے، جو اپنے دور کے مایۂ ناز عالم و فاضل ہوں گے۔

حضرت شیخ حمنؒ فرماتے ہیں کہ ان کے بطن سے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئی۔ بڑے بیٹے کا نام شیخ نظام الدینؒ تھا۔ یہ بہت ذہین اور عقلمند تھے۔ ایک

دن کسی دانشور سے کسی موضوع پر بحث کی تو وہ آپ کی دانائی اور ذہانت سے حیران رہ گیا اور کہنے لگا برخوردار! تم جوان ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔ چنانچہ یہی ہوا اسی روز آپ کو شدید بخار نے آلیا اور آپ عنفوان شباب میں ہی راہئ ملک عدم ہو گئے۔

دوسرے بیٹے شیخ نصیر الدینؒ تھے جو شیخ کمال الدینؒ کی زندگی میں ہی باشعور ہوئے۔ اس بیٹے سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام شیخ میرانؒ تھا۔ شیخ میراں سید محمدؒ گیسو درازؒ کے عقیدت مند تھے اور انہیں سے خلافت حاصل کی تھی۔ ان کا قیام شہر گلبرگہ میں رہا اور وہیں وفات پاکر حوض کنورہ کے بالائی جانب مدفون ہوئے۔

تیسرے بیٹے شیخ سراج الدینؒ تھے جن سے ایک دنیا نے فیض پایا۔ شیخ موصوف بلند ترین مقام کے حامل تھے۔

آپ نے چالیس سال کی طویل زندگی حصول علم میں بسر کی۔ آپ کے اساتذہ گرامی میں مولانا احمد تھانیسری، مولانا عالم الابرہجی اور مولانا عالم سنگریزہ جیسے فاضل لوگوں کا نام آتا ہے۔

آپ نے قطب الاولیاء شیخ نصیر الدینؒ سے بھی خرقہ خلافت حاصل کیا تھا۔ پھر چار سال بعد اپنے والد بزرگوار سے بھی انہیں خرقہ خلافت عطا ہوا۔ آپ زہد و تقوی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ جب دہلی میں قیام فرما تھے تو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے بے حد التجا کی کہ آپ دکن میں تشریف لے آیئے۔ اس نے سات ہزار روپے بطور زاد راہ بھی حضرتؒ کی خدمت میں ارسال کئے۔ آپ نے وہ تمام رقم واپس کر دی اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے گجرات میں سب کچھ دے رکھا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی کہ حضرت یہ تو فتوح ہے۔ اور فتوح کا رد کرنا منع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں یہ لے کر سفر کروں گا تو میرا تمام سفر دنیاوی سفر بن جائے گا۔ جو بزرگان دین کے نزدیک مذموم چیز ہے۔

کہتے ہیں کہ جب شیخ نصیر الدینؒ کا وصال ہو گیا تو حضرت مخدوم جہانیاںؒ سید جلال الدینؒ کے پوتے اوچ سے دہلی تشریف لائے اور علمائے دہلی کے ساتھ کئی مشکل مسائل پر

بحث و تمحیص کرتے رہے۔ انہی علماء میں شیخ سراج الدینؒ بھی تھے۔ انہوں نے آپ سے بھی کئی وقیع مسائل پوچھے۔ آپ نے بالکل درست اور صحیح جواب دیئے۔ حضرت مخدومؒ نے آپ سے سترہ سوالوں کے بالکل صحیح جواب پائے تو آپ کی علمیت اور فضلیت کا اعتراف فرمایا۔ جب مباحثہ کی مجلس ختم ہو گئی تو حضرت مخدومؒ نے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ کہا گیا کہ یہ شیخ کمال الدینؒ کے صاحبزادے شیخ سراج الدین ہیں۔ اس کے بعد شیخ معزاللہ آپ کے مکان پر پہنچے اور بڑے ادب و احترام سے عرض کی کہ حضرت! میں تو والد گرامیؒ کا شاگرد ہوں۔ مجھے آپ کے بارے میں علم نہیں تھا اس لئے اس مباحثہ میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو معافی کا طالب ہوں۔ اس ناچیز کو حضرت شیخ نصیر الدینؒ کے دست اقدس سے جو خلافت نامہ ملا تھا وہ بھی آپ کے والدِ بزرگوارؒ کے قلم سے لکھا ہوا تھا۔

"شجرۃ الانوار" میں ہے کہ خواجہ کمال الدین علامہؒ نے وصال کے وقت آپ کو خلوت میں طلب فرمایا۔ حجرہ کا دروازہ بند کر دیا اور کافی دیر تک اپنے پاس بٹھائے رکھا۔ اس موقع پر انہوں نے دیگر نعمتوں کے ہمراہ آپ کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔ آپ والد گرامیؒ کے پاس سے اُٹھ کر باہر آئے تو آپ اس قدر صاحبِ تاثیر ہو چکے تھے کہ جس شخص کی طرف بھی نظر ڈالتے وہ صاحبِ ذوق ہو جاتا۔

"مجالس حسینیہ" میں مذکور ہے کہ آپ بیمار ہو گئے اور بیماری کی طوالت کی وجہ سے آپکی طبع مبارک ملول رہنے لگی تو آپ نے شیخ علم الدین کو طلب فرمایا اور کہا کہ میرے پاس فرشتے آئے تھے تاکہ میرے اعمال کا جائزہ لیں۔ میں نے کہا کہ میں اصلاً مسلمان ہوں اور جو گناہ ہیں وہ بالکل عارضی نوعیت کے ہیں جن کی میں نے توبہ کر لی ہے اس لئے عارضی چیز کو نظر انداز کر دو کیونکہ عارضی اشیاء ناقابل توجہ ہوا کرتی ہیں۔

شیخ علم الدینؒ نے پوچھا کہ وہ فرشتے اس کے علاوہ اور کیا کہتے تھے آپ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ میں تمہیں نہیں بتلاؤں گا۔ البتہ میں اتنا تمہیں بتلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرماتے ہوئے مجھے بخش دیا ہے اور مجھے اپنے معزز لوگوں میں شامل کر لیا ہے۔ کاش میری قوم کو بھی اس عنایت

کا علم ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ ناچیز پر فرمائی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ طاقت عطا فرمائی ہے کہ لوگوں کی دلوں کی باتوں کا مجھے علم ہو جاتا ہے، غیب کی باتوں کی مجھے خبر مل جاتی ہے اور مصائب کو دُور اور حاجات پوری کر سکتا ہوں۔"

آپ کا وصال جمعرات کی رات کو بوقتِ عشاء بتاریخ اکیس جمادی الاوّل ۸۱۷ھ ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک قلعہ نہروالا گجرات میں ہے جو پتن کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کے ایک عقیدت مند شاگرد مولانا ہمزہ ناگوری نے آپ کی تاریخِ وصال شعروں میں یوں لکھی ہے:

امروز رفت علم ازیں شہر چوں عیاں	امروز نیست آنکہ کند بزدوی بیاں
مفتاح ہم مطالع و توضیح وہم بدیع	آں کیست کو بگوید در درس میتواں
ایں ظلمت سراسر و دہر از کجا است	دائم سراج ملت ودیں رفتہ از جہاں
از عالمان شہر چنیں بود آیتے!	افسوس صد ہزار زما رفت رائیگاں
ماہ جمادی الاول در بست و یک ز شہر	لیل الخمیس وقتِ عشا بود فن نشاں
در سال بود ہشصد و ہفدہ شمارِ او	چوں از جہانِ فانی رفتہ سوئے جناں

(۲۴)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ

حضرت شیخ علم الحق والدین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ شیخ سراج الدینؒ کے خلیفۂ اعظم اور محبوب ترین صاحبزادے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم کثیر سے نوازا تھا۔ اور آپ کے شب و روز مسلسل ریاضت و عبادت میں بسر ہوتے تھے۔

"مجالس حسینیہ" میں مذکور ہے کہ حضرت سراج الحق والدینؒ نے شیخ یحییٰؒ بن شیخ لطیف الدینؒ کی صاحبزادی صفیہ بی بی سے نکاح کیا۔ اس خاتون کے بطن سے پانچ بیٹے اور ایک بیٹی تولد ہوئی۔ بڑے بیٹے شیخ معین الدینؒ دوسرے شیخ علم الدینؒ، تیسرے شیخ محمدؒ، چوتھے شیخ مجد الدینؒ اور پانچویں شیخ سعد الدینؒ تھے آپ کی صاحبزادی کا نام مفخر النساء بی بی مریم تھا آپ کی تمام اولاد صاحب فضل و کمال تھی۔ مگر شیخ الاسلام شیخ سراج الدینؒ کی رحلت کے بعد حضرت شیخ علم الدینؒ والد بزرگوار کے قائم مقام بنے۔ انہوں نے اپنے بزرگوں کے طریقوں اور روایات کو ہمیشہ زندہ رکھا۔

"شجرۃ الانوار" میں مذکور ہے۔ کہ آپ کو علائق دنیوی سے نفرت تھی اور اپنے دور میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ آپ اپنے عقیدت مندوں کو پہلے تو علم دین کی تعلیم دیتے اس کے بعد علم طریقت اور علم حقیقت میں رہنمائی فرماتے۔ جو شخص ناخواندہ ہوتا اسے نماز، روزہ، کثرت سے درود کا وظیفہ اور کلمۂ طیبہ و نوافل کی تاکید فرمایا کرتے، بے علم اور ناخواندہ افراد کو آپ علم طریقت سے آگاہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپ کا ارشاد تھا کہ ہمارے خاندان میں اگرچہ علم باطنی کو فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے لئے ظاہری علوم کا حصول لابدی قرار دیا گیا ہے آپ کا ارشاد تھا کہ مبتدی کے لئے علوم ظاہری ہی صراطِ مستقیم کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق اعمال کے ساتھ ہوتا ہے علوم ظاہری سے وہ علوم قطعاً مراد نہیں ہیں جو معاش کمانے کے لئے حاصل

کئے جاتے ہیں، بلکہ ان سے دینی علوم مراد ہیں اور یہ دینی علوم اس قدر تو ضرور آنے چاہیئں کہ قرآن پاک کی عربی آیات اور احادیث پر عبور حاصل ہو جائے۔ جو شخص اپنی مرضی سے کسی وظیفے کی اجازت طلب کرتا تو آپ اسے وہ وظیفہ کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ کرامت عطا کر رکھی تھی کہ بڑے بڑے کافر، فاسق اور منکرین حق آپ کی خدمت میں کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتے تو وہ اعمالِ بد سے توبہ کرکے آپ کے مرید بن جاتے پھر آپ کی چند روزہ تربیت سے وہی افراد بغیر کسی ریاضت اور مجاہدہ کے کامل ولی بن جاتے اور اُن کے ہاتھ پر کئی طرح کی کرامتیں ظہور پذیر ہوتیں۔

"تحیۃ الحق" میں مذکور ہے کہ جو شخص آپ کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوتا تو سب سے پہلے ابتدائی کورس کے طور پر آپ اس کو نوافلِ اشراق، اِستعاذہ، استجاب، چاشت، بعد نماز مغرب اوابین چھ رکعت اور دو رکعت نفل حفظ الایمان پڑھنے کی تاکید فرماتے۔ یہ تمام نوافل اسی طرح ادا کرنے کا حکم دیتے جیسے کہ سلسلہ چشتیہ میں معمول چلا آرہا ہے نیز آپ انہیں مسبعات عشرہ پڑھنے کی تلقین بھی فرماتے۔

حُبّ الٰہی: آپ کا ارشادِ مبارک ہے کہ حُبّ الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبتِ ذات دوسری محبتِ صفات۔ محبتِ ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی دین اور عطا ہے۔ البتہ محبتِ صفات کسبی ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے تخلیہ میں اللہ کا ذکر کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس محبت کے حصول کے لئے چار رکاوٹوں کو عبور کرنا پڑتا ہے جو اس محبت کے راستہ میں سدِ سکندری کی طرح کھڑی ہیں۔ وہ چار رکاوٹیں مخلوقات، دُنیا، نفس اور شیطان ہیں۔

مخلوقات سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ انسان خلوت اختیار کرلے اور دُنیا سے بچاؤ قناعت کرکے حاصل ہو سکتا ہے اور نفس و شیطان کی رکاوٹیں تب دُور ہوں گی کہ آدمی لمحہ بہ لمحہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے۔ آپ کا وصال ۲۶ صفر المظفر کو ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک پیران پتن میں ہے۔

(۲۵)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ

حضرت شیخ محمود عرف شیخ راجن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت شیخ علم الدینؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے اور خلیفۂ اعظم تھے۔ آپ کو علم ظاہری اور علم باطنی میں کمال کا درجہ حاصل تھا۔

"مجالس حسینیہ" میں منقول ہے کہ شیخ جمال الدین المعروف شیخ جمنؒ فرماتے ہیں کہ شیخ یحییٰؒ بن شیخ لطیف الدینؒ کی بیٹی صفیہ بی بیؒ زوجہ شیخ المشائخ سراج الدینؒ بن شیخ کمال الدین علامہ "فخر الناس" اور "صاحب النفس" خاتون تھیں۔ انہوں نے ایک دن حضرت علم الدینؒ کو فرمایا "بیٹا! تمہارا چراغ فقط شیخ راجن ہی روشن کر سکتے ہیں" چنانچہ مشیت الٰہی اور اس خاتونِ پاک کے فرمان کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے حضرت شیخ راجنؒ کے نورِ معرفت سے ایک جہان کو منوّر اور روشن کیا۔

"شجرۃ الانوار" میں منقول ہے کہ حضرتؒ کا دستور تھا کہ جو شخص بھی آپ سے کسبِ فیض کے لئے آتا آپ پہلے اسے دینی علوم کی طرف لگاتے اور اگر اس شخص میں علم کی رغبت و محبت ہوتی تو اس پر بے شمار انعامات کرتے۔ کتابیں اور نقدی اپنی گرہ سے عطا فرماتے۔ اور پھر جو شخص علومِ دینیہ کے حصول کے بعد آپ کا مرید ہو جاتا، اسے قلیل مدّت میں بغیر کسی مجاہدہ کے درجاتِ اعلیٰ تک پہنچا دیتے۔ بلکہ بعض افراد تو ایسے بھی تھے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زیادہ دن اپنے پاس رکھے بغیر انہیں مرید کر کے ہی خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت عطا فرما دی۔

آپ کے سامنے اگر کوئی آپ کے مرشدؒ کا نام لیتا تو آپ کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگ جاتے، آپ پر ایک بے خودی طاری ہو جاتی اور پھر کافی دیر کے بعد پہلی حالت عود کرتی۔ اور پھر مخاطب سے گفتگو فرماتے۔ آپ کشف و کرامات کو پوشیدہ رکھتے۔ آپ مستجاب الدعوات تھے جو کچھ اللہ تعالیٰ سے طلب فرماتے یا زبانِ مبارک سے

فرما دیتے فوراً بارگاہِ ایزدی میں قبول ہوتا۔

آپ اپنے مریدوں کو اکثر فرماتے "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ" (یعنی اللہ تعالیٰ تمام گناہ معاف فرما دے گا لیکن اس کے ساتھ اگر کسی نے شرک کیا ہوگا تو اسے معاف نہیں فرمائے گا۔) قرآن پاک کی اس آیت کا حوالہ دیکر آپ فرماتے "کہ مرید کو بھی مشرک نہ ہونا چاہیئے"۔ ایک شخص نے عرض کی کہ حضرت مشرک مرید کون ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ "شریعت میں تو مشرک وہ ہے جو دو معبود بنالے لیکن طریقت میں شرک یہ ہے کہ دو موجود جانے اور حقیقت میں شرک یہ ہے کہ معبود بھی دو جانے اور موجود بھی دو جانے۔ یعنی کسی پیر کا مرید ہو اور اپنے مرشد کے ساتھ کسی کو شریک کرے۔ یعنی وہ شخص جو مرید تو ایک پیر کا ہے لیکن کسی دوسرے پیر کو اپنے پیر کے کمالات و فیوضات میں شریک کرنے لگے۔ اور اس کو اپنے پیر کا مساوی اور ہم پلہ سمجھے تو وہ مرید بھی مشرک ہے۔ شریعت میں بھی طریقت اور حقیقت میں بھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ واحد اور لاشریک ہے، ایسے ہی اپنے پیر کو واحد لاشریک تسلیم کرے، ورنہ وہ مشرک مرید قرار پائے گا۔ اور پھر ایسا مشرک یہود سے بھی بدتر ہے اور مشرکین سے بھی، اور مشرک پیر وہ ہے جو اپنی نفسانیت اور دنیاوی طمع کی خاطر کسی اور شخص کے مرید کو اپنی طرف مائل کرے۔

آپ نے اپنے مریدوں کو فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کی تعمیل کیے بغیر وصول الی اللہ نہیں ہو سکتا۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَمَالِہٖ وَوَلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ہ

(یعنی تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھے اپنے آپ، اپنے مال، اپنی اولاد، اپنے والدین اور تمام لوگوں سے بھی زیادہ محبوب نہ جانے۔)

اس حدیث نبویؐ کے مطابق مرید کو بھی اپنے مرشد کے ساتھ یہی رویہ رکھنا چاہیئے کیونکہ مرشد بحیثیت رسول کے ہوتا ہے اور مرید بحیثیت اُمت کے اس

لئے مرید کو تمام اشیاء میں بیوی بچوں، مال واسباب یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب اپنا مرشد ہونا چاہیئے لیکن زمانہ کی گردش کے سبب آج یہ حالت ہو گئی کہ پیر و مرید میں اس قدر محبت بھی نہیں ہوتی جتنی ایک آقا اور اس کے غلام کے مابین ہوا کرتی ہے تو ایسی صورتِ حال میں ان کا ایمان کیسے کامل ہو سکتا ہے اللہ تعالےٰ ہم سب کو یہ توفیق عطا کرے اور ایمانِ کامل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین"

آپ نے سلسلہ سہروردیہ میں حضرت تاج الملت والدینؒ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیروں میں یہ سہروردی نسبت بھی چلی آتی ہے مجالس حسینیہ میں ہے کہ حضرت راجنؒ کا وصال احمد آباد میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ پانچ چھ ماہ کے بعد شیخ جمال الدینؒ المعروف شیخ جمنؒ تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ ہمارے مرشد شیخ راجنؒ کا مزار کہاں ہے۔ شیخ حسن محمدؒ نے جگہ بتائی۔ شیخ جمنؒ وہاں گئے۔ قبر کھود کر آپ کے جسم کو نکالا اور پتن نہر والا کے پاس لے جا کر دفن کیا۔ جو آج بھی زیارت گاہِ عالم ہے۔

آپ نے ۲۲ صفر المظفر کو وصال فرمایا۔ (آداب الطالبین)

(۳۶)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ

حضرت جمال الحق والدین عرف شیخ جمن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت شیخ محمود عرف راجنؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے، آپ کے جانشین اور خلفاء راشدین کی سیرت کا ایک عملی نمونہ تھے۔ آپ کی والدہ محترمہ شیخ عزیز اللہؒ بن شیخ یحییٰؒ بن شیخ لطیف الدینؒ جیسے ولی اللہ کی صاحبزادی تھیں جن کا قیام احمد آباد میں تھا۔ یہ خاتون فضل و تقویٰ میں ایک ممتاز مقام رکھتی تھیں۔ (مجالس حسینیہ)

«شجرۃ الانوار» میں ہے کہ حضرت شیخ محمود عرف شیخ راجنؒ کے بے شمار خلفاء تھے لیکن ان سب میں شیخ جمال الدین جمنؒ کو ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی جب شیخ محمودؒ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ خواجگانِ چشت کی روحانی امانت شیخ جمنؒ کے سپرد کردو۔ تو آپ نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ چند دن تک اپنے پاس رکھا۔ آپ کی نگاہ ہر وقت شیخ جمنؒ پر رہتی۔ اس نگاہِ کرم کا یہ نتیجہ نکلا کہ آپ کا باطن معرفتِ الٰہی کے نور سے مالا مال ہوگیا۔ پھر آپ نے انہیں خرقۂ خلافت بھی عطا فرما دیا۔ آپ نے اپنے آپ کو ہمیشہ مستور الحال رکھا، لیکن پھر بھی خرقِ عادات، واقعات اور کرامات کا اس طرح ظہور ہوا جو لوگوں سے پوشیدہ نہ رہا اور لوگوں کو آپ کی کرامات کا علم ہوگیا۔

جو شخص آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا وہ قلیل مدت میں معرفت کے اعلیٰ درجات تک جا پہنچتا۔ آپ کے جو بھی مرید ہوتے وہ اپنے وقت کے شیخ قرار پائے۔ مجالس حسینیہ میں روایت ہے کہ شیخ جمنؒ کو حضرت شیخ نصیر الدینؒ سے بھی فیوض و خرقۂ خلافت عطا ہوا تھا۔ شیخ نصیر الدینؒ کو آپ سے جو محبت تھی وہ کسی اور شخص سے نہیں تھی۔

«آداب الطالبین» میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ جمنؒ بن حضرت شیخ راجنؒ کا وصال ۲۰ ذی الحجہ کو ہوا۔ لیکن «شجرۃ الانوار» میں ماہِ مذکور کی دو تاریخ لکھی ہے۔ مزارِ مبارک احمد آباد گجرات میں ہے۔
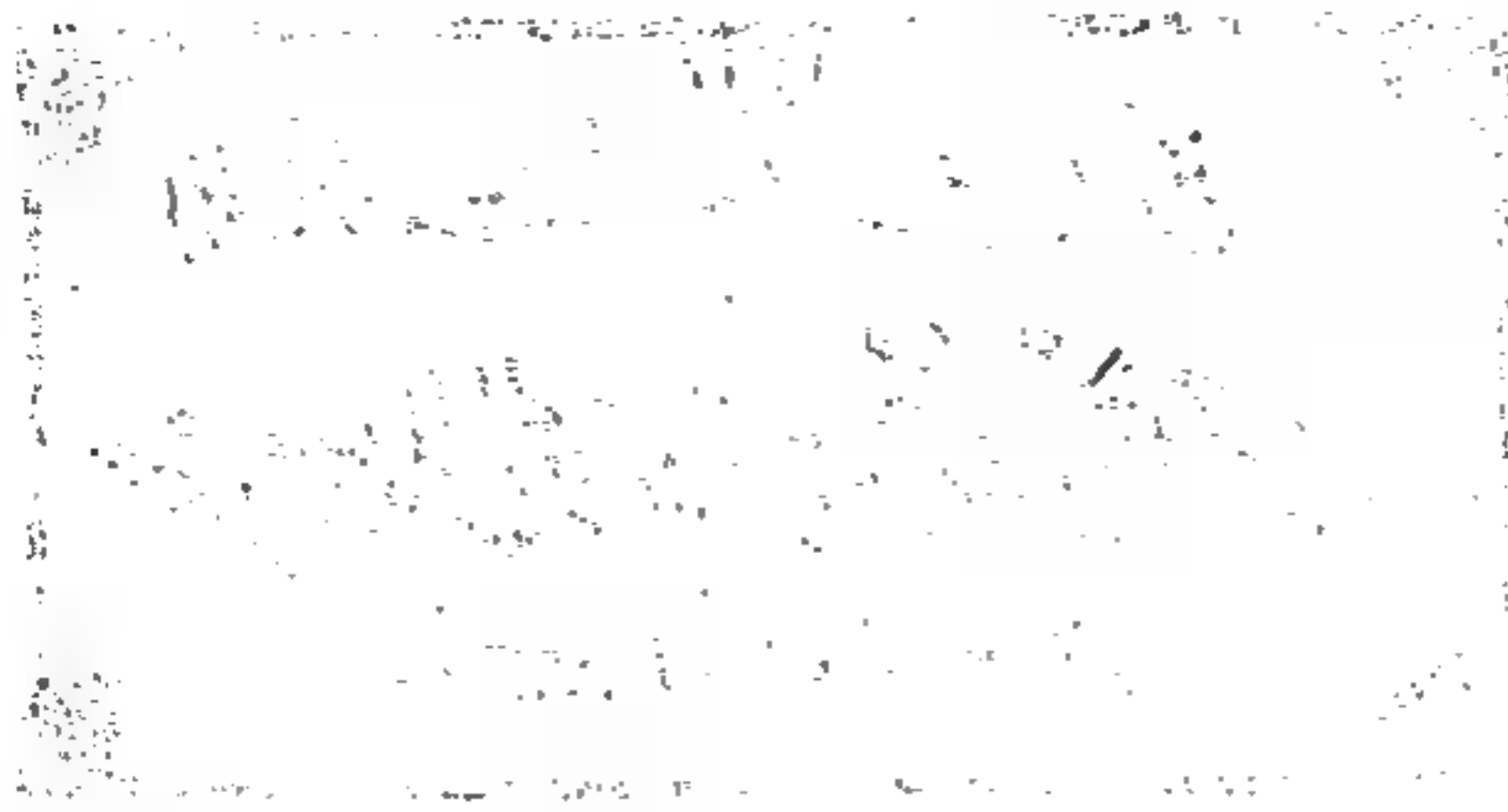
۲۷

الہی بحرمت شیخ المشائخ قطب الاولیاء شیخ الاتقیاء

حضرت شیخ حسن محمد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ
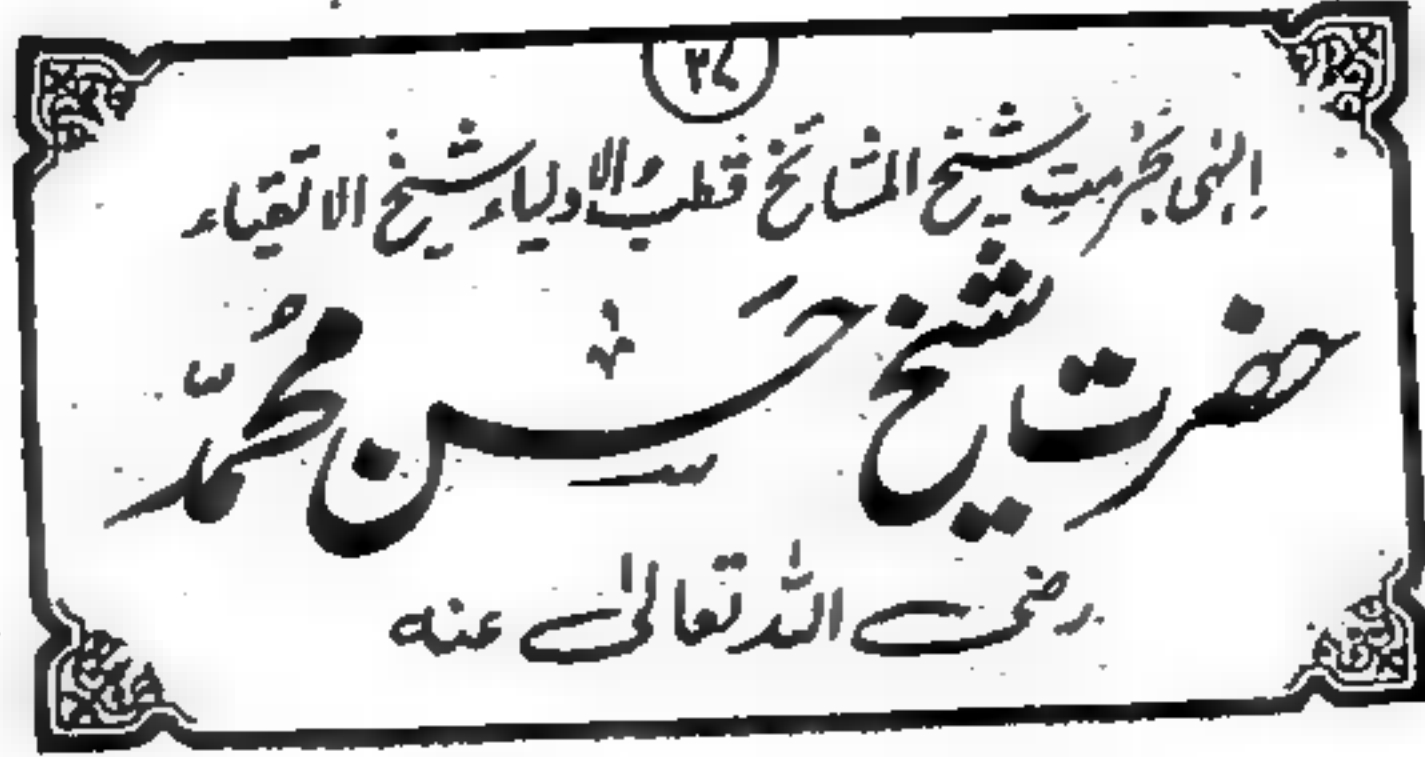
آپ کا اسم گرامی اصل میں تو شیخ نصیرؒ تھا لیکن حسن محمدؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ شیخ احمدؒ المعروف میاں جیو بن شیخ نصیر الدینؒ بن شیخ مجد الدینؒ بن شیخ سراج الدینؒ بن شیخ کمال الدینؒ المعروف علامہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ حضرت شیخ جمنؒ کے خصوصی مرید خلیفہ جانشین تھے نیز حضرت شیخ محمد غیاث نور بخشؒ سے قادری سلسلہ کی نسبت بھی حاصل کی تھی۔

آپ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے اور علم معرفت میں یگانۂ روزگار تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرمائی تھی کہ ایک نگاہ سے طالب کو مقصدِ مراد تک پہنچا دیتے جو بھی صاحبِ استعداد ہوتا اسے ایک ہی نظر میں جمالاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرا دیتے۔

اقسامِ خلافت: ایک دن آپ نے فرمایا کہ خلافت کی سات قسمیں ہیں: اصالتاً، اجازتاً، اجماعاً، وراثتاً، حکماً، تکلیفاً اور اولیساً۔

(۱) **خلافت اصالتاً:** تو یہ ہے کہ ایک بزرگ اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت کسی شخص کو اپنا خلیفہ نامزد کرے۔ جیسے کہ حضرت گنج شکرؒ کا واقعہ ہے کہ آپ کسی اور کے سپرد خلافت کرنا چاہتے تھے تاکہ ہندوستان کی ولایت کا سربراہ بن جاتے تو غیب سے آواز آئی کہ ذرا صبر کرو۔ نظام الدین بدایونی پہنچ رہے ہیں جو آپ کی خلافت کے صحیح معنوں میں حقدار ہیں جب وہ آجائیں تو انہیں اپنی خلافت دے دینا۔ چنانچہ جب خواجہ نظام الدینؒ آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے امرِ الٰہی کے مطابق انہیں اپنی خلافت سے نواز دیا اور وہ ولایتِ ہند کے سربراہ قرار پائے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اکثر

فرمایا کرتے تھے کہ " بظاہر تو نظام الدین میرا خلیفہ ہے لیکن حقیقت میں یہ اللہ کا خلیفہ اور نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے "

۲ خلافتِ اجازتاً: یہ ہوتی ہے کہ کوئی بزرگ اپنے بیٹوں میں سے یا کسی اجنبی کو خلافت کا اہل سمجھ کر اپنا خلیفہ بنا دے۔ یہ طریقہ مشائخ میں بکثرت مروج ہے۔

۳ خلافتِ اجماعاً: یہ ہے کہ ایک بزرگ کسی شخص کو اپنا خلیفہ نامزد کئے بغیر انتقال کر جائے تو اُن کے مریدین اور پس ماندگان کسی اہل اور حقدار شخص کو باتفاقِ رائے مرحوم بزرگ کا خلیفہ قرار دے لیں۔ اس کا بھی عام رواج ہے لیکن مشائخ کے نزدیک اس طرح کی نامزدگی جائز نہیں۔ اس کی دوسری شکل یہ ہے کہ ایک بزرگ بغیر نامزدگی کئے انتقال کر گیا۔ تو کوئی مرید خود اپنے آپ کو مرحوم کا خلیفہ نامزد کر دے۔ یہ بھی ناجائز ہے۔ ہاں پیر باطنی طور پر حکم فرما دے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ صوفیاء کے نزدیک اگر پیر کوئی باطنی طور پر امر فرما دے تو اسکی تعمیل لازمی ہے۔

۴ خلافت حکماً: یہ ہے کہ ایک بزرگ فوت ہوا۔ خلافت کے مسئلہ پر اس کے انتقال کے بعد اختلاف پیدا ہوا۔ تو بادشاہِ وقت نے لیاقت کی بناء پر حکماً کسی شخص کو خلیفہ نامزد کر دیا تو یہ خلافت " اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ " کے ضمن میں آتی ہے۔ اس لئے اس طرح کی خلافت جائز ہوگی۔

۵ خلافتِ تکلیفاً: یہ کہ کوئی مرید اپنے مرشد سے کسی با اثر شخص کی سفارش کے دباؤ کی وجہ سے خلافت حاصل کرلے۔ یہ خلافت بھی صوفیاء کے نزدیک ناجائز ہے۔

۶ خلافت اویسیاً: کسی مرحوم بزرگ کی روح سے کوئی شخص تربیت حاصل کر کے خلافت پالے۔ تو مشائخ کرام اور مرشدانِ سلف نے اس طرح کی خلافت کو جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ سلسلہ اویسیہ کہلاتا ہے۔ لیکن زمانۂ حال کے مشائخ اس خلافت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جب تک ایک زندہ ولی کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کرتا اس وقت تک اس خلافت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

بعض بزرگوں نے خلافت کی فقط دو قسمیں بتلائی ہیں صغریٰ اور کبریٰ۔ صغریٰ

خلافت تو یہ ہے کہ مرشد اپنے مرید کے مجاہدے، ریاضت اور اس کی علمیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے خلافت سے سرفراز فرماتے۔ لیکن خلافت کبریٰ یہ ہے کہ مرشد کے دل پر اللہ کی طرف سے مسلسل الہام ہوتا رہے کہ فلاں شخص کو خلافت دے دو۔ مرشد اس الہام کو نظر انداز بھی کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ بلکہ متواتر اس کے دِل میں یہ القا ہوتا رہے۔ اس طرح کی خلافت عطا کرنا رہبر پر فرض ہو جاتا ہے۔ مشائخ میں یہی خلافت مروّج ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ سالک جب فنائی الرسول اور جبروت کے درجہ تک پہنچ جائے تو شیخ کو اجازت ہوتی ہے کہ وہ خلافت اس کے حوالے کر دے۔ لیکن جب وہ شہود کے درجہ تک پہنچ جائے تو پھر پیر پر صرف جائز ہی نہیں بلکہ خلافت دینا فرض اور لابدی ہو جاتا ہے۔ بعض صوفیا نے صاحبِ ملکوت مرید کو بھی خلافت دینا جائز قرار دیا ہے۔ (شجرۃ الانوار)

وصولِ باری تعالیٰ کے اصول: جو شخص پروردگار تک پہنچنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل چھ اشیاء کی پوری پوری پابندی کرے۔

۱۔ ہمیشہ باوضو رہے۔

۲۔ صوری اور معنوی روزہ رکھے۔ صوری روزہ وہی ہے جس سے ہر شخص واقف ہے۔ معنوی روزہ یہ ہے کہ افطار کے وقت بھی بہت کم کھانا کھائے۔ کیونکہ روزہ کا اصل مقصد نفس سے جہاد کرنا ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ آدمی معنوی روزہ رکھے۔

۳۔ سکوت یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اپنی زبان استعمال نہ کرے۔

۴۔ مسلسل عزلت اور خلوت میں رہے۔

۵۔ دِل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کا خیال نہ آنے دے۔

۶۔ پیر کے واسطے سے اللہ کا ذکر۔ یعنی مراقبہ کرے۔ مراقبہ کا معنی بعض لوگوں نے تو یہ بتلایا ہے کہ انسان کے دل پر یہ خیال ہر لمحہ جاگزیں رہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

حضرت نے اس مراقبہ سے علمی مراقبہ مراد لیا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ انسان تصور کرے کہ دل کی آنکھ اللہ تعالیٰ کی ذات پر مرکوز ہے۔ یہ مراقبہ تصوری ہے۔

ذکر:۔ آپ نے فرمایا کہ ذکر کی چار قسمیں ہیں: ناسوتی، ملکوتی، جبروتی، لاہوتی۔

۱۔ ذکر ناسوتی وہ ذکر ہے جو زبان سے کیا جائے۔

۲۔ ذکر ملکوتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دل سے کیا جائے۔

۳۔ ذکر جبروتی یہ ہے کہ اپنی روح کی تمام گہرائیوں سے خدا کا ذکر ہو۔

۴۔ ذکر لاہوتی وہ ذکر ہے جو خفیہ اور سری ہو۔

ولایت:۔ ولایت کے واؤ پر زیر یا زبر پڑھنا درست ہے۔ اگر واؤ کی زیر پڑھی جائے تو اس کا معنی ملک اور سربراہی ہے اور اگر واؤ پر زبر ہو تو اس کا معنی امداد اور نصرت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ واؤ کی زیر کے ساتھ جو ولایت ہے تو اس کا مفہوم ہر شخص کو معلوم ہے البتہ واؤ پر زبر ہو تو اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ مرشد اپنے مرید کی مدد کر کے اسے اعلیٰ درجات تک پہنچا دے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مرشد کی متابعت اور پیروی کرے، افعال میں بھی اور اعمال میں بھی۔

اطاعتِ شیخ:۔ آپ نے فرمایا کہ مرید کو اپنے شیخ کی اطاعت قولاً، فعلاً، قلباً اور قالباً کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جب مرید پیر کی مکمل اطاعت کرتا ہے تو پیر کی کرامات اور مقامات حاصل کر لیتا ہے۔

۱۔ قولی متابعت تو یہ ہے کہ اس کی باتیں دینی امور میں پیر و مرشد کی باتوں کے مطابق ہوں

۲۔ فعلی متابعت کا یہ مفہوم ہے کہ دین و دنیا کا کوئی فعل بھی اپنے شیخ کی اجازت کے

بغیر سر انجام نہ دے۔ شیخ کی حیات میں بھی اور بعد از وفات بھی۔

۳۔ قلبی متابعت یہ ہے کہ جس طرح شیخ کا باطن موصوف بصفاتِ الٰہیہ ہے اور برائیوں سے پاک ہے مرید کا باطن بھی اسی طرح ہو۔

۴۔ اور قالبی متابعت یہ ہے کہ مرید اپنے اعضاء اور قوتوں کو غیر اللہ سے پاک کر دے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اس طرح مستغرق ہو جائے جس طرح اس کا شیخ مستغرق ہے۔

مراتب۔ آپ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ طالبانِ حق کے تین درجے ہوتے ہیں۔ اعلیٰ، متوسط، ادنیٰ۔

۱۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ طالب اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کبریائی میں غرق کر دے۔

۲۔ متوسط درجہ یہ ہے کہ طالب معنوی اسرارِ کمالیہ کا مطالعہ کمالات صوری میں کرلے یعنی "اسم الرحمٰن" میں کہ اس سے مراد دونوں عالم میں صوری کمالات کا فیض ہے۔

۳۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی جدوجہد اللہ تعالیٰ کے الطاف و انعام پر مرتکز کر دے۔ جو "اسم الرحیم" کا مظہر ہے۔ اس سے مراد کمالاتِ معنوی کا عطا کرنا ہے۔ اور اُس نے "کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا" کے ذریعے ان الطاف و انعام کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

بال کٹوانا۔ ایک دن یہ ذکر چل رہا تھا کہ مرید ہوتے وقت صوفیاء کا اپنے بال کٹوا دینے کی غرض و غایت کیا ہے؟ آپ یعنی شیخ حسن محمدؒ نے فرمایا:

منقول ہے کہ آدم علیہ السلام کے ہاں جو بیٹا پیدا ہوتا آپؑ اسے کسی کام میں لگا دیتے تھے یعنی جس کو جس کام کے مناسب سمجھتے اسے اس کام کرنے پر متعین فرما دیتے۔ کئی بیٹوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا اس طرح جب حضرت آدمؑ کے پیارے بیٹے شیث علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ نے سوچا کہ ان کے سپرد کیا کام کیا جائے۔ ابھی آپ اس سوچ بچار میں تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "شیثؑ" کو صوفی بنا دیجئے۔

نتیجتہً حضرت شیثؑ نے خلوت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کے پاس لوگ آنے لگے۔ اور آپ سے اپنا تعلق قائم کرنے لگے تو حضرت جبریل علیہ السلام دوبارہ آئے۔ انہوں نے حضرت شیثؑ کو ایک قینچی دی اور کہا کہ جو شخص آپ سے تعلق قائم کرنا چاہے آپ اس قینچی سے اس کے سر کے بال کاٹ دیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان افراد کا آپ سے تعلق ہے تو بال کاٹنا دراصل تعلقِ مرشد کی ایک علامت ہے۔

خرقہ:۔ خرقہ کی ابتدا کب ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ سب سے پہلا خرقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا کیونکہ جب نمرود ملعون نے آپؑ کو آگ میں ڈلوایا تو اس وقت اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام جنت سے ایک پیراہن یعنی قمیض لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو پہنا دی۔ اس پیراہن کا اثر تھا کہ آتشِ نمرود آپ پر گلزار بن گئی۔

بعض کا خیال ہے کہ سب سے پہلا خرقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے معراج سے واپسی پر حکم دیا کہ یہ پیراہن ساتھ ہی لے جایئے اور آپ کے ساتھیوں میں سے جو آپ کے سوالات کا اس طرح کا جواب دے، یہ خرقہ اس کے حوالے کر دیں۔

چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ نے حضرت صدیقؓ سے پوچھا کہ اگر یہ خرقہ میں تمہیں دوں تو یہ پہن کر کیا کرو گے۔ حضرت صدیقؓ نے عرض کیا حضور میں صدق و راستی اپناؤں گا۔ پھر اس طرح حضرت عمرؓ سے پوچھا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں عدل و انصاف کروں گا۔ حضرت عثمانؓ سے پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں بخشش و سخاوت کروں گا۔ جب حضرت علیؓ سے یہی سوال کیا تو آپ نے عرض کیا کہ میں یہ خرقہ پہن کر لوگوں کی پردہ پوشی کروں گا۔

حضرت علیؓ کے جواب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور وہ خرقہ آپکو پہنا دیا۔ اور فرمایا اے علی اسے خود بھی پہنو اور مریدوں کو بھی پہناؤ یہ اللہ تعالیٰ

کا حکم ہے۔"

نسخہ

آپ نے فرمایا کہ قطب الاقطاب شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے مندرجہ ذیل نسخہ منقول ہے۔

ہڑڑ ۹۰ درم، بہیڑہ ۹۰ درم، آملہ ۹۰ درم، گلو ۲۲ درم، تخم پنواڑ ۲۲ درم، شیطرج ہندی ۲۲ درم، بھنگرہ سیاہ مع جڑ ۹۰ درم، ہالم ۲۲ درم، دار چینی ۹ درم، سنبھالو ۹۰ درم۔ ان تمام ادویہ کو سایہ میں خوب خشک کر کے پرانا گڑ اور لہسن ملا کر کل دوا کی تین سو گولیاں بنائیں۔ ہر صبح نہار منہ ایک گولی کھائی جائے۔ دورانِ استعمال ترشی سے پرہیز رکھا جائے تو دوائی کا اثر یہ ہوگا کہ:

پہلے ماہ پیٹ کی بیماریاں درست ہو جائیں گی۔ دوسرے ماہ انسان بالکل تندرست و توانا ہو جائے گا۔ تیسرے ماہ برص یعنی پھلبہری دور ہو جائے گی۔ چوتھے ماہ خشک کھانسی دور ہوگی۔ پانچویں ماہ سفید بال سیاہ ہو جائیں گے۔ چھٹے ماہ چار عورتوں کو جنسی لحاظ سے مطمئن کر سکے گا۔ ساتویں ماہ ذہانت بڑھے گی۔ آٹھویں ماہ جسم میں وہ قوت و توانائی پیدا ہوگی جو اٹھارہ سالہ نوجوان میں ہوتی ہے۔ نویں ماہ قوتِ حافظہ اس قدر مضبوط ہو گی کہ جو کچھ سنے گا ہرگز نہ بھولے گا۔ اور دسویں ماہ عالم ربانی بن جائے گا۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ بھنگرہ سیاہ مسلسل دو ماہ نہار منہ کھایا جائے اور دوا کو کھاتے وقت یہ افسون یا منتر سات بار پڑھ لیا جائے۔

"سکو امرت اَنا مرد کہا جوجوت" تو اس دوا کی یہ تاثیر ہے کہ پہلے ماہ تمام عوارض جسمانی دور ہو جاتے ہیں۔ دوسرے ماہ سفید بال سیاہ ہو جاتے ہیں تیسرے ماہ بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ چوتھے ماہ شیر کی طاقت جسم میں آ جاتی ہے۔ پانچویں ماہ بھوک بڑھ جاتی ہے اور ہاضمہ درست ہو جاتا ہے۔ چھٹے ماہ مخلوقات کے ڈر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ساتویں ماہ مردانِ غیب سے ملاقات ہوتی ہے۔ آٹھویں ماہ جہاں بھی جاتا ہے اسے کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ نویں ماہ وہ جو کچھ سنتا ہے اسے یاد ہو جاتا ہے۔ دسویں ماہ اس کا باطن منور اور کشادہ ہو جاتا ہے۔

جب آپ نسخہ کی تفصیل بیان فرما چکے تھے تو ایک شخص نے دریافت کیا حضرت اس کی مقدار خوراک کیا ہو؟ آپ نے فرمایا اڑھائی درم۔ ایک شخص نے پوچھا کہ غریب نواز! جس شخص کو اس کا استعمال نقصان پہنچائے وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ دوا استعمال کرنے کے بعد دودھ پی لیا کرے۔

کرامت:- ایک روز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کے لئے یہ فرض کر دیا ہے کہ وہ اپنی کرامات کو لوگوں سے حتی الامکان پوشیدہ رکھیں۔ اس کے برعکس انبیاء کرام کو حکم ہے کہ وہ اپنے معجزات لوگوں پر ظاہر کریں۔ تو جو شخص کرامتیں اعلانیہ ظاہر کرتا ہے وہ گویا فرض خداوندی کا تارک ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ سلوک کے ۱۰۰ مراتب ہیں اور کرامت کا حصہ ان سو میں سے صرف ساتواں ہے۔ اگر سالک اسی میں لگا رہا تو باقی ترانوے ۹۳ درجات کیسے طے کرے گا۔

ایک دن آپ نے ارشاد فرمایا کہ تصوف بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ چنانچہ شیخ شبلیؒ فرماتے ہیں:- اَلتَّصَوُّفُ شِرْکٌ لِاَنَّہٗ صِیَانَۃُ الْقَلْبِ عَنِ الْغَیْرِ وَلَا غَیْرُ (یعنی تصوف کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان اپنے دل کو غیر اللہ سے بچائے۔ حالانکہ اللہ کے سوا دنیا میں اور ہے کیا۔ سب کچھ وہی تو ہے۔)

آپ نے فرمایا کہ حضرت گیسو درازؒ کا ارشاد ہے کہ جو شخص صوفی ہونا چاہے اسے روزانہ ایک ہزار بار درود شریف اور ایک ہزار بار سورۃ اخلاص پڑھنی چاہیئے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ بدترین گناہ حکایت النفس ہے جیسے کہ سہیل ابن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا کہ "اَسْوَءُ الْمَعَاصِیْ حَدِیْثُ النَّفْسِ"

نمازِ تہجد:- ایک دن ایک مغل جس کا نام محمد شاہ تھا نے دریافت کیا نماز فرض، واجب اور سنتِ مؤکدہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں افضل ترین نماز کون سی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تہجد کی نماز، کیونکہ یہی وہ نماز ہے جو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی جیسے کہ قرآن پاک میں آتا ہے۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کے واسطے سے ہی تمام لوگوں کو شفاعت فرمائیں گے۔

حل مشکلات:-

آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی مشکل میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ باوضو ایک ہزار بار "یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام" کا وظیفہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان فرما دے گا۔

نیز آپ نے فرمایا کہ جس شخص پر کوئی مصیبت آجائے تو اسے چاہیئے کہ "شعت ویک تنک" یعنی ۶۱ روپے فی سبیل اللہ دے کر اس کا ثواب حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی روح کو پہنچا دے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور کر دے گا۔ یہ نسخہ مجرب ہے۔

نیز فرمایا کہ جو شخص کسی مشکل میں پھنس جائے۔ تو وہ یوں کرے کہ ساڑھے دس سیر آٹا گندم اور ساڑھے دس سیر گوشت، سوا سیر گھی، سب کو ایک ہانڈی میں پکا کر فی سبیل اللہ تقسیم کر کے اس کا ثواب تمام خواجگان چشت کو اور خصوصاً روح پر فتوح شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کو پہنچا دے، تو بہت جلد اسے اس مشکل سے نجات مل جائے گی۔ یہ بھی مجرب ہے۔

وصال:-

حضرت شیخ محمدؒ نے لکھا ہے کہ جب ہمارے شیخ حسن محمدؒ کی رحلت کا وقت آیا۔ تو آپ تکلیف کی شدت کی وجہ سے بار بار پہلو بدلتے تھے، بخار زیادہ تھا۔ بہت سے خدام موجود تھے۔ اس حالت میں آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا:

"فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ، تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ"

(زمین و سماء کے خالق! دنیا اور آخرت میں میرا تو ہی والی ہے۔ مجھے اسلام کی حالت میں موت دینا اور مجھے نیک لوگوں کے سنگ ملا دینا) اس کے بعد آپ نے پوچھا کیا ظہر کا وقت ہو گیا؟ ہم نے عرض کیا نہیں قبلہ! ابھی نہیں۔ آپ بائیں کروٹ پر لیٹ گئے اور میری پشت پر ہاتھ رکھ کر مجھے اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا "اللھم مالک الملک" پھر آپ نے دائیں پہلو بدلا اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

آپ کا وصال بتاریخ ۲۸ ذی قعد ۹۸۲ھ بروز شنبہ ہوا۔ آپ کا مزار مبارک احمد آباد گجرات میں بنایا گیا۔ آپ کی کل عمر ۵۹ سال تھی۔

(۱۸)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ مظہر اللہ التام الصمد

حضرت شیخ محمد صاحب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت شیخ حسن محمدؒ کے صاحبزادے اور خلیفۂ اعظم تھے۔ آپ کو علومِ دینیہ اور علومِ باطنیہ میں پوری دسترس حاصل تھی جب شیخ حسن محمدؒ نے اپنے بزرگوں کی روایات کے پیشِ نظر آپ کو علم دینا چاہا تو اپنے آپ سے جُدا کر کے ریاضتوں اور مجاہدوں میں لگا دیا۔ آپ نے تھوڑی مدت میں سخت ریاضتیں کیں۔ مگر کسی کو بھی ان کی ریاضت کا علم نہ ہو سکا۔

حضرت شیخ حسن محمدؒ آپ کی ریاضتوں اور کرامتوں کو چھپانے کی بناء پر بہت پسند فرماتے۔ شجرۃ الانوار میں ہے کہ حضرت شیخ حسن محمدؒ نے رحلت کے وقت وہ تمام تبرکات اور نعمتیں جو انہیں بزرگوں سے ورثہ میں ملی تھیں، آپ کے حوالہ کر دیں اور اپنا خلیفہ و قائم مقام نامزد فرما دیا۔

تصنیفات: آپ نے علم تصوف میں بہت سی کتب تصنیف فرمائیں۔ درج ذیل بیالیس کتب جو (چہل دو نسخہ) مشائخ میں بہت مشہور ہیں:

۱۔ تقسیم الاوراد	۲۔ چہار برادران	۳۔ مجالس حسینہ
۴۔ آداب الطالبین	۵۔ رفیق الطلاب	۶۔ الہامات فی مرایا اہبات الصفات
۷۔ ہدایۃ المشیخت	۸۔ رسالہ توحید	۹۔ رسالہ ظلیہ
۱۰۔ من عرف اللہ	۱۱۔ رسالہ لذات المنتہین	۱۲۔ راحت المریدین
۱۳۔ الصبر فی الشدۃ	۱۴۔ الجمع بین الدنیا والعقبیٰ	۱۵۔ مراجین العشاق من الجر الاشواق
۱۶۔ تحفہ سلوک	۱۷۔ حیرۃ فی ذات اللہ	۱۸۔ الناس بالالباس
۱۹۔ السفر والاقامۃ	۲۰۔ نکات الاخوان	۲۱۔ رسالۃ النسبت

اس کے علاوہ ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام معلوم نہیں۔ اس بندۂ ناچیز نے یہ کتابیں بغور پڑھیں ہیں اور ان سے بے شمار فوائد حاصل کئے ہیں میں نے جو فوائد حاصل کئے ان تمام کی پوری تفصیل اس مختصر کتاب میں سما نہیں سکتی۔ البتہ چند فوائد کا ذکر کرتا ہوں۔

خلاصہ تعلیمات:۔ آپ نے آداب الطالبین میں ایک جگہ لکھا ہے کہ جو شخص اپنے مرشد سے فیوض حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ ہر نماز سے فراغت کے بعد دس بار یا شیخ فلاں، دس بار یا مولانا فلاں، دس بار یا حضرت فلاں کہے تو اس عمل سے اُسے فیوض حاصل ہونے لگیں گے۔ نیز مراقبہ میں شیخ کا تصوّر بھی کرے اور حاضر ناظر بھی جانے۔

آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جب بھی کھانا شروع کرو تو ہر لقمہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا کرو۔ اس سے تمہارے باطن میں نورانیت پیدا ہوگی اور خواب غفلت میں مبتلا نہ رہوگے۔ اور جب سونے لگو تو باوضو سویا کرو۔ اس سے تمام رات عبادت میں شمار ہوگی۔ اگر وضو دشوار ہو تو تیمم کر لیا کرو کیونکہ یہ وضو کے قائم مقام ہے۔ اور پوری رات کبھی بھی جاگ کر نہ گذارو کیونکہ نیند میں بذاتِ خود کئی فوائد ہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے اور تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر خواب میں دیدار الٰہی ہو تو اس میں شک کا شائبہ نہیں ہوتا۔ البتہ بیداری میں دیدار ہو تو شک ہو سکتا ہے۔ ہاں تعبیر خواب ایک مشکل چیز ہے۔ البتہ نیند نہ کرنے کا عادی

ہو گیا ہے تو کوئی ہرج نہیں۔

آپ نے لکھا ہے کہ طالبین معرفت کو چار چیزوں کی خصوصی کوشش کرنی چاہیئے:

۱۔ قِلّۃُ الطّعام ـــــ یعنی کم کھانا۔
۲۔ قِلّۃُ الکلام ـــــ یعنی کم بولنا۔
۳۔ قِلّۃُ المنام ـــــ یعنی کم سونا۔
۴۔ قِلّۃُ الصُّحبۃ مَعَ الانام ـــــ یعنی لوگوں سے کم میل جول رکھنا۔ تمام انبیاء اور اولیاء نے ان بنیادی اصولوں پر عمل فرمایا ہے۔

ہر سال چار چلّے ضرور کھینچے جائیں۔ ہو سکے تو ان چلّوں میں روزہ رکھا جائے۔ اگر پورے چلّے میں روزے ممکن نہ ہوں تو جتنے بھی ممکن ہوں اتنے رکھ لے۔ ان چلّوں میں جہاں تک ہو سکے خلوت میں رہے اور لوگوں کے ساتھ کوئی رابطہ نہ رکھے۔ جو شخص اس احتیاط اور تدابیر کے ساتھ چلّے کھینچے گا، تو اسے کوئی شغل بھی اطاعتِ الٰہی سے باز نہ رکھ سکے گا۔ ان چار چلّوں کی ترکیب یہ ہے:

(۱) پہلا چلّہ ۲۱ شعبان سے آغاز کر کے رمضان شریف کے اختتام تک پہنچائے۔
(۲) دوسرا چلّہ اوائل ذی قعدہ سے عید الاضحیٰ کی رات تک مکمل کرے۔
(۳) تیسرا چلّہ ۱۴ ذی الحجہ سے ۲۴ محرم تک لے جائے۔
(۴) چوتھا چلّہ پہلی رجب سے ۱۰ شعبان تک پہنچائے۔

بہتر ہے کہ یہ چلّے کسی مسجد، خانقاہ یا کسی مزار پر کئے جائیں لیکن اگر ان مقامات پر سکون نہ ہو تو پھر اپنے گھر یا کسی بھی جگہ کئے جا سکتے ہیں۔

"رفیق الطلاب" میں ہے کہ ہمیں "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ" کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرنا چاہیئے تاکہ اللہ کے محبوب بن سکیں اور "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ" اور "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ" کے حکم کے مطابق ہر لمحہ توبہ کرتے رہنا چاہیئے۔ مگر یہ مقامِ توبہ محاسبے کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

محاسبہ

محاسبہ:- محاسبہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ پہلا محاسبہ تو یہ ہے کہ انسان کے جسم میں کوئی حرکت، کوئی سکون اور کوئی فعل ایسا رونما نہ ہو جو خلافِ شرع ہو۔ اگر ایسا ہو تو توبہ کرے اور وعدہ کرے کہ آئندہ یہ حرکت نہیں ہوگی۔ اگر دوبارہ وہی حرکت خلافِ شرع کر بیٹھے تو فوراً توبہ کرے اس صورت میں انسان کے دل میں اطاعتِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اگر توبہ کا طریقہ جسے محاسبہ اولیٰ بھی کہتے ہیں سے نصیحت ہو جائے تو پھر محاسبہ کی دوسری قسم کی پابندی کرنا چاہیئے۔ جسے باطنی توبہ کہتے ہیں۔ یعنی انسان کے دل میں کوئی ایسا خیال (خطرہ) بھی پیدا نہ ہو، جو خلاف شریعت ہو۔

خیالات

خیالات:- خیالات (خطرہ) کی چار اقسام ہیں۔ نفسانی[۱]، شیطانی[۲]، ملکی[۳]، اور رحمانی[۴]۔

۱۔ نفسانی خیال تو یہ ہے کہ طالب حق کے دل میں لذات نفسانی اور حصولِ دنیا کا خیال اُبھر آئے جس کی طرف قرآنِ مجید میں "وَمَا اُبَرِّیُٔ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ" میں اشارہ کیا گیا ہے۔ چاہیئے کہ ایسے خیال کو اپنے سے دُور کرے۔

۲۔ شیطانی خیال یہ ہے کہ انسان کے دل میں حرام اشیاء کے حصول، مکروہات کی طلب اور اسی طرح کی دیگر لایعنی اشیاء کا خیال آئے۔ یہ شیطانی خطرہ ہے جیسا کہ قرآنی آیت "فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ" میں ہے۔ اس سے بھی کلی اجتناب کیا جائے۔

۳۔ ملکی خیال: یعنی فرشتگانہ خیال یہ ہے کہ انسان کے دل میں عبادات اور نیکیوں کا خیال آجائے۔ بمطابق آیت قرآنی "یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ وَھُمْ لَا یَفْتُرُوْنَ" اس سے بھی کنارہ کشی کی جائے۔

۴۔ رحمانی خیال: اس خیال کو کہا جاتا ہے کہ انسان کے دل میں اس عالم بالا کی پہچان و معرفت کا خیال آجائے۔ "فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ" کے مطابق یہ خیال بھی دل سے نکال باہر کرنا چاہیئے۔

ایک طالب حق کو اس طرح مشغول رہنا چاہیئے کہ اسے نہ عبادت کی طلب ہو اور

نہ عرفان کے حصول کا لالچ۔ ان دو چیزوں کا دل سے نکال دینا فی الواقع مشکل ترین مسئلہ ہے۔ ان تمام خیالات سے انسان اس وقت تک نہیں بچ سکتا جب تک اس پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نظرِ کرم نہ ہو۔

انسان کو چاہیئے کہ وہ صرف رضائے الٰہی کا طالب ہو اور دُنیا کی حرص و طمع سے اپنا دامن چھڑائے رکھے۔ جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں اللہ کا محبوب شمار ہونے لگتا ہے۔ یہ خیال جاگزین اور مستحکم کرنے کے بعد اتباعِ نبوی میں اتم و اکمل ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ میں نے معراج کی رات اپنی امت کے چند ایسے افراد بھی دیکھے جنہیں اللہ تعالیٰ اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے مجھے دیکھ رہا تھا۔

شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے

"قیامت کے دن مومن اللہ تعالیٰ کی زیارت اس طرح کریں گے جیسے اللہ کے اولیاء خدا کی زیارت دُنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور اللہ کے اولیاء خدا کی زیارت آخرت میں اس طرح کریں گے جیسے کہ انبیاء دُنیا میں کیا کرتے تھے۔ اور انبیاء آخرت میں اس طرح دیدار کریں گے جیسے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا میں خدا کا دیدار کیا کرتے تھے۔ قیامت کے دن رسولِ اکرم اللہ تعالیٰ کا ایک خصوصی دیدار بھی کریں گے جو کسی اور نبی رسُول یا ولی کو نصیب نہیں ہو گا۔ اور یہی وہ خاص الخاص مقامِ محمود ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بزرگ ترین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے یہی وہ اعزاز تھا جس کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دُعا کرتے رہے کہ اے اللہ مجھے اُمتِ محمدی کا فرد بنا دے۔ اور یہی وہ تکریم تھی جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام آخر تک خواہشمند رہے کہ اے میرے اللہ مجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے بنا دے۔"

پس جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا اسکو ایسے فوائد حاصل ہوں گے جو بیان سے باہر ہیں اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا یَعْرِفُھُمْ غَیْرِیْ" (یعنی اولیاء میری کملی کے اندر ہیں میرے بغیر ان کی شان کوئی نہیں جانتا۔)

یہ بھی لکھا ہے کہ طالبِ حقیقت کے لئے ضروری ہے کہ وہ موتِ اختیاری کو اپنا

مقصدِ اعلیٰ سمجھے۔ طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ محاسبہ کا پابند ہو اور محاسبہ کے لئے چند چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ پہلی یہ ہے کہ وہ کسی مرشد کامل سے رابطہ قائم کرے اور اسے مقصد تک پہنچنے کا وسیلہ بنائے کیونکہ قرآنِ پاک میں "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" کی تاکید آئی ہے:

مورِ مسکین ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

(چیونٹی مسکین کے دل میں کعبہ تک پہنچنے کی خواہش تھی۔ جب اُس نے کبوتر کا پاؤں پکڑا تو پھر وہ فوراً مقصد کو پاگئی۔)

شیخ کے لئے ضروری ہے کہ شریعت سے باہر کی کوئی بات نہ کرے اور مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیر سے غافل نہ ہو۔ اس کا پیر خواہ زندہ ہو یا اُس کا وصال ہو گیا ہو۔ سماع کو کلیتہً ناجائز نہ سمجھے کیونکہ "ہمارے مشائخ کے نزدیک اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے قریب ترین راستہ سماع ہی ہے۔"

اگر ہو سکے تو روزانہ دو ہزار بار سورۃ اخلاص اور دو ہزار بار درود شریف کا وظیفہ کیا کرے۔ کیونکہ جو شخص سورۃ اخلاص پڑھتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کے راستے کھل جاتے ہیں اور درود شریف پڑھنے سے اسے تائیدِ غیبی حاصل ہو جاتی ہے۔ طالب کو چاہیئے کہ اپنے علم پر یا اپنے آباؤ اجداد کی عظمت پر غرور نہ کرے نیز اپنے سلسلہ کو کسی اور سلسلہ پر فائق و برتر نہ سمجھے۔

آپ نے فرمایا جو شخص ہمارے مرشد کے مزار پر مسلسل چالیس روز تک آتا ہے اس کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ اس عمل کا کئی بار تجربہ کیا اور درست ثابت ہوا۔ اگر کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے یعنی دوسرے شہر میں ہو، قید ہو یا مریض ہو، تو جہاں بھی ہو، چالیس روز متواتر مراقبہ میں متوجہ ہو تو بھی کامیاب ہوگا۔

نیز جو شخص ہمارے مرشد شیخ حسن محمدؒ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کی کتاب پر عمل پیرا ہو جائے تو وہ بھی اپنے مقصد تک پہنچ جاتا ہے کیونکہ مرشدوں کی تصنیفات

بھی رہنما اور مرشد ہوتی ہیں۔

آپ نے تحریر فرمایا کہ طالب کی یہ خواہش نہ ہو کر اپنے مشائخ جیسا لباس پہنے۔ اتفاقاً ہو جائے تو حرج نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ لباس سے بھی بڑھ کر ذاتِ باری کے ساتھ اپنا دل کو اسی طرح متعلق رکھے جس طرح اُن بزرگوں نے رکھا تھا:

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع
خود را ز عملہائے نکوہیدہ نگاہ دار
حاجت بکلاہِ ترکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار

(یہ گدڑی، تسبیح اور سجادہ تیرے کام نہیں آسکیں گے۔ اصل بات یہ ہے کہ اپنے آپکو ناروا کاموں سے محفوظ رکھو۔ ترکی ٹوپی پہننے کی تو کوئی خاص ضرورت نہیں اپنے اندر درویش کامل کی صفات پیدا کرو۔ پھر خواہ تم تاتاری ٹوپی بھی پہن لو تو فرق نہیں پڑے گا۔

اور یہ بھی لکھا ہے کہ نماز ہر شخص کے پیچھے پڑھ لینا جائز ہے مگر بیعت ہر کسی سے کر لینا جائز نہیں ہے۔ طالبِ حق کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کو معبود لاشریک سمجھے اپنے آپ کو اُمّتِ محمدیہ کے علاوہ کسی اور امّت میں شمار نہ کرے اور بغیر اپنے مرشد کی اجازت کے کسی دوسرے مرشد کی بیعت نہ کرے۔ جس مرشد کے بارے میں اس کا اعتقاد پختہ ہو جائے تو فی الفور اس کی بیعت کرے۔ کیونکہ کتابوں میں لکھا ہے جس شخص کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

خواجگی بے پیر بودن کار نادان بود
ہر کرا پیرے نباشد پیر او شیطاں بود

(بغیر مرشد کے بزرگی کا حصول حماقت ہے کیونکہ بے پیر شخص شیطان کا مرید ہوتا ہے۔)

آپ کے ہاتھ پر کئی کرامتیں اور ناممکن واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ جو بہت مشہور

ہیں۔ ان کرامات میں سے ایک کرامت کا ذکر نواب غازی الدینؒ نے اپنی کتاب "مثنوی" میں لکھا، کہ ایک دفعہ آپ دہلی تشریف لے گئے۔ ایک دن پورے صدق و خلوص کے ساتھ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مزار مبارک پر پہنچے۔ آپ کا دل شدّتِ محبت سے پھٹا جا رہا تھا۔ کہ مشیت ایزدی سے شیخ موصوفؒ کی قبر درمیان سے پھٹ گئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم و رضا کے ساتھ آپ قبر کے اندر تشریف لے گئے۔ آپ کے خدام اور درویش کافی دیر تک باہر انتظار کرتے رہے۔ کافی وقت کے بعد آپ قبر سے باہر تشریف لائے اور دُنیا کو اپنے جمال سے بہرہ ور فرمایا۔ اس کے بعد قبر بدستور مل گئی۔ لیکن جہاں سے پھٹی تھی اس کا نشان قبر کے درمیان اب تک موجود ہے، جو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔

آپ کی تاریخِ وصال ۲۹ ربیع الاوّل ہے اور آپ کا مزارِ مبارک احمد آباد گجرات میں ہے۔

الہٰی بحرمت شیخ المشائخ فرد الحقیقۃ قطب المدینۃ الشریفۃ

حضرت شیخ یحییٰ المدنی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ شیخ المشائخ شیخ محمدؒ کے خلیفہ اکبر اور پوتے تھے۔ مولوی محمد گھلویؒ نے خیر الاذکار میں لکھا ہے کہ میں نے حضرت قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمدؒ کی زبان سے خود سنا تھا کہ چونکہ شیخ محمدؒ کا کوئی بیٹا خلافت کا اہل ثابت نہ ہوا اس لیئے آپ نے خلافت اپنے پوتے یحییٰ المدنیؒ کے سپرد فرمائی۔

شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ آپ نے تحصیل علوم کے بعد مرشد کامل کی تلاش شروع کر دی۔ جونہی آپ کا اعتقاد حضرت شیخ محمدؒ پر راسخ ہو گیا تو ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ آپ کے مرشد نے ریاضتوں اور مجاہدوں کی تلقین کی تو آپ نے مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ آپ تمام رات نوافل میں گذارتے۔ شام سے صبح تک خوفِ خداوندی میں رات بسر کرتے۔ مرشد نے انہیں خلافت کا اہل خیال فرمایا تو اپنا خلیفہ اعظم بنا کر جانشین نامزد فرما دیا۔ اور تمام لوگوں کو حکم دے دیا کہ اب جو شخص بیعت کا خواہشمند ہو وہ میری بجائے ان کی بیعت کر لیا کرے۔ لیکن آپ کے مرشد جب تک زندہ رہے آپ نے ازراہِ ادب کسی شخص کو اپنا مرید نہیں بنایا۔ البتہ جب حضرت مرشد وصال فرما گئے تو پھر دعوت اور بیعت کے سلسلے کا آغاز کر دیا۔

اسی کتاب میں ہے کہ آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس سے ایک خاص قسم کی مناسبت تھی۔ چنانچہ اکثر راتوں میں بلکہ تمام راتوں میں آپ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بہرہ ور ہوتے تھے۔

نواب [illegible] الدین خانؒ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے۔ کہ ایک رات آپ نے محفلِ سماع منعقد کرنے کا حکم دیا۔ محفل میں بے شمار چراغ روشن کیئے گئے اور مریدوں کی کثیر تعداد پروانوں کی طرح وہاں محفل نشین تھی۔ محفل کافی دیر تک جاری رہی

توچراغوں کا تیل ختم ہونے لگا۔

آپ کے ایک مرید نے آپ کے کان میں آہستگی سے عرض کیا کہ حضرت چراغوں کا تیل ختم ہے اور یہ اب بجھنے والے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا کہ تیل کی بجائے ان میں پانی ڈال دو۔ لیکن یاد رکھنا کہ اس بات کی خبر کسی اور شخص کو نہ ہونے پائے۔ وہ خادم یہ بات چھپا نہ سکا اور اس نے بعض لوگوں کو بتلا دیا۔ تاہم پانی ڈالنے کے باوجود چراغ صبح تک روشن رہے۔ جب صبح لوگوں کو اصل حقیقت کا پتہ چلا تو لوگ دنگ رہ گئے۔ بات بھی مشہور ہو گئی ۔ کہتے ہیں کہ اس کرامت کی تشہیر سے آپ اس قدر مغموم ہوئے کہ چالیس دن تک پریشان رہے۔

اسی کتاب میں یہ واقعہ بھی منقول ہے کہ ایک دن چھوٹی سی بچّی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس کے ہاتھ میں مصری کی ڈلی تھی۔ آپ نے پوچھا بیٹی یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا مصری! آپ نے ازراہ مذاق فرمایا کہ یہ تو نمک ہے۔ مصری تو نہیں ہے اس بچّی نے جب چکھی تو واقعی نمک بن چکی تھی۔ اس نے منہ بسور کر اہل مجلس کو کہا کہ یہ تو نمک ہے میں اسے نہیں کھاؤں گی۔ اہل مجلس آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو خدا سے التجا کی مولا! اس طرح تو رسوا نہ کر۔ اسی دوران ایک غیبی آواز آئی کہ میں تمہاری بات کو غلط کیسے کر سکتا ہوں؟

شجرۃ الانوار اور غازی الدین کی مثنوی میں یہ بھی مذکور ہے۔ کہ آپ پہلے احمد آباد میں قیام فرماتے تھے لیکن اپنے مرشد سے بیعت کرنے کے بعد آپ کے دل میں حج اور روضۂ اطہر کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ حضرت مرشد کی رحلت کے بعد آپ سفر حج کے لئے مکّہ مکرّمہ گئے اور پھر وہاں سے مدینہ منوّرہ میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دی۔ آپ کو اس جگہ سے اس قدر انس پیدا ہوا کہ وہیں مدینہ منورہ میں ہی مستقل اقامت اختیار کر لی۔

مثنوی میں یہ واقعہ بھی درج ہے کہ ایک بار مدینہ منوّرۃ میں بے پناہ سیلاب آگیا۔ سیلاب کا پانی مکانوں کی چھتوں سے بھی اونچا آگیا اور لوگ شہر چھوڑ کر صحرا

میں درختوں پر پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ آپ نے اس موقعہ پر اپنے مکان کے ارد گرد ایک لکیر کھینچ دی۔ لوگوں نے دیکھا کہ سیلاب کا پانی اس لکیر کو عبور نہ کر سکا اور دُور دُور ہی رہا۔ لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔

آپ کا وصال ۲۸ صفر المظفر کو ہوا۔ آپ کا مزار شریف مدینہ منوّرہ میں ہے۔

۳۰
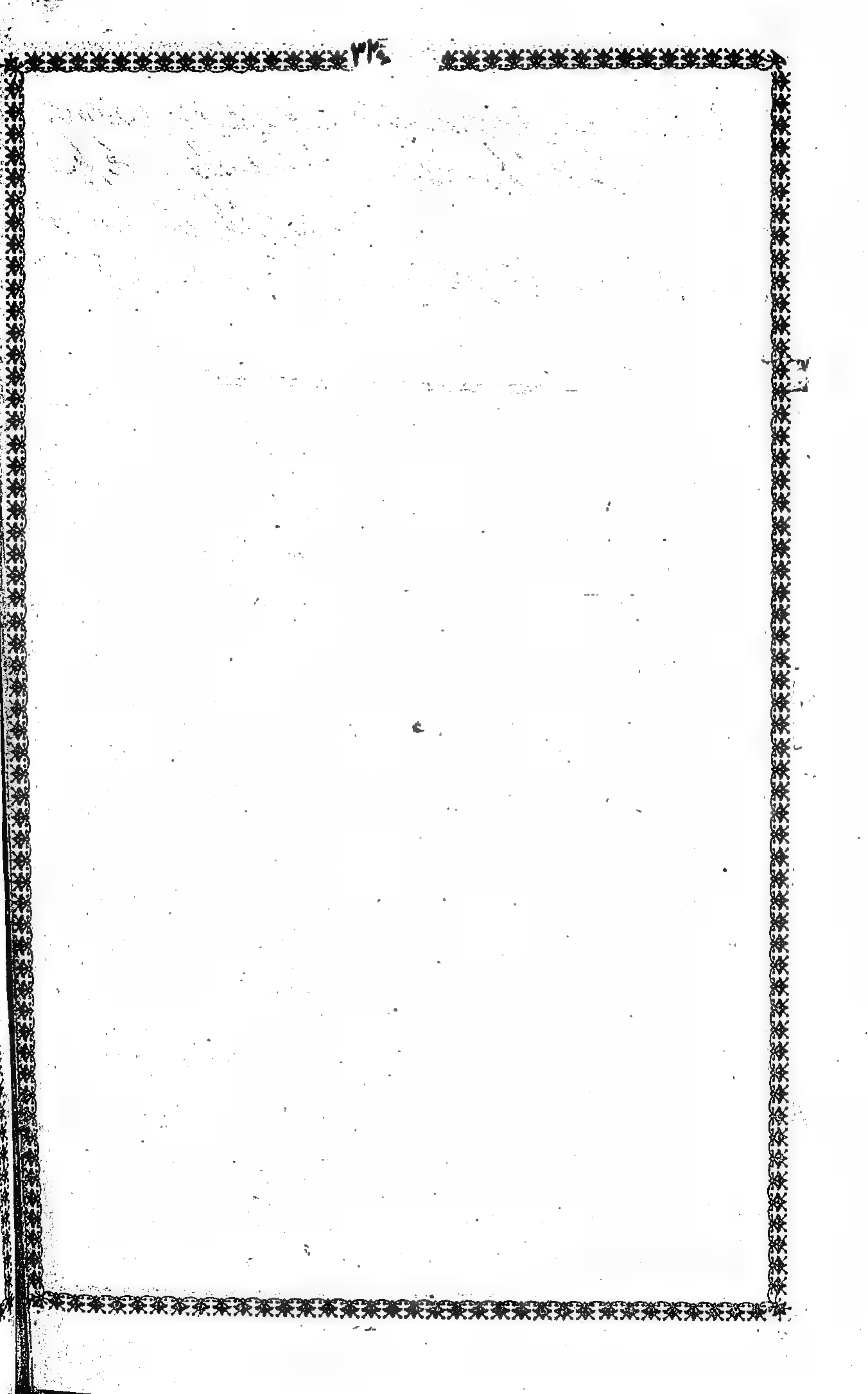
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ المتخلق باخلاق اللہ
والمتصف باوصاف اللہ فانی فاللہ باقی باللہ

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"فانی" اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کا مادہ 'فنا' ہے فاء پر زبر ہے۔ اس کا معنی ہے بوڑھا ہو جانا، مٹ جانا۔ لیکن صوفیاء کی اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ تفرقہ اور حادث و قدیم کے فرق اور تمیز سے ماوراء اور بالا ہو جانا۔ کیونکہ جب روح کی بصیرت ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ میں مکمل طور پر مستغرق ہو جاتی ہے تو وہ عقل جو اشیاء کے اندر تمیز کرتی ہے، نورِ ذات کے مقابل میں چھپ جاتی ہے اور اس کی قوت فارقہ مٹ جاتی ہے۔ جس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ جب سورج چڑھ آتا ہے تو پھر تمام ستارے چھپ جاتے ہیں اور ان کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔ جب سالک پر نور غالب آتا ہے تو پھر کثرت میں بھی اسے وحدت دکھائی دیتی ہے اور اس کے سامنے حی و قیوم کی ذات کے علاوہ سب کچھ اوجھل ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں سالک پر جو واردات گذرتی ہیں یا جو کچھ وہ کہتا ہے، وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہوتی ہے اور درمیان میں سے سالک کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مرتبہ اور مقام تھا جس پر حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ نے "سُبحانی ما اَعظَمَ شانی" اور منصور نے "انا الحق" کا نعرہ لگایا تھا۔

"باقی" کا مصدر 'بقاء' ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی خودی اور وجود فنا کرنے کے بعد سالک حقانی نگاہ کے واسطہ سے اسماء کے تفرقہ سے نکل کر حقیقتِ کُلی کی طرف راجع ہو جاتا ہے۔ حسینی نے بقاء و فنا کے مفہوم کو کتنا عمدگی سے یوں بیان کیا ہے۔

گفت مردے کاندریں رہ کامل است | نیستی راہ است، ہستی منزل است
چوں فنا گردی فنا اندر فنا | از لقائے خود رسیدی در لقاء

(کشف اللغات)

آپ حضرت شیخ یحیٰی مدنیؒ کے خاص الخاص خلیفہ تھے۔ ظاہری اور باطنی کمالات میں آپ کو ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ خصوصاً علم معرفت میں تو آپ کی اپنے دور میں مثال نہ تھی۔ آپ اصلاً قریشی ہاشمی تھے۔

مثنوی نواب صاحب میں مذکور ہے کہ علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد آپ کسی بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے خواہشمند تھے کہ اچانک دہلی تشریف لائے اور وہاں آپ کی ملاقات ایک عظیم بزرگ اور مایۂ ناز عالم حضرت رسول نماؒ سے ہوئی۔ آپ حضرت رسول نماؒ کی علمیت اور بزرگی کی وجہ سے ان کے مرید ہونے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ کی خدمت میں پہنچ کر اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرت رسول نماؒ کو نورِ معرفت اور حضرت یحیٰی مدنیؒ کی طرف سے روحانی طور پر اطلاع مل چکی تھی کہ اس شخص کو میرے پاس بھیج دینا۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے کہا کہ مجھے آپ اس سلسلہ میں معذور سمجھیں کیونکہ جناب قدسی مآب حضرت یحیٰی مدنیؒ نے آپ جیسے شہبازِ بلند پرواز کو زیرِ دام لانے کے لئے مدینہ منورہ میں انتظام کر رکھا ہے۔ اس لئے وہیں جاؤ اور حضرت مدنی کے روحانی دسترخوان سے خوشہ چینی کرو۔ اور ان کی صحبت سے فیض حاصل کرو۔ چنانچہ آپ حضرتؒ رسول نماؒ کے ارشاد کے مطابق مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ طول طویل سفر کرنے کے بعد اپنی منزلِ مقصود پر جا پہنچے۔

خلاصۃ الفوائد میں ہے کہ حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ ابتدائے شباب میں علومِ ظاہری کے حصول کے بعد ایک ہندو لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو گئے۔ لیکن وہ لڑکا آپ کو فقیر سمجھ کر التفات نہ کرتا۔ ان دنوں شہر میں ایک مجذوب بزرگ بھی قیام پذیر تھے۔ لوگ ان کی خدمت میں مٹھائی لیکر جایا کرتے۔ یہ مجذوب جس شخص کی مٹھائی قبول فرما لیتے اس کی حاجت پوری ہو جاتی لیکن جس کی مٹھائی مسترد کر دیتے وہ محروم رہ جاتا۔

چنانچہ آپ بھی اس مجذوب کے پاس مٹھائی لیکر حاضر ہوئے۔ مجذوب نے جوں ہی آپ کو دیکھا تو خود ہی فرمایا اِدھر لاؤ اور مٹھائی قبول کر لی۔ اس مجذوب کی خدمت سے فارغ ہو کر جب آپ اس لڑکے کے پاس پہنچے تو اس نے خود ہی انہیں اپنے پاس بلا کر بہت محبت اور پیار کا سلوک کیا۔ لیکن جونہی اس لڑکے نے اپنا میلان ظاہر کیا، آپ کے

دل سے اس کی محبت کافور ہوگئی اور اس مجذوب کی محبت دل میں جاگزیں ہوگئی۔ چنانچہ آپ روزانہ اس مجذوب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ وہ مجذوب بھی آپ سے غیر معمولی محبت کا سلوک کرتے اور آپ اپنا سر ان کی آغوش میں رکھ کر سو جاتے۔

اسی طرح ایک دن وہ مجذوب سوئے ہوئے تھے۔ جب بیدار ہوئے تو ان پر ایک خاص قسم کی جذبی کیفیت طاری ہوگئی۔ اور یہ جو اُن کا سر اپنی گود میں لئے بیٹھے تھے، ان پر بھی ان کے جذب کا شدت سے اثر ہوا۔ آپ کو چونکہ دینی علوم میں درجۂ کمال حاصل تھا، اس لئے ان علوم کی وجہ سے کچھ مدت تک تو اس جذب کو سینہ میں چھپاتے رکھا۔ لیکن چند دنوں کے بعد جب اس پر قابو پانا ناممکن ہوگیا، تو مجذوب موصوف سے حل دریافت کیا۔ حضرت مجذوب نے کہا برخوردار! اگر مزید آگ کے طالب ہو تو وہ میرے پاس بہت ہے۔ میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر پانی کے ذریعہ جذب کی اس آگ کو بجھانا چاہتے ہو تو پھر مدینہ منورہ چلے جاؤ اور وہاں جا کر حضرت یحییٰ مدنیؒ سے اپنی قسمت و مقدر کا حصہ وصول کر لو۔

مجذوب کی یہ بات سنی تو آپ کسی کو، حتیٰ کہ والدہ کو اطلاع دیئے بغیر مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ اس کتاب کا ناچیز مصنف عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ اور اُدھر جو نواب غازی الدین خانؒ نے واقعہ لکھا تھا ان دونوں کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ نواب صاحبؒ نے مدینہ کو روانگی کی وجہ اور بتائی ہے لیکن اس واقعہ میں مدینہ کی روانگی کا سبب اور بتلایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

آپ جب مدینہ منورہ پہنچے تو ایک قافلہ کے ہمراہ نخلستان میں پڑاؤ کیا۔ اُدھر حضرت یحییٰ مدنیؒ کو نورِ بصیرت سے آپکی آمد کا علم ہوگیا تو آپ نے اپنے ایک خادم کو بلا کر فرمایا کہ فلاں نخلستان میں جاؤ اور وہاں جا کر کلیم اللہ کو لے آؤ۔ چنانچہ وہ خادم نخلستان میں پہنچا وہاں کلیم اللہ کا نام لے کر کئی بار آوازیں دیں۔ مگر کوئی جواب نہ آیا کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ شاید یہ کسی اور کلیم اللہ کو بلا رہا ہے۔ میرا تو یہاں کوئی واقف نہیں مجھے بھلا کون بلائے گا۔ چنانچہ خادم نے ناکام واپس آکر حضرت مدنیؒ کے

پاس تمام صورتِ حال بیان کی۔ تو حضرت مدنیؒ نے خادم کو فرمایا کہ دوبارہ جاؤ اور کلیم اللہ جہان آبادی کا نام لے کر پکارو۔ آپ نے جب یہ آواز سُنی تو فوراً اس خادم کی معیت میں حضرت یحییٰ مدنیؒ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص حضرت یحییٰ مدنیؒ سے شرح وقایہ کا درس لے رہا تھا آپ انتہائی سادہ طریقہ سے بغیر کسی علمی تشریح کے اسے پڑھاتے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت کلیم اللہؒ کے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ حضرت یحییٰ مدنیؒ ایک عام انداز میں درس دے رہے ہیں شاید انہوں نے خود بھی اسی سادہ طور پر تعلیم حاصل کی ہو گی۔ حضرت کلیم اللہؒ کے دل میں یہ خیال آنا ہی تھا کہ حضرت یحییٰ مدنیؒ نے شرح وقایہ اُٹھا کر حضرت کلیم اللہؒ کو دی۔ حضرت کلیم اللہؒ نے کتاب لیکر جب پڑھنا چاہا تو انہیں یُوں محسوس ہُوا کہ تمام حاصل کردہ علم مٹ چکا ہے۔ حتیٰ کہ کوشش کے باوجود آپ اس کی عبارت بھی نہ پڑھ سکے۔ حضرت کلیم اللہؒ کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہُوا کہ انہوں نے حضرت یحییٰ مدنیؒ کے بارے نامناسب بات سوچی۔ چنانچہ توبہ کی اور حضرتِ والا سے معافی مانگی تو آپ کو دوبارہ وہ علم مل گیا جو کچھ دیر پہلے محو ہو چکا تھا۔

آپ نے حضرت یحییٰ مدنیؒ سے بیعت کرنے کی درخواست کی، جو قبول ہُوئی۔ حضرت یحییٰ مدنیؒ نے خرقۂ خلافت دینے کے بعد کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر وہ تمام اسرار و رموز سے جو سینہ بسینہ ان کے پاس پہنچے تھے، انہیں آشنا فرمایا۔ پھر آپ نے انہیں تھوڑا سا زادِ راہ دیکر رخصت فرمایا اور آپ جہان آباد کی طرف روانہ ہو گئے۔

مثنوی میں مذکور ہے:

در زمان وداع او فرمود	کاتے تو سرمایۂ شہود وجود
در نصیب تو آشنائی ہست!	سوءِ دامت رہ ہُمائی ہست
باشد آثار او چنان وچنین	نام تامی او نظام الدّین
دولتے کہ نمودہ ام تفویض	مالکش اوست بے خلاف ونقیض
ایں امانت باو حوالہ کنی!	کار بر طبق او مقالہ کنی
ایں بفرمود مد سبیل رشاد	بخدائیش سپرد و رخصت داد

(یعنی حضرت یحییٰ مدنیؒ نے کلیم اللہ کو الوداع کہتے ہوئے فرمایا کہ شہود و وجود کی دُنیا کے راہی تیری قسمت میں خدا کا تعلق اور لوگوں کی رہنمائی لکھی جا چکی ہے۔ تمہیں بزرگانِ دینؒ کی روایات کو ملحوظ رکھنا ہوگا کیونکہ میں نے جو دولت تمہارے حوالے کی ہے دراصل اس کا حقیقی مالک تو نظام الدینؒ ہے انہیں یہ امانت پہنچا دینا۔)

"خلاصۃ الفوائد" میں مذکور ہے کہ جب حضرت نے کچھ رقم بطور زادِ راہ عطا فرمائی تو حضرت کلیم اللہؒ نے دِل میں خیال کیا کہ حضرت مجھے اسکی نہیں بلکہ باطنی نعمت کی ضرورت ہے وہ عطا فرمایئے۔ تو حضرت یحییٰ مدنیؒ نے فرمایا "برخوردار! میں نے تمہیں ظاہری اور باطنی دونوں نعمتیں عطا کر دی ہیں خدا تجھے یہ مبارک اور نصیب فرمائے" جب آپ حضرت مرشد سے رخصت ہو کر "مکہ" پہنچے، تو جس شخص کی بھی آپ پر نظر پڑتی تو وہ فوراً پکار اٹھتا، دیکھو وہ زمانہ کا قطب آگیا ہے۔ پھر وہاں سے آپ سفر کی منزلیں طے کرتے ہوئے جہان آباد آ گئے۔

"شجرۃ الانوار" میں لکھا ہے کہ آپ جب حضرت یحییٰ مدنیؒ سے رخصت ہونے لگے تو حضرتؒ نے انہیں فرمایا کہ پرانی دہلی میں ایک شخص شیخ اچھا نامی رہتا ہے۔ اس نے گذشتہ رات خواب میں میری بیعت کی ہے۔ تو جب تم دہلی پہنچو تو اُسے میرا یہ شجرہ اور ٹوپی پہنچا دینا اور اس کے ساتھ محبت آمیز برتاؤ کرنا کیونکہ وہ بھی تمہاری طرح میرا فرزندِ معنوی ہے۔

آپ منازلِ سفر طے کرتے ہوئے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر پہنچے اور رات وہیں گذاری۔ ادھر شیخ اچھا کو خواب میں اپنے مرشد حضرت یحییٰ مدنیؒ کی اُسی رات زیارت ہوئی کہ میرا خلیفۂ خاص شیخ کلیم اللہ جس نے مجھے ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھا ہے، وہ تمہارے پاس پہنچ رہا ہے۔ تم باوضو اور طہارتِ کاملہ کے ساتھ پوری شان سے اس کا استقبال کرنا اور میں نے جو شجرہ اور اپنی ٹوپی اس کے ہاتھ ارسال کی ہے، وہ بھی وصول کر لینا۔ چنانچہ جب شیخ اچھا صبح کو بیدار ہوتے تو نمازِ فجر کے فوراً بعد طہارتِ کامل کے ساتھ پابرہنہ پرانی دہلی سے باہر حضرت کلیم اللہؒ کے استقبال کے لئے

روانہ ہوئے۔ تھوڑا سا راستہ طے کیا تھا تو دیکھا کہ ایک شخص پیدل چلا آرہا ہے اور سواری جو ہمراہ ہے وہ خالی ہے۔ آپ نے اپنی روحانی بصیرت سے معلوم کر لیا کہ یقیناً یہی وہ ذاتِ اقدس، پیشوائے دین، حبیب اللہ، امین صادق حضرت شیخ کلیم اللہ ہیں، جن کے چہرہ پر انوارِ الٰہیہ بدرجۂ کمال درخشاں ہیں۔ اسی طرح دوسری طرف حضرت کلیم اللہؒ نے جب انہیں دیکھا تو وہ بھی علمِ باطنی کے سبب معلوم کر گئے کہ یہی شیخ اچھا ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب آئے تو ایک دوسرے میں مطلوبہ علامات موجود پائیں۔

اس موقع پر شیخ اچھا نے کہا کہ میں آپ پر قربان جاؤں کہ آپ کتنے خوش قسمت ہیں کہ آپ نے اپنی ظاہری آنکھوں سے حضرت یحییٰ مدنی کی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔ آپ مجھ سے بلند مقام کے حامل ہیں، کیونکہ آپ کو مرشد کی ظاہری بیعت اور ملاقات کا شرف بھی نصیب ہوا ہے۔

حضرت شیخ کلیم اللہؒ نے فرمایا کہ میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ مجھ سے برتر ہیں کیونکہ مرشد نے آپکو خواب میں ہی بیعت میں لئے لیا اور آپ نے اپنی باطنی آنکھوں سے حضرتِ والا کی زیارت کی ہے اور مرشد نے آپ پر یہ احسان بھی کیا ہے کہ بڑے اہتمام کے ساتھ شجرہ اور اپنی کلاہِ مبارک سے آپکو سرفراز فرمایا ہے۔ غرض کہ ان دونوں حضرات کے درمیان اس مسئلہ پر کافی دیر تک بحث ہوتی رہی کہ ہم دونوں میں سے افضل کون ہے؟ اس کے بعد شیخ اچھا نے حضرت شیخ کلیم اللہ کے سامنے آداب بجالا کر ان کے گرد طواف کرنا شروع کر دیا اور ذوقِ معرفت حاصل کیا۔ اسی طرح حضرت شیخ کلیم اللہ نے بھی شیخ اچھا کے ساتھ مؤدبانہ سلوک کیا۔ بعد ازاں حضرت شیخ کلیم اللہؒ جہان آباد روانہ ہو گئے۔

"خلاصۃ الفوائد" میں مذکور ہے کہ آپ جب حضرت یحییٰ مدنیؒ سے رخصت ہوتے تو سیدھے دہلی تشریف لائے۔ یہاں آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کا ذریعۂ آمدن یہ تھا کہ ایک حویلی ورثہ میں آپ کو ملی تھی آپ نے اسے دو روپے آٹھ آنہ ماہوار کرایہ پر اٹھا دیا۔ اس کے علاوہ آپ کا کوئی اور ذریعہ معاش نہیں تھا۔ آپ آٹھ آنہ تو اس مکان کا کرایہ ادا کرتے جس میں آپ کا قیام تھا اور باقی دو روپے اپنے وابستگان اور

عقیدت مندوں پر خرچ فرمادیتے۔

فرخ سیر بادشاہ نے کئی بار بڑی عاجزی سے اصرار کیا کہ حضرت اپنی ضروریات کے لئے سرکاری خزانہ سے رقم لے لیا کریں۔ لیکن آپ نے ہر بار پیش کش مسترد کر دی اور فرمایا مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ پھر اس نے عرض کیا کہ میں ایک بڑی حویلی آپ کے نام لگا دیتا ہوں لیکن آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ بعد ازاں فرخ سیر نے گذارش کی کہ قبلہ! اگر اجازت مرحمت فرمائیں تو میں کبھی کبھار آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہو جایا کروں۔ آپ نے فرمایا تم "ظل اللہ" ہوئیں ویسے بھی آپ کے حق میں دعا کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے بذاتِ خود آنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے مجھے الجھن ہوگی۔ بادشاہ نے اس کے بعد یہ وطیرہ اختیار کر لیا تھا کہ بروز جمعتہ المبارک جب حضرت شیخ مسجد میں جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے تو وہ بھی اجازت لیکر بڑی عاجزی اور تعظیم سے آپ کی قدمبوسی کر لیتا۔

مثنوی نواب صاحب میں لکھا ہے کہ آپ نے جب جہاں آباد میں قیام اختیار فرمایا تو بڑے بڑے ارکینِ سلطنت اور امراءِ آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ خصوصاً امیر نصرت جنگ جو شاہِ وقت کے مقرب ترین وزیر تھے اور نواب صاحب موصوف راقم مثنوی کے جدِ امجد تھے آپ کے مرید ہو گئے۔ اس سے آپ کی شہرت مشرق سے مغرب تک پھیل گئی۔

اگرچہ حضرت شیخ کلیم اللہؒ علم و عشق کا ایک انتہائی خوبصورت امتزاج تھے اور فضل و عقل میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ پھر بھی آپ کی یہی کوشش ہوتی کہ اُن کی فضیلت و علم کا کسی کو پتہ نہ چلنے پائے۔ اپنے روحانی مرتبہ کو پوشیدہ رکھنے کے لئے آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا جس حویلی میں آپ کا قیام تھا اس میں بہت سے کمرے تھے۔ ان میں ایک کمرہ آپ نے اوراد و وظائف کے لئے مختص کر رکھا تھا۔ آپ اس مخصوص حجرہ میں شام سے لیکر صبح تک وظائف میں مشغول رہتے۔

ایک رات کی بات ہے کہ آپ کا یہ حجرہ شریف اچانک نور سے بھر گیا۔ آپ کی اہلیہ

نے کھڑکی سے نور کی جب جھلک دیکھی تو سوچا کہ شاید حضرت سو رہے ہیں۔ اور یہ جھلک چراغ کے شعلہ کی ہے اس لئے جا کر حضرت کو بتلاتی ہوں کہیں کوئی ناخوشگوار صورت رونما نہ ہو۔ اُس تاجِ مستورات نے آپ کے حجرہ کے قریب جا کر روشن دان سے دیکھا، تو حیران رہ گئیں کہ ایک انتہائی خوبصورت اور خوش شکل نوجوان، جس کے رخسار چاند کی طرح اور پیشانی سورج کی طرح روشن ہے اور جس کے حسن کی شرح تحریر و تقریر میں نہیں ہو سکتی جواہرات کے جڑاؤ والا لباس پہنے موجود ہے۔ جس کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ وہ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ صبح ہوئی اور حضرتِ والا جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی اہلیہ نے رات کے واقعہ کے متعلق استفسار کیا۔ آپ نے اہلیہ کو تاکید کی کہ یہ ایک راز ہے اور اس کا ذکر کسی اور سے قطعاً نہ کرنا۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب ایک عارف محبوبیت کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے تو وہ اس شکل میں متشکل ہو جایا کرتا ہے۔

اسی کتاب میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ ایک دن آپ طلباء کو درس دے رہے تھے کہ اچانک آپ کے مزاج میں تبدیلی آگئی۔ اور آپ کا خیال درس سے کہیں اور چلا گیا اور آپ بالکل خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے طلباء کو فرمایا کہ ایک طشت لے آؤ۔ طلباء نے فوراً طشت پیش کی۔ آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا تو اللہ کی مرضی اور حکم سے اس طشت میں پانی جاری ہو گیا۔ اس کے بعد آپ دوبارہ تدریس میں مشغول ہو گئے۔ طلباء عزیز اس خلافِ معمول واقعہ سے حیران تھے انہوں نے دریافت تو نہ کیا البتہ تاریخ اور دن لکھ لیا۔

چند دن کے بعد آپ کی خدمت میں ایک تاجر مرید حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت فلاں تاریخ کو میں جہاز میں سوار تھا کہ طوفان کی وجہ سے جہاز ڈوبنے لگ گیا۔ میں نے وہاں جہاز میں بیٹھے آپ کی طرف توجہ کی اور مدد کے لئے التجا کی۔ تو اچانک پانی سے ایک ہاتھ برآمد ہوا اور اس نے جہاز کو اس طرح سہارا دیا کہ وہ غرق ہونے سے بچ گیا۔ میں نے اس دن ایک منت مانی تھی۔ چنانچہ وہی نذر آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا

ہوں۔ جب آپ کے طلباء نے اس تاجر سے اس واقعہ کی تاریخ سنی تو یہ وہی تاریخ تھی، جس دن آپ کے ہاتھ سے پلیٹ میں پانی جاری ہو گیا تھا۔ تو انہیں بے حد حیرانی ہوئی۔

تصانیف:۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

(۱) ان میں سے ایک کا نام 'عشرہ کاملہ' ہے جو آپ نے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کی حالت میں لکھی تھی اور جس میں آپ نے اس عشرہ کے فوائد تحریر فرمائے۔ اس کتاب کے دس ابواب ہیں اور یہ ایک قابل قدر حیثیت رکھتی ہے۔

(۲) دوسری کتاب 'کشکول' ہے جو ذکر، فکر اور مراقبہ کے فوائد پر مشتمل ہے۔

(۳) تیسری "مرقع شریف" ہے جس میں نماز و نوافل کی اقسام اور شب و روز پڑھے جانیوالے وظائف کی تفصیل ہے۔ یہ کتاب چھوٹے چھوٹے پیروں پر مشتمل ہے۔

(۴) چوتھی "سواء السبیل" جس میں تصوف اور اہل معرفت کے حالات کی تفصیل قلم بند ہے۔

ہمارے بزرگ جب بھی کسی شخص کو اپنے حلقۂ ارادت میں لیتے۔ تو ان کتب کے مطالعہ کی تاکید فرماتے حتیٰ کہ جب وہ پختہ ذہن ہو جاتا تو اسے خرقۂ خلافت عطا کر کے رخصت فرماتے۔ نیز وہ سینہ بسینہ خود تک پہنچی ہوئی معرفت کی حقیقتیں بھی اس پر آشکارا فرماتے۔ اور اُسے رسالہ کشکول اور مرقع شریف کی بھی اجازت دیتے۔

'خلاصۃ الفوائد' میں لکھا ہے کہ آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو سلسلۂ قادریہ میں بیعت کیا تھا کیونکہ آپ فرمایا کرتے کہ سلسلہ چشتیہ میں بے پناہ ریاضتیں اور مجاہدے ہیں لیکن غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ کا دامن اس لحاظ سے بہت وسیع ہے اور تمام ناقصوں کی پردہ پوشی کر دیتا ہے۔

آپ نے سلسلہ چشتیہ قادریہ اور سہروردیہ میں تو سب فیض حضرت یحییٰ مدنیؒ سے حاصل کیا تھا لیکن سلسلہ نقشبندیہ میں فیض جناب شیخ امیر محترم اللہ المتوکل علی اللہؒ سے حاصل کیا۔ آپ کا وصال ۲۴ ربیع الاوّل ۱۱۴۲ھ میں ہوا اور قلعہ و جامع مسجد کے درمیان جہان آباد میں جہاں آپ کا مسکن تھا، آپ کا مزارِ مبارک بنا، جو

زیارت گاہِ خلائق ہے۔

نواب صاحب نواب غازی الدین خاںؒ نے آپ کے وصال کو نظم کیا ہے:

کلیم اللہ آں بزرگ مقام	زد چو بر طورِ لامکانی گام
ماہ رحلت ربیع الاول داں	روز ہم بست و چہارم زاں
سالِ ہجرت زماں رحلت او	یک ہزار ست و یکصد و چہل و دو

(۳۱)

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ سراج الواصلین، فخر العاشقین

حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفۂ اعظم تھے علوم ظاہری اور باطنی میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہٗ تک پہنچتا ہے، جیسا کہ رسالۃ المناقب میں ہے۔

آپ کا اوّل وطن پورب تھا لیکن علوم کی تحصیل کی خاطر آپ شاہ جہاں آباد تشریف لے آئے اور حضرت فانی فی اللہ شیخ کلیم اللہؓ سے درخواست کی کہ بندہ کو اپنی شاگردی میں لے لیں۔ آپ کے روز کے اصرار پر آخر کار حضرت موصوف نے انہیں اپنا شاگرد بنا لیا اور روزانہ کتاب اصول کا درس دینا شروع کر دیا۔

حضرت یحییٰ مدنیؓ کے وصال کے بعد آپ کا ایک مرید حضرت فانی فی اللہ علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ سے یہاں پہنچا۔ جونہی اسکی نظر آپ پر پڑی اس پر ایک خاص قسم کی وجدانی کیفیت طاری ہوگئی۔ گریہ وزاری کے علاوہ اس کا تمام جسم لرزنے اور کانپنے لگا حضرت خواجہ نظام الاسلام والمسلمینؒ نے اس شخص کی یہ حالت دیکھی تو بہت حیران ہوئے۔

طلبہ کو عام طور پر ایسے معاملات سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی اس لئے انہوں نے حضرتؓ سے پوچھا کہ اس شخص کو کیا ہو گیا؟ حضرتؓ نے مخمور آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا کہ تم ظاہری علوم کا درس لیتے ہو لیکن اس شخص نے باطنی علم سیکھ رکھا ہے۔ جونہی آپ نے یہ الفاظ سنے اپنی کتاب ایک طرف رکھدی اور عرض کیا کہ علوم ظاہری تو بہت حاصل کر لئے اب از راہِ کرم مجھے علم باطنی کا درس دیا کیجئے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنیؒ نے حضرت شیخ کلیم اللہؓ کو رخصت کرتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ نظام الدین نام کا ایک شخص جس کا حلیہ یہ ہوگا تمہارے پاس آئے گا۔ تمہارے لئے لازمی ہوگا کہ اس کو فوری اپنی بیعت میں لینا اور جو کچھ تمھیں ملا ہے وہ اس کے

حوالہ کر دینا کیونکہ اس خزانہ کا اصل مالک وُہ ہی ہے، جو اپنے نورِ ہدایت سے جہان کو منور کرے گا مرشد کی ہدایت کے مطابق آپ کو نظام الدینؒ کا شدت سے انتظار رہتا تھا چنانچہ جب حضرت شیخ نظام الدینؒ نے آپ سے علوم باطنیہ کے حصول کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ علم باطنی کے حاصل کرنے کے لئے علومِ ظاہری ایک بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، جو تم نے حاصل کر لئے ہیں اس لئے اب تم باقاعدہ ہمارے سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے میری بیعت کر لو۔ آپ نے کہا بندہ حاضر ہے۔

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

شیخ کلیم اللہؒ کو پوری تشفی ہو چلی تھی کہ یہ وُہ ہی شخص ہے جس کے متعلق حضرت مدنیؒ نے تاکید فرمائی تھی پس خلوت میں لیجا کر انہیں اپنا مرید بنا لیا اور تمام معارف روحانیہ جو آپ کو اپنے بزرگوں سے ملی تھیں ان کے سپرد کرتے ہوئے موقع پر ہی اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور سلوک کی تمام منازل چشم زدن میں طے کرا دیں خلاصۃ الفوائد مثنوی اور شجرۃ الانوار میں مرقوم ہے کہ شیخؒ نے آپ کو خلافت عطا فرما کر دکن روانہ فرما دیا یہ خوشخبری بھی دے دی کہ تیرے لاکھوں مرید ہوں گے لیکن سب سے آخر میں جس شخص کو تم مرید کرو گے وہ ہماری ملکیت ہوگا اور اس کی نسبت ہمارے ساتھ منسلک ہوگی وہ شخص تمہارا سب سے چھوٹا بیٹا ہوگا وہ جہاں آباد میں آکر پیرانِ چشت کا سجادہ سنبھالے گا اور پوری دنیا کو اپنی نورانی کرنوں سے منور کرے گا اس کا نام فخر الدینؒ ہوگا۔

اپنے شیخؒ سے فیوض حاصل کرنے کے بعد آپ پہلے تو حضرت سلطان المشائخؒ اور حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مزارات کی زیارت کو تشریف لے گئے پھر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ کی درگاہ کی زیارت کرنے کے بعد دکن روانہ ہو گئے۔ اورنگ آباد میں قیام اختیار فرمایا اور لوگوں کو اپنی باطنی روشنی سے منور کرنا شروع کیا۔

آپ کے لاکھوں مُرید تھے جن میں بہُت سے صاحبِ کمال اور صاحبِ حال تھے۔ آپ کے مریدوں سے طرح طرح کی کرامتیں ظہور پذیر ہُوئیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے تو مُردوں کو بھی زندہ کر دیا۔

حضرت نظام الاسلامؒ کے خلیفہ خواجہ کامگار خاںؒ کی تصنیف احسن الشمائل میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کی اولاد میں سے ایک شخص حاضر ہُوا اور ایک تسبیح بطور نذرانہ آپ کو پیش کی اور کہا کہ اس تسبیح میں چند دانے حضرت گنج شکرؒ کے ذاتی ہیں یہ تسبیح اُسے اپنے بزرگوں سے بطور تبرک ورثہ میں ملی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تسبیح تمھارے نزدیک متبرک ہے اس لئے اسے تم اپنے پاس ہی رکھو، کیونکہ مجھے تو تسبیح کی حاجت ہی نہیں پڑتی۔ پھر آپ نے حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہاتھ میں تسبیح لینا بدعت ہے۔ وہ شخص جو باطن کی تسبیح پڑھتا ہے اسے ظاہر کی تسبیح کی کیا ضرورت ہے۔

اس کتاب میں یہ بھی درج ہے کہ ایک شخص نے آپ سے استفسار کیا کہ اگر کسی شخص کو حالتِ سماع میں بے خودی طاری ہو جائے تو کیا ہوش آنے پر اس کا سابقہ وضو باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور کیا بغیر تجدید وضو کے اس کی نماز ہو جاتی ہے۔؟ آپ نے فرمایا کہ اس سوال کا جواب رشحات میں لکھا ہے کہ ایک پختہ کار عالم دین حضرت شیخ خادم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا۔ آپ شیخ مودودؒ کے عقیدت مندوں میں سے تھے اور لوگ آپ کو اپنا رہنما تسلیم کرتے تھے۔ تو اس شخص نے حضرت خادم سے سوال کیا اور کہا کہ اہلِ رقص و سماع کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک تو یہ کہ کیا وجد کی حالت میں یہ حضرات شعور میں ہوتے ہیں یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اگر وہ باشعور ہوتے ہیں تو پھر رقص جیسا گھناؤنا فعل کیوں کرتے ہیں۔

اور اگر شعور میں نہیں ہوتے تو پھر بے شعوری سے افاقہ پر بغیر تجدید وضو نماز ادا کرنا اس سے بھی مکروہ فعل ہے۔ اس عالم دین کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ وضو ٹوٹنے کا ایک سبب یہ ہے کہ انسان کی عقل زائل ہو جائے جیسے کہ پاگلوں

کی حالت ہوجاتی ہے اور دوسرا یہ کہ عقل زائل تو نہ ہو لیکن کچھ دیر کے لئے مستور ہوجائے۔

صوفیا پر جو وجد طاری ہوتا ہے اس میں نہ تو ان کی عقل زائل ہوتی ہے اور نہ ہی مستور۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ انسان کی عقل پر وجد کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی پیدا اور عطا کردہ عقل کل کا قبضہ اور قابو ہوجاتا ہے اور انسان کی جسمانی شاہی پر عقل کل حاکم اور غالب ہوجایا کرتی ہے اور عقل کلی کی تو اتنی طاقت ہے کہ وہ ایک عالم کا نظم ونسق چلاسکتی ہے چہ جائیکہ ایک بدن کا نظام چلائے۔ تو جسم جب عقل کلی کی حمایت اور حفظ میں ہوتا ہے۔ وضو توڑنے والی کوئی چیز وہاں موجود نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ کہنا کہ یہ حالت ناقص وضو یعنی وضو توڑنے والی ہے غلط ہے۔ کیونکہ اس وقت طالب حق لوازم بشریت سے بالکل خارج ہوجاتا ہے اس لئے تجدید وضو کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

آپ نے "رشحات" کی یہ عبارت پڑھی تو سائل مکمل طور پر مطمئن ہوگیا۔ آپ نے فرمایا چونکہ تم خود عالم دین ہو اس لئے حوالہ کتاب کے بغیر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہ آسکتی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب کتاب کے حوالہ سے تم تسلیم کر گئے۔

خلاصۃ الفوائد میں مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ پر اکثر اوقات بے خودی اس حد تک چھاجاتی کہ اپنے قریب ترین خادموں کو بھی نہ پہچانتے۔ البتہ جو شخص مراقبہ میں مشغول ہوتا اس کی طرف بدستور آپ کی توجہ رہتی۔ ایک دفعہ ٹھٹھہ کا ایک شخص محمد شفیع آپ کی زیارت کیلئے حاضر ہوا تو آپ نے اس پر پوری توجہ فرمائی اور خیر و عافیت دریافت کی۔ لیکن چند دنوں کے بعد جب وہ پھر حاضر ہوا تو آپ نے اسکی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی گویا کہ آپ اسے پہچانتے ہی نہیں وہ شخص آپ کے سلوک سے بے حد حیران ہوا سوچا ممکن ہے کوئی غلطی سرزد ہوگئی ہو۔ لیکن وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچا۔ آخر کار اس نے آپ کے ایک خادم سے یہ صورت حال بیان کی۔ اس نے کہا ممکن ہے کہ تم سے کوئی قصور سرزد ہوا ہو۔ اس نے جواب دیا نہیں بالکل نہیں پھر اس نے کہا ممکن ہے کہ تم نے حضرت کے فرمودہ وظائف میں تساہل کیا ہو۔ اس نے جواب دیا کہ

ہاں! یہ درست ہے۔ مصروفیات کی وجہ سے مَیں شام کے وظائف و اوراد ادا نہیں کر سکا۔
خادم نے کہا کہ اب تم چلے جاؤ اور آپ کے فرمودہ وظائف پر پابندی کرو۔ پھر دوبارہ
حاضر خدمت ہونا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور آپ کے اوراد پر پابندی سے عمل کرنا شروع کر
دیا۔ چند دنوں کے بعد وہ پھر حاضر ہُوا تو آپ نے اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرمائی
اور اس کی خیر و عافیت دریافت کی۔ آپ نے پوچھا کہ اتنے دن تم کہاں چلے گئے تھے۔
حالانکہ وہ بے چارہ روزانہ سلام عرض کرنے آیا کرتا تھا۔ الغرض آپ ذکر و فکر نہ کرنے
والے شخص کو اچھّا نہ سمجھتے تھے اور نہ اسے پہچانتے تھے۔

نواب صاحب نے اپنی مثنوی میں درج کیا ہے کہ ایک بار آپ قبرستان کے
پاس سے گذرے دیکھا کہ ایک پادری یا پنڈت ایک قبر کے سرہانے بیٹھا قبر اکھیڑ رہا
ہے۔ اُس نے اپنا ہاتھ اس مُردہ کے کفن میں ڈالا۔ آپ نے یہ خیال فرمایا کہ غالباً یہ
کوئی کفن چور ہے اس لئے آپ ذرا دور ہٹ کر بیٹھ گئے۔ چھپ کر اُسے دیکھنے
لگے۔ دیکھا کہ اُس نے اپنا لباس مُردہ کو پہنایا اور اس کا کفن خود پہن لیا۔ پھر اس
پادری نے ٹکٹکی لگا کر دیکھا تو مُردہ کے جسم میں حرکت پیدا ہُوئی اور وہ اُٹھ کر بیٹھ
گیا اور پنڈت مر گیا۔ اس زندہ شخص نے اس مُردہ کو قبر میں ڈالا اور پہلے کی طرح
قبر کو ہموار کر دیا اور خود وہاں سے چل پڑا۔ آپ بھی اسکے پیچھے چل پڑے اور غُصّہ
سے اُسے آواز دی کہ تم مجھ سے بھاگ کر نہیں جا سکتے۔ مجھے صحیح طور پر بتلاؤ کہ یہ
معاملہ کیا ہے؟ اُس نے اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھدیا اور عرض کیا آپ جان بخشی
فرمادیں تو میں آپ کو اصل حقیقت عرض کرتا ہُوں آپ نے فرمایا تسلّی رکھو میں تمھیں
کچھ نہیں کہوں گا۔ لیکن تمھیں اصل معاملہ پُوری تفصیل سے بتلانا ہوگا۔ اس نے عرض
کیا کہ میں علم کیمیا، علم سیمیا، علم ریمیا اور ہیمیا کا ماہر ہُوں، میرا بدن بُوڑھا ہوتے
کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی رُوح کو اپنے بُوڑھے جسم سے نکال کر اس نوجوان
مُردہ جسم میں ڈالا تا کہ کچھ عرصہ اچھا گذر سکے۔ اس نے کہا کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو وہ
آپ کو انتہائی عجیب و غریب علوم سکھا سکتا ہے اگرچہ وُہ ہما کیطرح بیش قیمت

پرندہ تھا لیکن اب آپ کے دام میں پھنس چکا ہے۔ اور یہ کہ وہ اگرچہ کائنات کا بادشاہ تھا لیکن اس وقت آپ کا غلام بنا ہوا ہے۔ آپ نے جب اس کی کہانی سنی تو فرمایا کہ جاؤ اور جو کچھ کرنا چاہو کرو مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ آپ کا شکریہ ادا کرکے چلا گیا۔

چند روز بعد وہ شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بندہ آپ سے تخلیہ میں کچھ کہنا چاہتا ہے۔ آپ محفل سے اُٹھ کر تخلیہ میں چلے گئے تو اس نے آپ کی خدمت میں اکسیر (یعنی وہ دوا جس سے گھٹیا چیز کو سونے میں بدلا جاسکتا ہے) کی ایک پوٹلی پیش کی اور عرض کیا کہ خدا کے لئے میرا یہ حقیر سا نذرانہ قبول فرمایئے۔ چونکہ اس کا تحفہ مسترد کرنے سے اس کا دل ملول ہوتا اس لئے آپ نے وہ قبول فرمالیا۔ لیکن کسی ایسی جگہ رکھا کہ پھر کبھی اس پوٹلی کی طرف آپ کا خیال بھی نہ گیا۔

احسن الشمائل میں یہ مذکور ہے کہ ایک منصب دار جس کا نام سعید بیگ تھا، آپ کی خدمت میں باقاعدگی سے حاضری دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ کافی عرصہ تک وہ حاضر نہ ہوا جب آیا تو آپ نے اس سے اس غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ معذرت کرنے لگا کہ حضرت ایک الجھن کی وجہ سے حاضری کی سعادت سے محروم رہا ہے۔ لیکن شرم کے مارے اصل معاملہ آپ کو نہ بتلایا۔ وہ ایک دو گھنٹہ بیٹھا پھر اجازت طلب کرکے چلا گیا۔

اصل صورت یہ تھی کہ وہ شخص ایک جوگی عورت پر عاشق ہو گیا تھا وہ عورت اپنے ہم مذہب افراد کی لیڈر تھی اور بے پناہ عقیدت مند رکھتی تھی۔ ہندوؤں میں ریاضت کے کئی اوٹ پٹانگ طریقے ہوتے ہیں انہیں کے مطابق وہ جوگی عورت بھی سالہا سال تک ایک ٹانگ پر کھڑے رہنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ یہ منصب دار اس پر اس شدت سے عاشق ہوا کہ عقل و ہوش تک نہ رہا۔ اور کافی عرصہ تک اس کو حضرت کی خدمت میں حاضری کا ہوش بھی نہ آیا۔ جب حاضر خدمت ہوا تو آپ نے پوچھا کہ سعید بیگ کیا بات ہے ہمیں اپنی مشکل مجھے کیوں نہیں بتلاتے ممکن ہے، میں تمہارے کچھ کام آسکوں۔ لاچار اس نے پوری حقیقت بیان کردی کہ میری محبوبہ جوگی عورت میری طرف التفات نہیں کرتی۔ آپ نے اُسے تسلی و حوصلہ دلایا۔

آپ کے مخصوص خادم میاں محمد علی کی درخواست پر آپ نے سعید بیگ کے مسئلہ کو حل کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ اس جوگی عورت کے ڈیرے پر پہنچے اس وقت وہ ایک رسی لیے ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی اور تمام ہندو چیلے اس کے گرد بیٹھے تھے۔ آپ بھی وہاں بیٹھ گئے اسی عالم میں آپ کا مرید کہیں سے آگیا اور آپ کی قدمبوسی کی اور چند پھول بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں پیش کئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سب پھول ایک ایک کر کے تمام حاضرین میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ اس نے سب کو ایک ایک پھول دیا۔ جب پھول اس جوگی عورت کو پیش کیا گیا تو اس نے بصد ادائے ناز لینے سے انکار کر دیا۔ آپ نے اسے پھول لینے کا حکم دیا اس نے کہا کہ بعض لوگ پھولوں پر دم کر کے دیتے ہیں۔ جس سے پھول لینے والا مطیع ہو جاتا ہے اس لئے میں نہ لوں گی۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ حسینوں کے اس بادشاہ کی ایک ایک ادا پہ لاکھوں صاحب جمال جان نچھاور کرنے پر تیار ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ اگر پھول نہ لو گی تو باد نسیم کی طرح سرگرداں پھرو گی۔ اور گل لالہ کی طرح تیرے دل میں ایک مستقل داغ بن جائے گا۔ اور تو خود بخود ہی مسلمان ہو جائے گی۔ آپ یہ الفاظ کہہ کر اٹھ آئے اور سعید بیگ بھی در دولت تک آپ کے ہمراہ آیا۔

آپ نے سعید بیگ کو فرمایا کہ کم از کم ایک بار پھر اس عورت کے پاس جانا حسب الارشاد وہ اس جوگی عورت کی طرف گیا وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ عورت جو اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتی تھی اس نے فوراً کلمہ شہادت پڑھ دیا اور سعید بیگ کو کہنے لگی کہ اب جبکہ میں مسلمان ہو چکی ہوں تم جہاں چاہو مجھے لے جاؤ میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ چنانچہ سعید بیگ نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ اس عورت نے اسلام قبول کیا تو اس کے تمام چیلے رام رام کرتے سعید بیگ پر حملہ آور ہو گئے تاکہ اسے جان سے مار ڈالیں۔

آپ کو صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اپنے خدام کو حکم دیا کہ مسلح ہو کر جاؤ اور سعید بیگ کی حفاظت کرو۔ نیز اس شہر شولاپور کے قاضی کو ایک رقعہ لکھا کہ ایک کافر عورت مسلمان ہوئی ہے۔ ہندو اسعید بیگ کو قتل کرنے کے در پے ہیں، جو کہ

میرے عقیدتمندوں میں سے ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیئے کہ آپ کفار کی مزاحمت کرکے اسلام کی امداد کریں۔ قاضی صاحب کو جب آپ کا رقعہ ملا تو وہ خود اس جگہ پہنچے اور جوگی عورت سے پوری تفصیل معلوم کی اس نے کھل کر بیان دیا کہ میں برضا و رغبت مسلمان ہوکر سعید بیگ کے نکاح میں آگئی ہوں اب میرے اسلام سے خار کھا کر یہ ہندو سعید بیگ کی جان کے درپے ہو گئے ہیں۔ قاضی صاحب نے ہندوؤں کو تنبیہہ کی اور یہ عورت اپنے خاوند کے ہمراہ چلی گئی۔ اس عورت کے بطن سے سعید بیگ کا ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جس کا نام حضرت نے جوگی بیگ رکھا۔

خلاصۃ الفوائد میں ہے کہ آپ کا فیض ہر خاص و عام پر بلا کسی طمع کے ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے ایک منشی کو اپنی مہر دیکر اپنے دروازہ پر بٹھا دیا تھا کہ جو شخص بھی آئے خواہ واقف ہو یا ناواقف اور اس کا کام کسی بھی شخص یا کسی بھی دفتر سے متعلق ہو تو اسے سفارشی چٹھی دیکر یہ مہر لگا دیا کرو۔ طریق کار تھا کہ اس طرح کی چٹھی لکھ کر سائل کے حوالہ کرتے اگر حضور کے سرفراز نامہ پر عمل ہو جاتا تو بہتر اور اگر مکتوب الیہ عمل نہ کرتا تو بھی آپ ناراض نہ ہوتے۔ آپ کے پاس دو مہریں تھیں ایک مہر پر یہ موزوں عبارت تھی "ذکر مولٰی از ہمہ اولیٰ" اور دوسری پر درج تھا "رعائت دلہا کوش۔ نظام دین بدنیا مفروش"۔

شجرۃ الانوار میں مذکور ہے کہ آپ کے مزاج میں دنیا سے لاتعلقی اور آزادی پائی جاتی تمام معاملات میں سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کیا کرتے۔ آپ لباس کے معاملہ میں کوئی خاص احتیاط نہیں فرماتے تھے۔ جو لباس بھی مل جاتا پہن لیتے عام طور پر آپ کے لباس کا رنگ خاکی ہوا کرتا اور بالعموم آپ کی قمیص میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ آپ کو قیمتی لباس پسند نہیں تھا اور نہ ہی امیرانہ لباس کی طرف آپ متوجہ ہوتے تھے۔ ابتداء میں آپ کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص نذر و نیاز کے طور پر نقدی یا کپڑا وغیرہ پیش کرتا تو آپ اسے مسترد کر دیتے لیکن جب فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ کو آپ کے اس رویہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کو ایک خط

لکھا کہ اگر کوئی عقیدتمند خلوص کے ساتھ کوئی نذرانہ پیش کرے تو اس کی دلشکنی نہ کیا کرو۔ بلکہ وہ چیز لیکر محتاجوں کو دے دیا کرو۔ کیونکہ حاجت مندوں کی حاجت پوری کرنا ایک احسن فعل ہے۔ چنانچہ شیخ کی اس ہدایت کے بعد آپ مخلصین کی نذر قبول فرما کر غربا میں تقسیم فرمادیا کرتے۔

آپ میں انکساری اس قدر تھی کہ آپ کے پاس چھوٹا بچہ آتا یا ستر سالہ بوڑھا حاضر ہوتا آپ ہر ایک کی تعظیم کے لئے اُٹھ کر ملتے اور اس کے سامنے مؤدبانہ دوزانو ہو کر بیٹھتے۔ آپ مجلس میں کبھی بھی چوکڑی بھر کر نہیں بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کا یہ بھی معمول تھا کہ اگر کوئی شخص فتویٰ یا کوئی علمی استفسار کرتا تو اس کا جواب اپنی طرف سے نہ دیتے بلکہ بزرگوں کی کتابوں سے اس کا جواب دیا کرتے کہ فلاں بزرگ نے اپنی فلاں کتاب میں اس مسئلہ کے بارے میں یوں حکم دیا ہے فلاں عالم کی اس بارے میں یہ رائے ہے۔

آپ کی ذات بابرکات سے دنیا کو جتنا فیض پہنچا ہے اُتنا فیض اس دور میں کسی اور شخصیت سے نہیں پہنچا۔ آپ کے کریمانہ اخلاق اور فضائل کی پوری تفصیل بیان کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ آپ نے روزانہ کے معمولات کو اپنے بزرگوں کی روائت اور طریقے کے مطابق اختیار کر رکھا تھا اور حتی الامکان ان روایات سے روگردانی نہ کرتے۔

آپ کے پانچ صاحبزادے پیدا ہوئے محمد عماد الدینؒ، محمد فخر الدینؒ، غلام معین الدینؒ، غلام بہاؤالدینؒ اور غلام کلیم اللہؒ۔ ان بیٹوں میں سے مولانا محمد فخر الدینؒ کی بیعت آپ نے خود لی تھی سب سے بڑے بیٹے محمد عماد الدینؒ کو خواجہ کامگار خانؒ کی بیعت میں دیا تھا، جو آپ کے خلفاء میں تھے۔ دیگر بیٹوں اور بیٹیوں کی بیعت حضرت مولانا صاحبؒ سے کرائی تھی۔

آپ کا وصال ۱۲ ذیقعد ۱۱۴۲ھ کو ہوا اور ریاست دکن کے شہر اورنگ آباد میں مدفون ہوئے۔

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ تاج الاولین والآخرین محب النبی

حضرت مولانا محمد فخر الدین دہلوی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے فرزند ارجمند اور خلیفۂ اعظم تھے۔ آپکی والدہ کا نام سیّد بیگم تھا جن کا تعلق حضرت خواجہ سیّد محمد گیسو درازؒ کے خاندان سے تھا۔

'خلاصۃ الفوائد' میں مذکور ہے کہ آپ کے تمام خاندان میں مجذوبیّت کا اثر کسی نہ کسی حد تک ہر زمانہ میں موجود رہا یہ اسی جذب کی کیفیّت کا اثر تھا کہ مولانا فخر الدینؒ کے والدِ محترم عرصہ دراز تک اپنے گھر تشریف نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ کو حضرت فخر الدینؒ کا ظہور منظور ہُوا تو آپ گھر تشریف لائے چنانچہ خدا کے فضل سے ۱۱۲۶ھ میں مولانا فخر الدینؒ متولد ہُوئے آپ کا مولد اورنگ آباد تھا۔ جب آپ کی ولادت کی خبر حضرت شیخ کلیم اللہؒ کو ملی تو آپ نے نومولود کا فخر الدین نام تجویز فرمایا اور بچّہ کیلئے اپنا خاص لباس بھجوایا۔ حضرت کلیم اللہؒ نے آپ کے والد کو بشارت دی کہ یہ لڑکا صاحبِ نسبت ہوگا اور جہان آباد میں آکر پُوری دُنیا کو اپنے فیض سے سیراب کرے گا۔

کہتے ہیں کہ ایک دن جب کہ آپ کی عمر صرف سات سال کی تھی آپ کے والد ماجد آرام فرما رہے تھے اور آپ اپنے والد صاحب کے پاؤں مَل رہے تھے۔ اچانک اسی دوران نیند آگئی۔ خواب میں کیا دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم تشریف لائے ہیں اور اپنے دستِ اقدس سے پانچ عدد بُن کے دانے عطا فرمائے (بُن ایک خوشبودار درخت کا پھل ہوتا ہے) نیند سے بیدار ہُوئے فی الواقعہ آپ کے ہاتھ میں بُن کے دانے موجود تھے۔ اسی اثناء میں آپ کے والد صاحب بھی جاگ اُٹھے۔ اُنہیں نورِ معرفت سے مبارک خواب کی اطلاع ہو گئی تھی۔ والدِ گرامی نے فرمایا کہ بیٹا یہ سب پھل خود نہ کھالینا۔ آپ نے یہ دانے والد صاحب کی خدمت

میں پیش کر دیئے۔ دونوں باپ بیٹے نے مل کر یہ پھل کھایا آپ کے والد صاحب اپنے دیگر تمام بیٹوں سے ان کے ساتھ بے پایاں شفقت فرمایا کرتے، انہیں ہمیشہ اپنے سامنے بٹھاتے اور آپ کی نظرِ کرم مسلسل اپنے صاحبزادے پر مرکوز رہتی۔

شجرۃ الانوار میں ہے کہ اُن دنوں اورنگ آباد میں ایک مجذوب کا بڑا شہرہ تھا، جو اکثر اوقات آپ کی زیارت کیلئے آیا کرتا۔ وہ آپ کو اپنی گود میں اُٹھا لیتا اور اپنی مجذوبانہ توجہ ان پر ڈالتا۔ آپ کے والد صاحب نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو مجذوب سے فرمایا کہ ہم آپ کی خصوصی عنایات کے ممنون ہیں لیکن ازراہِ کرم اس بچّہ کو اپنی مجذوبانہ توجہ کا ہدف نہ بنایئے۔ کیونکہ آگے چل کر ہم نے اس سے کئی اہم کام لینے ہیں۔ مجذوب نے آپ کی یہ بات سُنی اور خاموشی سے چلا گیا۔

خلاصۃ الفوائد میں منقول ہے کہ آپ نے والدِ گرامی سے شرح وقایہ، مشارق الانوار، نفحات الانس، طب کی ایک کتاب اور فنِ تیر اندازی کی ایک کتاب پڑھی۔

"شجرۃ الانوار" میں منقول ہے کہ آپ کی عمر سولہ سال تھی جبکہ آپ کے والد صاحب کی رحلت کا وقت آ گیا آپ کے والد صاحب نے اپنے ایک رشتہ دار قاضی کریم الدین کو طلب فرما کر حکم دیا کہ فخر الدین کو فوراً اُن کے پاس لے آؤ۔ قاضی صاحب نے فوری طور پر اُنہیں اُن کے والد صاحب کے سامنے پیش کیا والد گرامی نے اپنے بیٹے کو اپنے سینہ سے لگایا اور کافی دیر آپ سینۂ مبارک سے چمٹے رہے۔ اس اثناء میں والد صاحب نے دین و دُنیا کی تمام نعمتیں اُن کے سپرد کر دیں اور خود اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اس واقعہ کے بعد آپ حصولِ علم پر کمربستہ ہو گئے اور چند سالوں کے اندر ہی علامہ بن گئے حصولِ علم کے زمانہ میں آپ نے تمام نوافل اور وظائف یک قلم موقوف کر دیئے اور صرف، فرض، سنت، نفل اوابین اور حفظ الایمان وغیرہ پڑھا کرتے باقی سارا وقت تحصیلِ علم میں صرف ہوتا۔

علوم سے فراغت کے بعد آپ تین سال تک نظام الدولہ ناصر جنگ اور ہمت

یار جنگ کے ملازم رہے۔ وہاں آپ سپاہیانہ کام اللہ شمشیر زنی کی مشق پر مامور تھے۔ آپ ہمیشہ روزہ سے رہتے اور کبھی بھی ناغہ نہ کرتے۔ اپنے حالات کو پوشیدہ رکھتے اور کسی شخص کو اپنی معرفت و حقیقت سے آشنا نہ کرتے۔ آپ کے حاسدوں اور مخالفوں نے آپ پر طرح طرح کے الزام لگائے، جن سے آپ کے دوستوں اور خیر خواہوں کو بے حد دُکھ ہوُا۔ لیکن آپ ان تمام کیفیات سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مگن رہتے۔

کہتے ہیں کہ ہمت یار خان کو سونا بنانے کا نسخہ معلوم تھا اور اسی وجہ سے وہ اپنے بے شمار ملازموں اور لنگر کا خرچ چلایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے آپ کو تخلیہ میں لیجا کر کہا کہ اُس نے آپ جیسا شریف اور امین آدمی زندگی بھر نہیں دیکھا۔ اگر مناسب ہو تو وہ یہ نسخہ اُنہیں بھی بتلا دے۔ چونکہ آپ کی نظر صرف اللہ پر ہی تھی اور عبادت الٰہی کو ہی اپنا نصب العین سمجھتے تھے اس لئے آپ نے اس کی پیشکش مسترد کر دی۔

"خلاصۃ الفوائد" میں مذکور ہے کہ ایک دن سفر کرتے ہوئے آپ کی ملاقات ایک ہندو سے ہوئی وہ ہندو جادو کے زور پر جو چیز طلب کرتا فوراً اُسے مل جاتی۔ اس نے آپ سے عرض کیا کہ یہ فن میں نے بڑی مشکلوں کے بعد حاصل کیا ہے اگر تمہیں اس علم کو حاصل کرنے کی خواہش ہو تو میرے مکان پر آجانا۔ وہاں میں موکلوں کے ساتھ تمہارا تعارف کرا دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تمام علوم قرآنِ مجید میں موجود ہیں اس لئے مجھے اس کی حاجت نہیں۔ اگرچہ اس سپاہیانہ زندگی میں آپ نے اپنے حال کو دوسرے لوگوں سے بعد مستور اور پوشیدہ رکھا، تاہم لوگوں کو آہستہ آہستہ آپ کے کمالات کا علم ہو گیا اور وہ بکثرت آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اس لئے ان سے کنارہ کشی کی خاطر آپ نے ملازمت چھوڑ دی اور اورنگ آباد میں تشریف لے آئے۔

اورنگ آباد میں آپ کے والد صاحب کے ایک باکمال خلیفہ رہتے تھے۔ اُنہوں نے سابقہ تعلق اور آپ کی خیر خواہی کے طور پر چند نصیحتیں بڑے ادب سے آپ کے گوش گذار کیں۔ لیکن آپ نے اپنی اصل کو چھپاتے ہوئے رندوں کی طرح خلیفہ صاحب سے بات کی اور کہا کہ واقعی مجھ میں کچھ غلطیاں ہوئی ہوں گی۔ لیکن انسان بیچارہ غلطیوں

سے پوری طرح کیسے محفوظ رہ سکتا ہے آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور غلط راستے سے محفوظ رکھے۔

کچھ دیر کے بعد آپ کے دل میں ایک خیال آیا تو آپ نے اُسکی نسبت باطنی طور پر معنوی قوت سے سلب فرمالی۔ چونکہ خلیفہ صاحب بھی اس خاندان کی نعمت سے درجۂ کمال پر پہنچے ہوئے تھے۔ اُنہیں جب آپ کے اس عمل کا علم ہوا تو آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ کہ حضرت میرا مقصد ان نصیحتوں سے صرف آپ کی خیر خواہی تھا خدا کا شکر ہے کہ جیسا میں چاہتا تھا اسی طرح آپ کو پایا ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ سب آپ کے والد گرامی کا عطا کردہ ہے بلکہ آپ کا عطا کردہ ہے۔ اس معذرت پر آپ نے اُن کی مطلوبہ نسبت واپس کر دی۔ اس واقعہ کی وجہ سے آپکی شہرت عام ہوگئی۔ (شجرۃ الانوار و خلاصۃ الفوائد) میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد آپ نے اپنے والد صاحب کی درگاہ شریف پر ڈیرہ لگا لیا۔ صبح سے دوپہر تک روضہ شریف کے دالان میں بیٹھا کرتے اور لوگوں کو اپنے فیض سے بہرہ ور کرتے اور خود مزار مبارک کے انوار سے مستفیض ہوتے رہتے۔ جب شہرت پورے علاقہ میں پھیل گئی تو آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ یہاں سے جہاں آباد چلے جانا چاہیئے۔ کیونکہ حضرت شیخ کا حکم بھی یہی تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ والد گرامی کے مزار کو کس کے حوالے کیا جائے، تو آپ نے رات کو دیکھا کہ آپ کے والد گرامی یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ ؎

شہ اقلیم فقرم بے خودی تخت روان من!
نہ چون فرہاد مزدورم نہ چوں مجنون زمیندارم

(میں فقر کی ولایت کا بادشاہ ہوں۔ میرا بے خودی والا تخت محو پرواز ہے۔ نہ میں فرہاد کی مزدوری کا طالب ہوں اور نہ مجنوں جیسا زمیندار ہوں۔)

اس شعر سے آپ نے یہ مفہوم لیا کہ مجھے یہاں سے چلے جانے کی اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ آپ جہاں آباد تشریف لائے۔

(شجرۃ الانوار اور نواب صاحب کی مثنوی) میں مذکور ہے کہ جب آپ کے کمالات

سے پردہ اُٹھ گیا اور آپ نے لوگوں کو اپنے نورِ فیض سے منوّر کرنا شروع کر دیا تو آپ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اب کہیں اور چلے جائیں کہ یہاں شہرت مل گئی ہے جو سلوک کے لئے مضر ہوتی ہے۔ اسی اثناء میں آپ ایک دن نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ کے کانوں میں یہ مصرعہ سُنائی دیا۔ ع بند بگسل، باش آزاد اے پسر۔ (بیٹا یہ بندش توڑ کر آزادی اختیار کر۔) اسی طرح خواجہ بزرگ حضرت معین الدّین حسن سجزیؒ کیطرف سے بھی آپ کو لطیف اشارہ ہُوا۔

آپ نے ایک غلام حبشی قاسم اور ایک نوکر محمد حیات کو ساتھ لیا اور دہلی کی طرف روانہ ہو پڑے۔ اجمیر شریف پہنچنے تک آپ جس جگہ بھی پڑاؤ کرتے وہیں آپ سے خوارقِ عادات کا ظہور ہوتا۔ چنانچہ دورانِ سفر ہی ایک جگہ آپ کا پڑاؤ تھا کہ ایک نابینا ہندو عورت آئی اور اس نے آواز دی کہ تم میں فخر الدّین کی ذات والاصفات کون ہیں؟

گفت ہاں کیست نام فخر الدّین

کامد اکنوں دریں خجستہ زمیں! (مثنوی نواب صاحب)

آپ اس معذور عورت پر ترس کھاتے ہوئے فوراً اُٹھے اور کہا کہ میں ہوں فرمایئے، میرے لائق کیا حکم ہے؟ اس نے آپ کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور بڑی عاجزی سے التجا کرنے لگی کہ میں آپ کے ہاتھ اُس وقت تک نہ چھوڑوں گی جب تک آپ میری آنکھوں کو روشنی عطا نہیں فرما دیتے۔ آپ نے فرمایا مائی! میں تو ایک مسافر ہوں تمھیں کسی نے غلط بتلایا ہے کہ میں تمھاری آنکھیں روشن کر سکتا ہوں جس نے تمھیں بتلایا ہے اُس نے تمھارے ساتھ جھوٹ بولا ہے۔ وہ کہنے لگی جس نے مجھے بتلایا ہے وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔ آپ نے پوچھا تمھیں کس نے بتلایا ہے؟ اور وہ کہاں رہتا ہے؟ نابینا عورت کہنے لگی کہ نزدیک جو مندر ہے وہاں ایک بُت ہے۔ میں عرصہ دراز تک اس کے سامنے التجا کر رہی تھی کہ دیوتا! مجھے آنکھیں لوٹا دو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ بُت مجھے بتلا رہا ہے کہ مائی تم یہاں بیٹھی رہو۔ تمھاری شفا کا وقت آ پہنچا ہے۔ ایک شخص یہاں آئے گا۔ اس کا نام فخر الدّین ہو گا اور وہ درخت کے نیچے آ کر

ڈیرہ لگائے گا۔ اس کے پاس جاؤ گی تو تمھاری مشکل حل ہو جائے گی۔ چنانچہ میں اپنے دیوتا کی ہدایت پر یہاں آئی ہوں۔ ورنہ مجھے آپ کے نام اور مرتبہ کا کیا علم تھا۔

خواہد چو خدا درخت را پویاند !!
وز سنگ گیاہِ سبز تر رویاند
بنگر در قدرتش میاور شبہات
گاہے صنم از صنم سخن گویاند

جب آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ اسرارِ الٰہی میں سے ہے تو آپ نے اس کے اصرار پر اپنے دونوں ہاتھ اس کی آنکھوں پر رگڑے۔ وہ عورت بینا ہوگئی۔ مگر آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس واقعہ کا ذکر آگے کسی سے نہ کرنا۔ مگر انہوں نے چند لوگوں کو اس کی خبر پہنچادی جس سے آپ کو افسوس ہوا۔

الغرض آپ منازل طے کرتے کرتے آخر کار اجمیر شریف پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ بزرگ معین الدین قدس سرہٗ کی روحِ پُر فتوح سے بے شمار فیوض و انوار حاصل کئے۔ ان فوائد حاصل کرنے کے بعد آپ دہلی کی طرف چل پڑے۔ یہ واقعہ ۱۱۶۲ھ کا ہے۔

بود سالے کہ فرخ و میموں !
شصت و دو بر ہزار صد افزوں
فخر دیں با قدوم سعد و سعید
دہلیٔ کہنہ را نوی بخشید !
کرد آں سرد مک درو چو وطن !
گشت دہلی چو چشم ما روشن !

(مثنوی نواب صاحب)

وہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی، حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین احمد بدایونی اور حضرت فانی فی اللہ شیخ

کلیم اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات کی زیارت سے بہرہ ور ہوئے پھر دہلی ہی میں کٹرہ پھوپیل میں ایک مکان کرایہ پر حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے" (جیسا کہ شجرۃ الانوار اور مثنوی نواب غازی الدین میں لکھا گیا ہے)

مشہور ہے کہ آپ کے دہلی تشریف لانے سے قبل حضرت احمد سرہندیؒ کے خاندان کے چند نقشبندی افراد نے سلسلہ چشتیہ کے خلاف اعتراضات کا طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔ وہ سلسلہ چشتیہ کو بدنام اور ختم کرنا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے من گھڑت روایات اور جھوٹے اقوال سے ایک رسالہ لکھا جس میں ثابت کیا گیا کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کا تعلق حضرت علیؓ سے ثابت کرنا علمی لحاظ سے غلط ہے ان افراد نے دہلی کے لوگوں کو اپنی باتوں سے متاثر کر لیا تھا کہ اسی دوران آپ دہلی تشریف لائے۔

آپ کو جب ان لوگوں کے رویّہ کی اطلاع دی گئی تو آپ نے سوچا کہ کیا کیا جائے اُن کے پاس اس وقت کوئی کتاب بھی نہ تھی جس کا حوالہ دیکر وہ ان کے خیالات کی تردید کر سکتے۔ اتفاقاً انہی دنوں دہلی کے شاہی خاندان کی ایک شہزادی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر مرید ہو گئی۔ اور اس نے اپنا تمام کتب خانہ آپ کو ہبہ کر دیا۔

آپ چند دن تک اس کتب خانہ سے کتابیں تلاش کر کے موضوع متعلقہ پر تحقیق کرتے رہے بعد ازاں آپ اس گروہ کے ایک معتبر شخص کے پاس تشریف لے گئے آپ نے اس کے پاس رسمی طور پر کتابیں پڑھنی شروع کر دیں تاکہ انہیں یقین ہو جائے کہ یہ شخص فی الحقیقت حصولِ علم کا مشتاق ہے چند دن کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے آپ کے گروہ کی طرف سے تصنیف کردہ رسالہ پڑھنے کی بڑی آرزو ہے۔ اُنہوں نے سوچا کہ یہ شخص صاحبِ علم و اثر ہے یہ دکن میں جا کر یقیناً ہمارے نظریات کی تشہیر کرے گا اور ہمارے موقف کو شہرت نصیب ہو گی۔ لہٰذا اُنہوں نے وہ رسالہ آپ کو پڑھانا شروع کر دیا آپ نے اس رسالہ کی ایک ایک سطر کی تردید احادیث نبوی اور اقوال مجتہدین سے کر کے اس کے جواب میں ایک رسالہ لکھا۔

اس رسالہ میں آپ نے ثابت کیا کہ خواجہ حسن بصریؒ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے براہِ راست خلافت ملی تھی اور خواجہ حسن بصریؒ نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا اور یہ اُمّ سلمہؓ کے رضائی بیٹے تھے۔ آپ نے اپنے موقف کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحیح احادیث سے ثابت کیا۔ اور اس رسالہ کا نام فخر الحسن رکھا۔

رسالہ کا یہ اثر ہُوا کہ مخالف گروہ نے جو غلط خیالات پھیلا رکھے تھے لوگ ان سے بدظن ہو گئے اور آپ کو شہرت نصیب ہوتی چلی گئی۔ مخالفین کا وہ گروہ جس نے غلط نظریات کا پرچار شروع کر رکھا تھا، بالکل ختم ہو گیا۔

"شجرۃ الانوار" میں مذکور ہے کہ اس کے بعد آپ نے اجمیری دروازہ سے باہر نواب غازی الدین کے چھوٹے سے مدرسہ میں تدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ یہ درس کا سلسلہ اس قدر قبول ہُوا کہ بے شمار لوگ اس سے مستفیض ہونے کے لئے آنے لگے اور آپ کو وہاں کے علمی حلقوں میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔

آپ کی عادت مبارک تھی کہ اگر کوئی شخص مسلسل آپ کی خدمت میں حاضری دیتا اور پھر وہ کسی وجہ سے نہ آسکتا تو آپ خود اس کے متعلق خُدام سے دریافت فرماتے۔ حتیٰ کہ ایک خاکروب جس کا نام پیرا تھا اور وہ صفائی وغیرہ کیا کرتا۔ وہ کسی وجہ سے چند دن نہ آسکا اور اپنی جگہ کام کرنے کیلئے کسی اور شخص کو بھیج دیا۔ آپ کو دو تین دن پیر محمد نظر نہ آیا تو اپنے ساتھیوں سے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو چند دن سے بیمار ہے۔ جونہی آپ نے یہ خبر سُنی تو آپ فی الفور بنفس نفیس وہاں تشریف لے گئے۔ اس کی مزاج پرسی وعیادت کی اور کچھ نقدی بطور امداد عطا کی۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے سیّد محمد کو حکم دیا کہ اس کا علاج میرے خصوصی معالج حکیم میر حسین سے کراؤ۔ ادھر حکیم صاحب کو تاکید فرمائی کہ اس کا علاج پوری توجہ سے کریں۔ آپ نے فرمایا میاں پیر محمدؐ! مجھے یہ قطعاً معلوم نہیں تھا کہ تم بیمار ہو ورنہ پہلے تمہارے پاس آتا۔ میری اس دیر کی آمد پہ معاف کر دینا۔ (سبحان اللہ وبحمدہ)

اسی کتاب میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ اپنے مشائخ کے مزارات کی حفاظت اور آرائش اور مدرسہ کے طالب علموں اور محتاجوں پر ہزاروں روپے صرف کرتے ایک بار صوبیدار کشمیر نے ایک ہزار روپیہ کی خطیر رقم کشمیر سے کسی آدمی کے ہاتھ آپ کے لئے ارسال کی لیکن وہ شخص بجائے اس کے کہ رقم پہنچاتا خود ہضم کر گیا اور وہ خط جو اس رقم کے ہمراہ تھا وہ بھی آپ کے حوالہ نہ کیا۔ جب اس رقم بھیجنے والے کا دوسرا خط آپکو ملا تو آپ کو پتہ چلا کہ رقم تو قاصد کھا گیا ہے۔ مگر آپ کی بلند حوصلگی کہ آپ نے اس کا کسی سے ذکر بھی نہ فرمایا۔ یہی فرمایا کہ اس کی قسمت تھی اس نے لے لی۔ اب میں اسے کیا کہوں۔

کہتے ہیں کہ آپ کے ایک خلیفہ حاجی محمد واصلؒ مکہ سے حج کر کے واپسی پر دکن آئے۔ حاجی صاحب کو دکن میں آپ کے کسی مرید نے کچھ رقم دی کہ یہ رقم بطور نذرانہ حضرت کے پیش کر دینا۔ راستہ میں ایک منزل پر محفل سماع منعقد ہوئی حاجی واصل صاحبؒ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے وہ تمام رقم قوالوں میں تقسیم کر دی بعد میں جب حضرت مولانا صاحبؒ کی خدمت میں آئے تو اس واقعہ کا حضرت صاحبؒ سے ذکر کیا۔ آپ بے حد مسرور اور خوش ہوئے اور فرمایا میں تم پر قربان جاؤں۔ تم نے تو مجھ پر بہت بڑا احسان کیا کہ اس بار گراں سے نجات دلا دی۔ اور یہ شعر فرمایا۔

سر بر راہ تو فدا شد چہ بجا شد
ایں بار گراں بود ادا شد چہ بجا شد

آپ کا یہ وطیرہ تھا کہ آپ دنیاوی معاملات کیطرف کوئی خاص توجہ نہیں دیا کرتے تھے۔ آپ کے مریدین میں سے کئی امراء اور دولت مند آپ کی خدمت میں نذرانے پیش کرتے لیکن آپ انہیں قبول نہ فرماتے۔ اگر کوئی شخص زیادہ اصرار کرتا تو آپ فرماتے کہ کیا تمہیں میرا یہاں قیام کرنا ناگوار ہے۔ اگر تم نے اس بات پر مجبور کیا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ اگر آپ شہر سے باہر تشریف لے جاتے تو بہت سے خدام آپ کے ساتھ ہوتے لیکن جب شہر کے اندر ہی کسی کے ہاں جانا ہوتا تو صرف دو خادموں کے ہمراہ جایا کرتے اگر بادشاہ وقت آپ سے قدمبوسی کی اجازت طلب کر بھیجتا تو آپ

از راہِ اخلاقِ محمدیؐ خود ہی اس کے پاس چلے جاتے اور شہرتِ عامہ سے بچنے کے لئے اسے اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیتے۔

آپ کو لوگوں کا دل رکھنے کے لئے ایک ہی دن میں کئی کئی لوگوں کے گھروں میں جانا پڑتا۔ گھر والے جتنے بھی کھانا پکاتے آپ ہر گھر میں سے ایک دو لقمہ ضرور تناول فرماتے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو (جیسا کہ شجرۃ الانوار میں ہے) نواب غازی الدینؒ نے اپنی مثنوی میں آپ کے کریمانہ اخلاق کے متعلق لکھا ہے:

"آپ کی عادات و خصائل انتہائی عمدہ تھیں اور ان میں لغویات کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ آپ ہر شخص کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آتے چھوٹا ہو یا بڑا آپ سلام کہنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ آپ جب مجلس میں بیٹھتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ایک بھائی اپنے بھائیوں میں بے تکلفی سے بیٹھا ہوا ہے۔ جو بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوتا آپ اٹھ کر ملتے اور بڑی محبت سے اس کے ساتھ گفتگو کرتے۔

آپ اتنے سادہ تھے کہ اپنے ذاتی کاموں کے لئے کسی دوسرے کو حکم نہ فرماتے بلکہ اپنے ہاتھوں سے ہی اپنا کام کرتے۔ آپؒ نے زندگی میں کبھی کسی کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کی اور ہمیشہ دکھی اور مصیبت زدہ لوگوں کے غمگسار رہے۔ آپ کے تمام ارشادات رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے مزین ہوتے اور سنتِ نبوی سے باہر قدم نہ نکلنے دیتے۔

آپ کی اتنی بے شمار کرامات ہیں کہ اگر میں پوری زندگی ان کی تفصیل لکھنے میں خرچ کردوں پھر بھی ان تمام کا احاطہ نہیں کرسکوں گا۔ البتہ بزرگوں کی کتب کے حوالہ سے کرامات کا ذکر کرتا ہوں۔ تاکہ سلسلہ چشتیہ کے متعلقین ان سے مستفیض ہوں۔"

مثنوی میں مذکور ہے کہ قاضی ضیاء محمد سونی پتی سخت بیمار پڑ گئے۔ سات ماہ بیمار رہے اور ان کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ اس نے سوچا کہ مر تو جانا ہی ہے کیوں نہ جان حضرت والا کے قدموں میں نکلے؟ چنانچہ انہوں نے دو آدمیوں کو کہا کہ مجھے اٹھا لو اور حضرت کی خدمت میں پہنچا دو۔ چونکہ یہ سخت کمزور ہو چکا تھا اور چلنے پھرنے کی

طاقت ختم ہو چکی تھی، ان دو اشخاص نے اسے اپنے کندھوں پر اُٹھایا اور فخر الاولیاءؒ کے قدموں میں لا ڈالا۔ آپ نے اسکی حالت دیکھی تو بڑا ترس آیا۔ سینے سے لگایا۔ قدرتِ خداوندی کہ اسے اُسی وقت شفاءِ کلی نصیب ہو گئی اور جسم میں فی الفور اتنی طاقت آگئی گویا کہ وہ پہلے بیمار ہی نہ تھا۔

"شجرۃ الانوار" میں لکھا ہے کہ ایک بار دس افغانی گلی میں چکر لگاتے اور یہ کہتے تھے کہ ہم اس بدعتی شخص کو قتل کر دیں گے۔ آپ کے خدام نے یہ بات آپ کے گوش گذار کی کہ حضرت! آپ باہر تنہا تشریف نہ لیجایا کیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی! ہم تو تقدیر الٰہی اور رضا خداوندی کے تابع ہیں۔ اس لئے اس قدر احتیاط کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ ایک دن آپ خواجہ قطب الاقطابؒ کے عرس شریف کے موقع پر ایک محفل سماع میں تشریف فرما تھے۔ قوالوں نے جب محفل کو نقطۂ عروج پر جا پہنچایا تو خلفاء پر وجد طاری ہو گیا۔ وہ دس اشخاص قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی دیوار پر درگاہ کے بائیں جانب بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور اپنے ہاتھوں میں ننگے چھرے لئے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے کہ دیکھو ان کے مرید کس طرح رقص میں مصروف ہیں۔

سید بدیع الدین جو آپ کے مقرب مریدوں میں سے تھے، انہوں نے جب صورتِ حال کا جائزہ لیا تو آپ سے عرض کیا کہ حضرت اس قدر تغافل بھی مناسب نہیں۔ اس سے ایک طرف تو ہماری بدنامی اور سبکی ہو گی اور دوسری طرف یہ چشمۂ فیض بند ہو جائے گا۔ آپ نے ایک نگاہ ان لوگوں کی طرف اُٹھائی تو ان میں سے ایک شخص غش کھا کر گر پڑا اور تڑپنے لگا۔ اس کے دوسرے ساتھی اسکی حفاظت کے لئے دوڑ کر اسکی طرف آئے مگر اس نگاہ کا یہ اثر ہُوا کہ وہ تمام کے تمام کپڑے پھاڑ کر رقص کرنے لگے۔ اُنہوں نے اپنے سر آپ کے قدموں میں رکھ کر معافی مانگی۔ توبہ کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی!

نگاہت دشمناں را دوست کردہ
اثرہا در رگ و در پوست کردہ

(آپ کی نگاہوں میں تو یہ اثر تاثیر ہے کہ وہ سیدھی دل میں اُتر جاتی ہے اور دشمنوں کو دوستوں میں تبدیل کر دیتی ہے۔)

اسی کتاب میں ہے کہ سلطان المشائخؒ کی درگاہ میں ایک بار محفل سماع قائم تھی اور فخر الملت والدینؒ کے تمام خدام وجد کی حالت میں تھے۔ اس دوران دو مسلح شخص مجلس میں آئے۔ مولوی عبداللہ صاحب جو کہ آپ کے خاص مرید تھے۔ اُن کے رقص کو دیکھ کر وہ اجنبی استہزا کے طریق سے کہنے لگے کہ دیکھو یہ خسرہ کس طرح رقص کر رہا ہے؟ ان کی یہ بات سن کر آپ نے اُن کی طرف نگاہ اُٹھائی جس کا یہ اثر ہُوا کہ وہ دونوں رقص کرنے لگے اور وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ آپ نے ہتھیار اور لباس قوالوں کے سپرد کر دیئے اور اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھکر بیعت کے طالب ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کیا بیعت کرو گے۔ تم تو صوفیاء کو خسرے کہتے ہو۔ اُنہوں نے رو رو کر معافی طلب کی اور دل کی گہرائیوں سے آپ کے مرید ہو گئے۔ آپنے اپنی گرہ سے قوالوں کو رقم عطا فرمائی اور ان سے ہتھیار لیکر ان دونوں شخصوں کے حوالے کر دیئے۔

ایک اور شخص کو بڑا دعوی تھا کہ آپ کا تصرف مجھ پر قطعاً نہیں چل سکتا۔ آپ اگرچہ ان چیزوں سے کنارہ کش ہی رہتے تھے، لیکن شاید یہ امر الہٰی تھا کہ آپ نے اس شخص پر نگاہ ڈالی تو آنکھوں، ناک، اور کانوں سے خون جاری ہو گیا۔ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بعد ازاں وہ توبہ کر کے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔

این نگاہیست کہ از سطح فلک در گذرد
پردۂ دل چہ بود پردۂ افلاک درد

(یہ نگاہ تو وہ نگاہ ہے جو آسمان کو بھی عبور کر سکتی ہے۔ تم دل کی کیا بات کرتے ہو۔ وہ تو آسمان کے پردے بھی چیر کر رکھ دیتی ہے۔)

کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت سلطان المشائخؒ کے عرس کی تقریب میں محفل سماع منعقد تھی۔ جب یہ محفل اپنے شباب پر پہنچی تو ایک نوخیز نوجوان پر وجد کی شدید کیفیت طاری ہو گئی۔ اتفاقاً اس عالم میں کسی وجہ سے قوالوں کو محفل سماع ختم کرنی پڑ گئی

لیکن وہ نوجوان جو وجد کی کیفیت میں تھا اس کی روح قالبِ انسانی سے پرواز کر گئی۔ لوگوں نے اس کی نبض دیکھی تو وہ بالکل ساکت تھی اور جسم کے دوسرے حصوں میں سے بھی کسی حصہ میں زندگی کی کوئی علامت موجود نہ تھی۔ اس نوجوان کے والدین کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ بے چارے روتے دھوتے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت ہمارا تو فقط یہی ایک ہی بیٹا تھا اور اب وہ بھی اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ آپ نے انہیں حوصلہ دلایا کہ فکر نہ کرو، یہ زندہ ہے۔ لیکن ان غمزدہ والدین کی کیسے تسلی ہوتی۔ جب ان کی گریہ زاری حد سے بڑھ گئی تو آپ نے حکم دیا کہ قوالوں کو بلاؤ۔ چنانچہ تعمیل ارشاد ہوئی۔ پھر آپ نے قوالوں کو دوبارہ محفلِ سماع بدستور سابق کرنے کا حکم دیا۔ محفل سماع کا یہ اثر ہوا کہ اس کا جسم تڑپا اور اس میں حرکت رونما ہوئی۔ آپ خود اس کے پاس بیٹھ گئے اس کا نام لیکر بلاتے کبھی اس کا سر پکڑ کر ہلاتے حتیٰ کہ وہ بالکل حواس میں آ گیا اور آپ کا مرید ہو گیا۔

مثنوی اور شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب تھے جن کا نام مولوی مکرم تھا۔ اس کی یہ عادت تھی کہ جہاں محفلِ سماع ہوتی وہاں جا کر اسے بند کرا دیتا اور اہلِ محفل کو تکلیف پہنچاتا۔ لیکن سید خاندان کی محبت کو وہ جزوِ ایمان سمجھتا تھا۔ اس کے اس احتسابی رویہ کے متعلق حضرت مولانا صاحبؒ کے سامنے جب بھی بات چھڑی تو آپ نے یہی فرمایا میں اسے سمجھا دوں گا۔ وہ حقیقت میں عمدہ اور اچھا انسان ہے۔ عرس کے موقعہ پر محفل سماع گرم تھی کہ وہی مولوی اپنے چند چیلوں کو لیکر وہاں آ پہنچا۔ خدام نے حضرتؒ کو جا کر عرض کیا کہ وہ احتساب کی غرض سے پہنچ گیا ہے۔

مولوی جب آپ کے نزدیک پہنچا تو آپ نے تصرف کی ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لرزہ براندام ہو گیا۔ بلند آواز میں ایک مستانہ نعرہ لگایا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ کافی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو اپنے فعل سے توبہ کرتے ہوئے آپ کا مرید بن گیا لیکن اس متصرفانہ نگاہ کا اثر بعد میں اس پر موجود رہا۔ راستہ میں گذرتے اگر اس کی نظر آپ پر پڑتی تو مستانہ نعرہ

لگانے لگتا اور لوگوں کو بتلاتا کہ یہی وہ رہزنِ محبوب ہے، جس نے میرا دل لوٹ لیا ہے۔

آپ اس کی یہ بات سُن کر مسکراتے۔ لیکن آپ کی یہ محبوبانہ مسکراہٹ بھی قتل کا کام کرتی ایک دن اس کا بیٹا فوت ہوگیا حضرت والا تعزیت کیلئے اس کے پاس تشریف لے گئے، تو وہ کہنے لگا عجیب تماشا ہے کہ خود ہی قتل کیا اور خود ہی تعزیت کرنے آئے ہو۔

آپ کو اس مولوی صاحب سے ایک خصوصی انس تھا اور وہ بھی آپ کی محبت میں اسقدر مستغرق تھا کہ تمام علوم چھوڑ چھاڑ کر اس نے آپ کی محبت کو ہی اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ ایک دن حضرت صاحبؒ نے اسے فرمایا کہ فلاں طالب علم کو جو بالکل ابتدائی اور چھوٹی کتابیں پڑھتا ہے، "میزان الصرف" پڑھا دیا کرو۔ لیکن خیال رہے کہ اسباق کا ناغہ نہ کرنا اور کتاب کو اوّل سے آخر تک پوری توجہ سے پڑھانا۔ عشق و محبت کے دیوانوں کو بھلا علم سے کیا کام! تاہم اس نے حسب الارشاد چند دن تو اس طالب کو سبق دیا۔ ایک دن اس طالب علم نے سوال کیا کہ یہ جو ہم کتاب میں روزانہ "ضَرَبَ زَیدٌ عَمرًا" کہ زید نے عمر کو مار دیا پڑھتے ہیں آخر یہ زید تھا کون؟ اور وہ عمرو کے پیچھے کیوں پڑ گیا تھا مولوی صاحب جو اس قضیہ سے پہلے ہی تنگ آیا ہوا تھا کہنے لگا کہ زید، عمر، میں تو فلاں اور فلاں یہ سب لغویات ہیں یہ کہا، کتاب طالب علم کے منہ پر ماری، معلمانہ پگڑی اتار زمین پر پھینکی اور نالہ و فریاد کرتے ہوئے رقص کرنے لگا۔ خدام نے حضرتِ والا کو صورتِ حال بتلائی تو آپ نے ہنس کر فرمایا کہ جاؤ اس کو پکڑ کر میرے پاس لاؤ چنانچہ جب پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا مولوی تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے فرمان کے مطابق میں نے دو تین دن تو سبق پڑھایا اور یوں محسوس کیا کہ میں کسی پنجرہ میں قید ہو گیا ہوں۔ جونہی تدریس کے شغل کو چھوڑا ہے تو آزادی محسوس کر رہا ہوں۔

آپ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ بے چارہ مجبور و معذور ہے۔ (شجرۃ الانوار)

"خلاصۃ الفوائد" میں لکھا ہے کہ حضرت قبلہ عالمؒ فرماتے تھے کہ چند افراد نے اجمیر شریف میں حضرت خواجہ بزرگؒ کے عرس شریف کے موقعہ پر حضرت فخر الدینؒ کو مزارِ مبارک کے گرد طواف کرتے دیکھا۔ لیکن یہی لوگ جب دہلی گئے اور آپ کی خدمت میں بھی جا

کر حاضری دی تو عرض کیا کہ حضرت ہم نے آپ کو وہاں اجمیر شریف میں مزارِ مبارک پر طواف کرتے دیکھا تھا۔ آپ نے فرمایا۔نہیں تمھیں وہم ہوا ہوگا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔

کہتے ہیں کہ جب نواب غازی الدین خاں نے بادشاہ عالم گیر کی آنکھیں نکلوادیں تو چند یوم روپوش رہنے کے بعد ایک رات آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے جرم کی معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا کہ تمھارا جرم بے حد سنگین ہے۔ اسکی معافی آسانی کے ساتھ نہیں ہوسکتی۔ اگر معافی کے طالب ہو تو یہاں سے ہجرت کرکے پہلے مکہ مکرمہ جاکر فریضہ حج ادا کرو۔ اس کے بعد مدینہ منورہ جاکر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے روضہ اقدس کی زیارت کرو اور پھر حضرت میاں صاحب یعنی حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمتِ عالیہ میں جاکر قیام کرو تو ممکن ہے کہ اُن کی محبّت سے تمھارا قصور معاف ہوجائے۔

نواب نے عرض کیا کہ اتنا طویل سفر وہ کیسے کرسکتا ہے۔ اس کے پاس سواری ہے اور نہ ہی زادِ راہ۔ آپ نے فرمایا جو تھوڑا بہت پاس ہے اسی پر اکتفا کرو اور روانہ ہوجاؤ۔ اگر دورانِ سفر رقم کی ضرورت پڑے تو ہم حاضر ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب اللہ پر توکل کرکے اس طویل سفر پر نکل پڑے۔ بڑی مشکل کے بعد وہ حرمین شریفین پہنچے۔ وہاں مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کی اور مدینہ منورہ میں روضۂ اقدس کی زیارت کی۔ مگر بالکل تہی دست تھے اور خرچ کرنے کیلئے کچھ بھی پاس نہ تھا۔

اسی فاقہ کشی کے عالم میں انہوں نے ایک دن کہا کہ میرے شیخ! مجھے آپ کے وعدۂ صادق پر پورا بھروسہ ہے۔ اب دیکھیئے کہ میری حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہوچکی ہے کہ میری جیب میں ایک پیسہ تک بھی نہیں اور میں فاقہ کشی پر مجبور ہوں۔ اسی حالت میں اسے نیند آگئی تو خواب میں حضرت فخر الدینؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے اُسے فرمایا کہ میں تمھاری حالت سے مکمل طور پر باخبر ہوں۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو آپ کی زیارت پر بے حد مسرور تھا۔

صبح ہوئی تو بادشاہِ روم کے مختار کو نواب موصوف کی آمد کا علم ہوا اور اس

نے آپکی خدمت میں بہت سی رقم حاضر کی نیز بہت اصرار کیا کہ جب تک یہاں ہیں آپ میرے ہاں ہی کھانا کھائیں اور یہیں ٹھہریں۔

نواب نے شاہِ روم کی پیش کردہ دولت کو غیبی فتوح سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کیا اور یہ سب کچھ مرشد کا کرم اور عنایت سمجھتے ہوئے مرشد کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔

در کعبہ بجز جلوۂ دلدار ندیدم
در بت کدہ جز صورتِ آں یار ندیدم

(دیر و حرم میں جہاں کہیں بھی گیا مجھے تو وہاں اپنے محبوب کی تصویر اور اس کا جلوہ ہی نظر آیا۔)

"شجرۃ الانوار" میں لکھا ہے کہ لوگوں کو بکثرت انعام و اکرام دینے اور لنگر کے گراں بہا اخراجات کی وجہ سے آپکی آخری بیماری میں آپ پر قرضہ ہو گیا تو آپ کا باورچی سید احمد چند قرض خواہوں کو لے کر لنگر کے مہتمم مولوی عظمت اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ! یہ قرض خواہ بڑا تنگ کرتے ہیں۔ کیا کیا جائے؟ جبکہ حضرت صاحب کی تکلیف کی وجہ سے ہمیں اپنا بھی ہوش نہیں۔ مولوی عظمت اللہ مہتمم باورچی خانہ نے کہا کہ جب حضرت والا صحت یاب ہوں گے تو صورتِ حال ان کے گوش گذار کی جائے گی۔ ابھی ان کے مابین یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ کا خصوصی خادم میر کلوان کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں حضرتِ والا یاد فرما رہے ہیں چنانچہ وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ جو قرض خواہ تم سے رقم کا مطالبہ کرے تو میری طرف سے میرے نام کی مہر لگا کر انہیں اشٹام لکھ دینا کہ ان شاء اللہ کل صبح یا شام تک تمہیں تمہاری رقم لازماً مل جائے گی۔

اتفاقاً اسی روز ایک شخص مسمی شیدیہ مرٹیہ نے آپ کی خدمت میں گیارہ سو روپے نذرانہ بھیجا۔ اور خلاصۃ الفوائد میں ہے کہ کسی ہندو نے دکن سے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں مبلغ دو ہزار ایک سو روپے کی خطیر رقم بھیجی۔ جب یہ رقم آپ کی

خدمت میں پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ ہر قرض خواہ کی ادائیگی کر کے ان کو حوالے تمام لکھ کر دیا تھا واپس لے لیا جائے اور باقی تمام رقم فقراء اور غرباء میں تقسیم کر دی جائے۔ نیز فرمایا کہ اس میں سے تھوڑی سی رقم رکھ لیں کہ کل صبح حضرت خواجہ قطب الدین صاحب رح کی حاضری کے لئے سفر خرچ کے طور پر کام آئے گی۔

وصال سے ایک دن قبل آپ کی زبان پر مثنوی کا یہ شعر بار بار تھا۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بگذارم سراسر جاں شوم

کئی بار آپ نے آنکھیں بند کر کے یہ شعر بھی پڑھا۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود!
لطف تو بے گفتہ ما میشنود

(ہماری تو کوئی حیثیت ہی نہ تھی اور نہ ہی ہم نے تقاضا کیا تھا لیکن آپ کی ذات رحیم نے ہمیں بن مانگے ہی عطا فرما دیا)

آپ کا وصال ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ میں اس وقت ہوا جبکہ رات کا تقریباً ایک پہر گذر چکا تھا۔ آپ نے اللہ اکبر کہا اور اتنی بلند آواز سے کہا کہ اندر اور باہر کے لوگوں نے سنا۔ یہ وہ آخری جملہ تھا جو آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا اور اپنی جان مالکِ حقیقی کے حوالے کر دی۔ آپ کی کل عمر ۷۳ برس تھی۔

آپ کا مزار مبارک دہلی میں حضرت قطب الاقطاب رح کے مزار کے نزدیک خصوصی دروازہ سنگی کے ساتھ مسجد کی دیوار کے قریب ایک کونہ میں موجود ہے، جو لاکھوں افراد کی زیارت گاہ ہے۔ وصال کے بعد شاہ ولی اللہ کے مرید حاجی محمد امین نے آپ کو غسل دیا۔ جب حاجی موصوف غسل دے رہے تھے تو ان کے دل میں یہ خیال گذرا کہ فلاں بزرگ نے شرمگاہ کو دھونے کے موقع پر اپنی آنکھیں کھول لیں تھیں۔ آپ نے بڑے دہشتناک انداز میں غسل دینے والے کو دیکھا اسی طرح پاس ہی نواب بہادر بیگ اور مرزا قطب بخش غم والم کی مجسم تصویر بنے کھڑے تھے، ان کے دل میں بھی اسی طرح کا

خیال پیدا ہوا۔ ان لوگوں کے دل میں جونہی خیال گزرا تو حضرت مولانا صاحبؒ نے اپنی آنکھیں کھول کر حاجی محمد امین کو دیکھا، تو محمد امین فوراً ہی دست بستہ کھڑا ہو کر معافی، معافی، پکارنے لگا۔ اس کے بعد آپ نے ایک آنکھ بند کر کے اور دوسری کھول کر مرزا قطب بخش خان کی طرف دیکھا۔ مرزا موصوف انتہائی خوف زدہ ہو کر باہر کو بھاگے اور وہاں ایک پتھر کی سِل پڑی تھی اُس پر گر گئے۔ (شجرۃ الانوار)

"خلاصتہ الفوائد" میں مذکور ہے کہ ایک دن خلیفہ صاحب خواجہ نور محمد ثانی المعروف نارووالےؒ نے حضرت قبلہ عالمؒ سے عرض کیا کہ کسی شخص نے حضرت مولانا صاحبؒ کی تاریخ وصال "محب النبی ہادی محمد فخر الدینؒ" سے استخراج کی ہے۔ تو حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ "محب النبی" ہی اصل میں آپؒ کا لقب تھا، لیکن اکثر لوگوں کو اس کا پتہ نہیں تھا۔

حضرت فخر الدینؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت چراغ دہلویؒ کے عرس میں شرکت کیلئے گیا تو آپ کے مزار پر حاضری دی۔ وہاں دیکھا کہ حضرت مخدوم رحمتہ اللہ علیہ لنگر کے تبرک میں سے تھوڑا سا مجھے بھی عنایت فرما رہے ہیں نیز انہوں نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ تم "محب النبی" ہو چونکہ یہ لقب مجھے حضرت مخدومؒ کی طرف سے عطا ہوا ہے، اس لئے یہ مجھے بے حد محبوب ہے۔

آپ کے ایک مرید مولانا محمد واصل نے آپ کی تاریخِ وصال "کم بختی ٔ واصل" سے نکالی ہے۔

۳۳

النبی بحر ست شیخ المشائخ، قدوۃ السالکین،
شمس العارفین، محبوب رب العالمین

حضرت خواجہ نور محمد صاحب مہاروی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ جناب فخر الاولین والآخرین محب النبی محمد فخر الدینؒ کے خلیفۂ اعظم اور سجادہ نشین تھے، بچپن میں آپ کا نام "بہبل" تھا جبکہ آپ کے والد کا نام ہندال بن تاتار بن فتح محمد بن محمود بن عزیز تھا۔ آپ مشہور باأثر قوم کھرل سے تعلق رکھتے تھے۔ نور محمد آپ کا نام نہیں بلکہ لقب تھا جو اُنہیں مرشد کی طرف سے عطا ہُوا تھا چونکہ آں جناب قبلۂ حاجات اور کعبۂ مرادات تھے اس لئے خاص وعام میں بے حد مقبول و معروف ہونے کی وجہ سے "قبلۂ عالم" کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ مشہور ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ مسماۃ عاقل خاتون دختر میاں کمال قوم چھڈڑ جب اپنے خاندان کے ساتھ قصبہ چھولرہ میں رہتی تھیں، تو جناب جلال الدینؒ جو مخدوم جہانیاں کے نام سے مشہور ہیں، ان کے خلیفہ شیخ عبداللہ جہانیاں نیکو کارہؒ کے جانشین اور صاحب کمال بزرگ حضرت شیخ فتح محمد دریاؒ اس قصبہ میں تشریف لائے۔ اور موصوف کے خاندان میں قیام فرمایا۔ اتفاقاً فتح محمد دریا صاحبؒ کی نگاہ بی بی عاقل خاتون پر پڑی، جو اُس وقت بہت چھوٹی تھیں۔ ان کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگے۔ اِن کے خاندان والوں نے جب اپنے پیر کو بچّی کی طرف گھورتے دیکھا، تو انہیں بے حد ناگوار گزرا کہ یہ عجیب بزرگ ہیں کہ ایک نوخیز بچّی کی طرف اس طرح گھور کر دیکھے جا رہے ہیں۔ اِن کی ناپسندیدگی کو آپ نے دیکھا تو فرمایا یہ بچّی میری بیٹیوں کی جگہ ہے میں بھلا بُری نظر سے اُسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟

آپ نے فرمایا کہ میری نظر اس کے چہرہ پر نہیں بلکہ اس کے پہلو پر ہے، جس سے ایک گراں بہا موتی جنم لے گا جو آگے چل کر زمانہ کا قطب کہلائے گا۔
ایک اور روایت بھی ہے کہ بی بی عاقل خاتون اپنی ہمجولیوں کے ساتھ جال کے درخت

کے نیچے کھیل رہی تھیں کہ جال کے تنے سے ایک بزرگ نمودار ہوا اُس نے کہا کہ اس بچی کی کوکھ میں ایک انمول موتی جگمگا رہا ہے۔

اس کے بعد موصوفہ کی بہنیں مذاق سے کہتیں کہ ہم چھری کے ساتھ تمہارے پیٹ سے وہ موتی نکالیں گی۔

روایت ہے کہ جب حضرتؒ کے والد جناب ہندال مسماۃ عاقل خاتون کو بیاہ کر گھر لے گئے۔ اور ابھی تھوڑی مدت ہی گذری تھی کہ میاں احمد علیؒ المعروف دودی والا جو ایک مشہور اور عارف بزرگ تھے اور جن کا گھر راوی کے علاقہ کوٹ کمالیہ میں تھا۔ اس گاؤں میں بھی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کا قیام ایک صالح اور نیک شخص میاں محمد مسعود قوم مہار کے مکان پر رہا۔ اِن کی زیارت کے لئے ہزاروں مرد عورت آتے۔ لیکن اِن زائرین میں جب حضرتؒ کی والدہ عاقل خاتون آتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے اور احترام سے اِن کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے۔ ایک دن موصوفہ نے کہا آپ مجھ ناچیز کے لئے اتنی زحمت نہ فرمایا کیجئے۔ تو آپ نے کہا کہ بی بی! میں تمہارے احترام میں تو نہیں کھڑا ہوتا بلکہ میرا یہ ادب و احترام تو اُس قطبِ زمان کے لئے ہے جس کی جھلک آپ کے چہرہ سے مجھے دکھائی دیتی ہے۔

" آپ کی ولادت ۱۴ رمضان ۱۱۴۲ھ میں ہوئی۔"

تاباں جو گشت مہر ز نورِ محمدی! ۔۔۔ پر نور شد سپہر ز نورِ محمدی

نور الٰہ گشت مادرِ گیتی ز مقدمش ۔۔۔ روشن نمود چہر ز نورِ محمدی

(یعنی آپکی تشریف آوری سے پوری کائنات پر نور چھا گیا)

آپ کا بچپن بلکہ شیر خوارگی کی عمر میں یہ معمول تھا کہ دن کو والدہ کا دودھ نہ پیتے بلکہ صرف رات کو ہی پیتے۔ دن کے وقت اگر والدہ کوشش کر کے انہیں دودھ پلانا بھی چاہتیں تو آپ منہ پھیر لیتے اور رونا شروع کر دیتے اتفاقاً اسی مدت میں حضرت میاں احمد علیؒ سابقہ مکان پر تشریف لائے۔ میاں صاحبؒ کی زیارت

کے لئے لوگ بکثرت آنے لگے تو حضرت نور محمدؒ کی دادی اپنے معصوم پوتے کو قدم بوسی اور دعا کے لئے میاں صاحبؒ کے پاس لائیں اور عرض کیا کہ اس بچہ کے لئے کوئی تعویذ عطا فرمائیں۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا یہ خوش قسمت بچہ انشاءاللہ ہر طرح کی مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ یہ عام بچہ نہیں بلکہ یوں سمجھو کہ ایک دُرِ بے نظیر نے تمھارے گھر میں جنم لیا ہے۔ یہ بچہ دینِ محمدیؐ کو دنیا میں پھیلانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس لئے تم بے فکر ہو کر اس بچے کو واپس لے جاؤ۔ اور اس کی خوب حفاظت کرو۔ یہی تو وہ بچہ ہے جو ہماری مشکلات اور دنیا کے مصائب کے دفعیہ کا سبب بنے گا۔ یہ بلند بخت رمضان شریف کی وجہ سے دن کو روزہ دار ہوتا ہے اس لئے اِسے رات کو دودھ پلایا کرو۔

جب آپ کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے قرآن پاک حفظ کرانے کے لئے آپکو میاں مسعود جیو کے مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ معمول کے مطابق میاں احمد علیؒ ایک دن اس حجرہ میں آئے جہاں آپ دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ قرآن پاک پڑھ رہے تھے تو میاں صاحبؒ نے اِن کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ ایک دن آئے گا کہ شاہانِ وقت اس بچے کے سامنے سرِ تسلیم خم کریں گے اور پورا خاندان آپ کی وجہ سے شہرت و وقار حاصل کرے گا۔

آپ کے اُستاد نے میاں صاحبؒ کی یہ بات سُنی تو کہنے لگا۔ آپ ولی ہو کر عجیب بات کر رہے ہیں۔ یہ لڑکا تو ایک عام سے باپ یعنی ہندال کا بیٹا ہے۔ بھلا یہ کیسے اس قدر عروج کو پہنچ سکتا ہے۔ کہ غوثِ زماں بن جائے۔ میاں صاحبؒ نے کہا کہ تمھیں معلوم نہیں۔ یہی وہ لڑکا ہے جس کے ہاتھ میں میری تیری اور ہم سب کی عزت ہے۔ یہ واقعہ اس کتاب کے ناچیز مولف نے اپنے والدِ گرامی سے اور انہوں نے اپنے والد صاحب سے اور انہوں نے اپنی دادی صاحبہ یعنی والدہ حضرت قبلہ عالم صاحبؒ سے سُنا۔

روایت ہے کہ جب حضرتؒ نے قرآن پاک حفظ کر کے دیگر دینی علوم پڑھنے شروع

کئے تو کچھ عرصہ تک وہ یہیں رہے۔ پھر چند مجبوریوں کے سبب یہاں سے ہجرت کر کے مختلف مقامات سے علم حاصل کرتے ہوئے نواب محمود خاں گجرؒ کی عملداری میں ڈیرہ غازی خان میں ایک صاحب سے علم حاصل کرتے رہے وہاں سے آپ میاں اکمل الدین صاحب بیرؒ کی معیت میں حصولِ علم کی خاطر لاہور آئے اور وہاں دونوں حصولِ علم میں مصروف رہے۔ کھانے کا چونکہ کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے دونوں بھیک مانگ کر پیٹ پالا کرتے۔

اتفاق سے ایک سخت تاریک رات میں جبکہ آندھی چل رہی تھی اور بے حد بارش بھی ہو رہی تھی آپ کا قدم ایک گلی سے گذرتے ہوئے پھسل گیا۔ آپ کو اس قابلِ رحم حالت سے سخت دھچکا لگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے مولا! ہمیں اس گداگری کے عذاب سے نجات عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کے بعد آپ کو بھیک مانگنے کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی آپ کے متوسلین کو لاحق ہوئی۔ مصنف نے یہ واقعہ اپنے والد سے اور انہوں نے حضرتؒ کے خلیفہ قاری صبغۃ اللہؒ سے سنکر نقل کیا ہے۔

"خلاصۃ الفوائد" میں لکھا ہے کہ آپ میاں محمد قائم کے ہمراہ حصولِ تعلیم کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کا ساتھی میاں محمد قائمؒ تو پورب کی طرف چلا گیا اور آپ نے مولانا برخوردار صاحبؒ کے پاس "قطبی" کا سبق لینا شروع کیا۔ ان دنوں دہلی میں ایک اور صاحبِ کمال بزرگ قیام فرما تھے جن کا نام میاں فتح محمد تھا۔ آپ کبھی کبھار ان کی خدمت میں بھی جایا کرتے اور ان کے پاس قیام کرتے۔ حضرت قبلۂ عالم صاحبؒ کے پہنچنے کے اندازاً پانچ چھ ماہ بعد حضرت مولانا فخر الدینؒ دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔

"خلاصۃ الفوائد" میں لکھا ہے کہ اسی عرصہ میں آپ بے حد پریشان رہنے لگے۔

وعدۂ وصل چوں رسد نزدیک　　آتشِ شوق تیز تر گردد

(محبوب سے ملنے کا وقت جتنا قریب آتا جاتا ہے۔ عاشق کی آتشِ محبت اتنی ہی تیزی سے بھڑکنے لگتی ہے۔)

ایک دن اسی پریشانی میں آپ مدرسہ کے حوض کے کنارے سو گئے۔ آپ فراقیہ اشعار گنگناتے رہے۔ بھیرہ (خوشاب) کے ایک حافظ مسمی محمد اصلح صاحب بھی حوض کنارے سوتے تھے اور آپس میں شناسائی بھی تھی۔ جب حافظ موصوف نے آپ کی پریشانی دیکھی تو پوچھا۔ بھائی! کیوں پریشان ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ میرا شفیق اُستاد بھی مجھ سے بچھڑ گیا اور وطن بھی چھوٹ گیا۔ اب یہاں جو کچھ میں پڑھ رہا ہوں، اس سے تسکینِ قلب نہیں ہو رہی۔ آپ کی یہ بات سُن کر حافظ مذکور نے کہا ایک بہت بڑے عالم فاضل شخص دکن سے تشریف لائے ہیں اور اُنہوں نے صلائے عام دے رکھی ہے کہ جو مجھ سے پڑھنے کا خواہش مند ہو، وہ میرے پاس آ جائے حافظ صاحب کی یہ بات سُن کر آپ کو کسی حد تک اطمینان ہوا۔ آپ کا ایک ہم سبق قلندر بخش تھا، جو آپ کے ساتھ کافیہ کی تکرار کیا کرتا تھا۔ اس سے دریافت کیا کہ اس کے کھانے کا کیا انتظام ہے اس نے کہا کہ ایک پیرزادہ ہیں، جو دکن سے تشریف لائے ہیں۔ وہی کھانا مہیا کرتے ہیں۔ یہ پیرزادہ بہت مہربان اور اہلِ فضل شخصیت کا حامل ہے۔ اس کی گفتگو سُن کر شوقِ دیدار تیز تر ہو گیا۔ چنانچہ نواب غازی الدین خاں فرماتے ہیں۔

شد زمانیکہ جانش آگاہ حال	طائر شوق حال کشادش بال
گشت پروانہ سوءِ شمع رواں	وجد عاشق کناں و بال فشاں
سوءِ مجمر چو برق حسب پسند	ہجر در راہ وصل راند سمند
چنگ در وعدہ زد دلِ مشتاق	وقت معہود گرد قطع فراق
دستِ نسبت عیاں کشید اورا	جذب حال سوءِ جاں کشید اورا
آمدا و راند از د بر الست	کہ رسید ست بادہ شو سرمست
بانگ زد نالہ دلش یکبار	کہ بروں آئی کامدت دلدار
ملک آورد در کفِ مالک	حق فحمداً لہ علیٰ ذالک

اپنے ساتھی سے جب آپؒ نے یہ ذکر سُنا تو بے تاب ہو کر حضرت مولانا صاحبؒ کے درِ اقدس کی طرف چل پڑے۔ اُن کے مکان پر پہنچے تو وہاں ایک شخص دربان کے طور پر مکان سے باہر بیٹھا تھا۔ پہلے تو آپ نے سوچا کہ بغیر کسی سابقہ واقفیت کے میرا اندر جانا مناسب ہے، لیکن جب دیکھا کہ سینکڑوں افراد اندر آجا رہے ہیں تو آپ چلے گئے۔ اندر جا کر دیکھا کہ ایک سفید چاندنی لگی ہے اور حضرت مولانا صاحبؒ بادشاہوں کی طرح تکیہ لگا کر بیٹھے ہیں۔ دل میں خیال کیا کہ میرے کپڑے تو میلے کچیلے ہیں اور بال پراگندہ ہیں اسلئے اس عظیم شخصیت کے سامنے اِس حالت میں جانا کچھ مناسب دکھائی نہیں دیتا دُعا کی کہ خُدا کرے کہ کوئی سبب حاضری کا بن جائے۔

لیکن جُونہی اُن کی نظر آپ پر پڑی تو خود بلوایا۔ اپنے تخت سے اُٹھے اور بڑے احترام کے ساتھ تخت سے نیچے آکر آپ کو گلے لگالیا۔ ان کی حالت یہ تھی جیسے کوئی بچھڑا ہُوا محبُوب دوبارہ ملے تو عاشق کی حالت ہوتی ہے۔ پھر اُنہوں نے اپنی مسند پر اپنے ساتھ ہی آپ کو بھی بٹھلایا۔ اور پُوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ عرض کیا کہ پاکپتن کے گرد ونواح میں۔ پھر پُوچھا کہ کیا آپ حضرت گنج شکرؒ کی اولاد سے ہو؟ عرض کیا نہیں۔

حضرت مولانا فخر الدّینؒ نے جُونہی پاک پتن کا نام سُنا تو بے حد خُوش ہُوئے۔ اور پُوچھا کہ یہاں کیسے آنا ہُوا؟ عرض کیا پتہ چلا تھا کہ آپ طلباء کو پڑھایا کرتے ہیں میں حصولِ علم کے لئے حاضر ہُوا ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے کہاں پڑھا کرتے تھے ؟ عرض کیا کہ مولانا برخوردار جیوؒ کے پاس۔ فرمایا کہ چونکہ میں نے مُدّت سے درس وتدریس کا سلسلہ موقوف کر رکھا ہے، اِس لئے بہتر ہے کہ تم وہاں جا کر اسباق پڑھ لیا کرو اور میرے پاس آکر انہیں دہرا لیا کرو۔ عرض کیا کہ دونوں مکانوں کے درمیان میں چونکہ فاصلہ بہت ہے اِس لئے اس آمدورفت میں وقت ضائع ہو گا۔ آپ نے مُسکرا کر فرمایا۔

ما برائے وصل کردن آمدیم　　　نے برائے فصل کردن آمدیم

(یعنی ہم فاصلوں کو ختم کرنے کیلئے آئے ہیں۔ ہم فاصلے بڑھانے تو نہیں آئے۔)
اس کے بعد آپ نے پڑھانا شروع کر دیا۔

بحر مواج بود علم یقین !
عمقش کس نیافتہ کہ چنیں ! !
من عاجز چساں بیاں سازم
کہ بہ تشریح وصف او بازم

(مثنوی نواب صاحبؒ)

تین ماہ کی مسلسل پڑھائی کے بعد آپ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اب بیعت فرما لیجئے۔ آپ نے فرمایا اے قبلۂ عالم پہلے درود شریف پڑھ کر استخارہ کیجئے۔ پھر استخارہ میں جو بھی اشارہ ہو، اس کے مطابق عمل کیجئے گا۔ کیوں کہ ہمارا یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے حسب الارشاد درود شریف پڑھ کر استخارہ کیا، تو دیکھا کہ کوئی شخص پکے ہوئے کھانے سے بھری ایک پلیٹ انہیں دے رہا ہے۔ نیز اس نے اپنا جبہ بھی اتار کر انہیں پہنا دیا ہے۔ صبح اٹھ کر آپ خدمت میں حاضر ہوئے اور رات کے خواب کی تفصیل گوش گذار کی انھوں نے کلمہ طیبہ اور استغفار پڑھنے کا حکم دیا۔ جب پڑھ لیا تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیارؒ کے مزار شریف کے قریب بیٹھ کر ۱۱۶۲ھ میں آپ کو اپنے دست مبارک پر بیعت فرما لیا۔

مثنوی

بیعتش می نمود و کرد آگاہ !
از مفاد یبایعون اللہ
زانکہ می بود دست او ملہم
از ید اللہ فوق ایدیہم

یافت بیعتش تجلّی نوُ !

سِرّ مکنون گرفت رنگِ ظہوُر

خواجہ را موردِ عنایت شد

مصرف لطف بی نہایت شد

او روان شد زفیض گاہ پتن

دولت آمد برائے او ز دکہن

آن بمغرب ھمای اوج سداد

شدہ عنقائے مغربش صیاد

آن تنش از پتن دلش ز دکہن

ہمہ جا آنچہ آشکارا زتن !

آن دلِ او بہ بند فخر جہان

از ازل در کمند فخر جہان

خواجہ را شد مرید با اخلاص

موردِ التفات خاص الخاص

گشت از خواجہ کامیابی او

دھلی آمد بہ ہم رکابی او

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا فخر الدینؒ خوشی کی حالت میں تھے۔ وھو فرما رہے تھے اور قبلۂ عالمؒ اُن کے سامنے مؤدبانہ کھڑے ہوُئے تھے۔ مولانا صاحبؒ نے پوُچھا کہ میاں صاحب تمھارے آباؤ اجداد کیا کام کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کھیتی باڑی کیا کرتے ہیں۔ اور مویشی چراتے ہیں اور لوگوں کے املاک پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ اب جو کچھ آپ فرمائیں گے وہی کچھ کریں گے۔ آپ نے قدرے توقف کے بعد فرمایا کہ مَیں تمھیں تو اپنا پیشہ ہی سکھاؤں گا۔ (خلاصۃ الفوائد)

کہتے ہیں شیخ کی خصوصی توجہ اور مسلسل کرم فرمائیوں سے نورِ معرفت کا یہ ہلال بدر ہیں اور حضرت شیخ کی برکت سے یہ لوہا پارس ہیں تبدیل ہو گیا حضرت قبلہ عالمؒ

کی ترقی مدارج اور مقبولیت و قربت سے حسد کر کے ایک دن لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ کھرل قوم کا فرد جو آپ کی خدمت میں رہتا ہے۔ پنجاب کا رہنے والا ہے۔ یہ لوگ کوئی اچھی شہرت نہیں رکھتے۔ ان کے آباؤ اجداد میں ایک شخص مرزا کھرل نے قصبہ جھنگ کے ایک زمیندار کی صاحباں نامی بیٹی اغوا کر لی تھی۔ راستہ میں سیال قوم کے لوگ پہنچ گئے اور ساندل کے جنگل میں اس اغوا کنندہ کو قتل کر دیا۔ اس طرح کی خراب شہرت رکھنے والے لوگوں کا آپ کے پاس رہنا مناسب نہیں ہے۔ اُن کی یہ بات سُن کر آپ نے تبسم فرما کر کہا کہ مرزا کھرل تو ایک عورت صاحباں کو لے گیا تھا مگر یہ ہمارا کھرل پنجابی سارے جہاں کو ساتھ لے جائے گا۔ سب لوگ یہ سُن کر شرمسار ہو کر خاموش ہو گئے اور آپ کی اس کریمانہ شفقت اور عمومی عنایت کو دیکھ کر حاضرین مجلس حیران رہ گئے۔

"خلاصۃ الفوائد" میں لکھا ہے کہ کچھ مدت کے بعد مولانا فخر الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں نور محمد! اپنا سارا وقت علوم ظاہری کے حصول میں ہی نہ لگا دیا کرو، جو کچھ اب تک تم نے پڑھ لیا وہی بہت ہے۔ اب اس علم کی طرف توجہ دو جو تمہارے لئے مناسب ہے۔ لہٰذا اس کے بعد آپ نے کچھ وظائف انہیں بتلائے جن پر ایک پہر یا ڈیڑھ پہر کا وقت صرف ہوتا تھا۔ آپ نے ان اوراد پر بڑی سختی سے پابندی کی۔ سفر ہو یا حضر آپ ان اوراد کو کبھی بھی قضا نہ ہونے دیتے۔ ایک دن مولانا فخر الدینؒ نے پوچھا میاں نور محمد! وہ اوراد کیا کرتے ہو؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر پوچھا کہ ان کا کوئی اثر بھی ظاہر ہوا؟ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ فرمایا ان وظائف کو تھوڑی تعداد میں پڑھا کرو۔ چنانچہ آپ نے اس پر عمل شروع کر دیا۔ چند دنوں کے بعد آپ نے وہی سوال پھر کیا۔ کہ کیا کوئی اثر ظاہر ہوا؟ آپ نے حسب سابق نفی میں جواب دیا۔ جواب سُن کر فرمایا کہ ان وظائف کو مکمل طور پر چھوڑ دو۔ چنانچہ جب آپ نے ان کو ترک کر دیا تو اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ پوری دنیا آپ کے نور سے منور ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مولانا صاحبؒ قبلہ عالمؒ اور چند ساتھیوں کے ہمراہ

پاک پتن شریف جا رہے تھے راستہ میں چند راتوں کے لئے حضرت بوعلی قلندرؒ کی درگاہ میں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے لاہور تشریف لائے۔ چند راتیں لاہور میں گذاریں۔ پھر وہاں سے سفر کرتے عرس شریف سے پہلے ہی پاک پتن میں حضرت گنج شکرؒ کے مزار مبارک پر پہنچ گئے۔ یہاں آکر حضرت مولانا صاحبؒ نے آپ کو فرمایا کہ تم ایک ہفتہ کے لئے گھر رہ آؤ، تاکہ تمہاری والدہ اور اعزہ اقربا تم سے مل لیں۔ ہفتہ کے بعد یہیں واپس آجانا۔

آپ شیخ کے ارشاد کے مطابق گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں جب آپ مہار شریف کی شمالی جانب بہنے والی نہر کے پاس سے گذرے تو وہاں چند عورتیں نہر کے کنارے کپڑے دھو رہی تھیں۔ ان عورتوں نے جب اس ہندوستانی بچیلے نوجوان کو دیکھا تو دریافت کیا کہ کہاں سے آرہے ہو؟ آپ نے کہا دہلی سے آرہا ہوں۔ عورتوں نے کہا کہ یہاں سے کھرل قوم کا ایک نوجوان جس کا نام نہیل تھا مدت ہوئی دہلی کی طرف گیا تھا اُس کی کوئی خبر ہو تو بتلاؤ۔ آپ نے کہا کہ وہ تو میں ہی ہوں۔ یہ سُن کر وہ عورتیں بہت خوش ہوئیں۔ دوڑ کر گئیں اور یہ خوشخبری آپ کی والدہ کو سنائی۔ والدہ بچے کی واپسی کی خبر سُن کر بے حد خوش ہوئیں لیکن آپ جب قصبہ میں پہنچے تو پہلے اپنے اُستاد میاں محمد مسعود صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پھر والدہ صاحبہ کے پاس گئے اور ان کی قدم بوسی کی۔ چونکہ آپ کو وطن مالوف چھوڑے بہت مدت ہو گئی تھی۔ اس لئے قصبہ کے بہت سے لوگ آپ کو طویل جدائی کے سبب کہ بعض پندرہ سال اور بعض بارہ سال کہتے ہیں۔ نہ پہچان سکے۔ مگر ان کی والدہ محترمہ نے ان کے قد و قامت کے اضافے کے باوجود بلند ناک کے نشان سے پہچان لیا اور کہا:

کاے عزیزم زجان و دل فرزند	یوسف رفتہ از برم یک چند
جگرم از فراق تو خون بود!	صد قیامت بجان محزون بود
جان ما از خوشامدے صد شکر	سوئے این غمکش آمدی صد شکر
گاہ میریخت اشک از مژگاں	گاہ میکرد سجدۂ یزداں!!

(جان و دل سے میرے پیارے بیٹے. تم تو یوسف کی طرح مجھ سے بچھڑ گئے تھے اور میں تمہاری جدائی میں مصائب کی چکی میں پستی رہی. خدا کا کروڑ کروڑ شکر ہے. کہ اس مصیبت زدہ ماں کو تم نے آکر راحت پہنچائی)

آپ ایک ہفتہ تک وہاں رہے. وہاں آپ کا یہ معمول رہا کہ مسجد کی دیوار سے ٹیک لگا کر مراقبہ میں مصروف رہتے. کسی بھی شخص سے غیر ضروری بات نہ کرتے اور دن میں فقط دو بار والدہ صاحبہ کی قدم بوسی کے لئے مسجد سے گھر تشریف لاتے۔

ایک دن میاں محمد مسعودؒ کے بھانجے شرف الدین قوم مہار نے آپ سے دریافت کیا. میاں بہبل! اتنی مدت جو باہر رہے ہو، کچھ علم حاصل کیا ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا، دہلی میں ایک بزرگ مولانا فخر الدینؒ ہیں، جو دکن کے رہنے والے ہیں. میں ان کی خدمت کرتا رہا ہوں. میاں شرف الدین نے کہا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں مرغن غذاؤں کا چسکا پڑ گیا ہے. پس اس لئے انہی میں مصروف رہا. دکھ کی بات ہے کہ یہاں سے فلاں فلاں شخص ہندوستان گیا اور عالم فاضل بن کر لوٹا. لیکن تم جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آگئے۔

بہرحال ایک ہفتہ گذرنے کے بعد آپ نے والدہ صاحبہ سے اجازت طلب کی تو والدہ نے کہا بیٹا جتنے سال جدا رہے ہو کم از کم اتنے دن تو میرے پاس ٹھہر جاؤ. تمہیں تو چاہیئے تھا کہ ہمیشہ میرے پاس ہی رہتے. تاہم اصرار کرتے ہو تو پھر بھی مزید غلام مرتضٰی قوم بھبھڑ پاکپتی سے گذارش کی کہ ہماری بیعت بھی اپنے مرشد کے ہاتھ پر کرا دو. حافظ صاحب نے حضرت مولانا صاحبؒ کو یہ درخواست پیش کی آپ نے فرمایا. میاں شرف الدین! تم میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت کر لو. چنانچہ شرف الدین نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

جب عرس کی تقریبات ختم ہو گئیں تو حضرت فخر الدینؒ نے آپ کو فرمایا "ہم دو ماہ تک مزید یہیں قیام کریں گے. لہٰذا تم یہ عرصہ اپنے گھر میں گزار آؤ" چنانچہ حسب الارشاد آپ گھر کی طرف روانہ ہوئے. میاں شرف الدین نے انہیں اپنے گھوڑے پر سوار کرایا اور

خود غلاموں کی طرح گھوڑے کے آگے آگے دوڑنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ آپ مہار شریف پہنچ گئے۔ مقررہ مدت گذارنے کے بعد آپ دوبارہ پاکپتن کی طرف عازم سفر ہوئے۔ تو حضرت میاں صاحب کے بھائی اور چچا اور استاذ صاحب بھی آپ کے ہمراہ ہوئے حضرت فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ حسب سابق اس بار بھی خود بانہ کھڑے ہو کر ملے اور اپنے سجادہ پر ساتھ ہی بٹھالیا۔ پھر حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا۔ میاں صاحب ابھی نے ان لوگوں کو نہیں پہچانا یہ کون ہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ یہ میرے بھائی اور چچا ہیں۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان سب سے بغل گیر ہوئے۔ اور ہر ایک سے خیر و عافیت دریافت کی پھر آپ نے لنگر کے باورچی سید احمد کو بلا کر حکم دیا کہ ان تمام افراد کی پوری خدمت کرنا اور جس چیز کی انہیں ضرورت ہو فوراً مہیا کرنا۔ حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی شخص حقہ کا عادی ہو تو اسے حقہ بھی بہم پہنچانا۔

اس کے بعد میاں صاحب نے عرض کیا قبلہ یہ لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے ان سے بیعت لی۔ اور ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق وظائف ارشاد فرمائے۔ آپ دو تین روز کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ دہلی جا رہے تھے۔ ہانسی کے مقام پر حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عظیم خلیفہ خواجہ قطب جمال رحمۃ اللہ علیہ کے مکان میں رات گذاری وہاں ایک بزرگ جن کا نام میاں محمد ماہ تھا جو حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے اور سلسلہ شطاریہ قادریہ سے منسلک تھے، سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑی محبت اور احترام سے آپ کی مہمان نوازی کی۔ نیز انہوں نے آپ کو دلائل الخیرات بھی عطا فرمائی اور کہا یہ کتاب ہمارے گھر میں ایک امانت ہے اور اس امانت کا کوئی بھی ہمارے خاندان میں اہل نہیں رہا۔ اس لئے تم اسے لیجا کر اپنے روزانہ کے اوراد میں شامل کر لینا۔ نیز اس کی تلاوت کی تاکید اپنے متعلقین سے بھی کرنا۔ آپ نے دل میں سوچا کہ مجھے اس کتاب کی کوئی خاص ضرورت تو نہیں۔ تاہم خاموش رہے۔

جب آپ دہلی پہنچے تو آپ کے مرشدؒ نے سفر کی تمام تفصیلات دریافت کیں۔ آپ نے اس کتاب کا واقعہ بھی سنایا۔ مرشدؒ نے فرمایا کہ یہ کتاب فی الواقع بہت عمدہ کتاب ہے۔ اسے خود بھی پڑھا کرو اور اپنے ساتھیوں کو بھی تاکید کیا کرو۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلہ میں اس کے پڑھنے کی روایت عرصہ دراز سے چلی آرہی ہے۔

"خلاصۃ الفوائد" میں مذکور ہے کہ آپ اجمیر شریف کے راستہ دہلی تشریف لائے۔ وہاں پہنچنے سے قبل حضرت فخر الدینؒ نے اپنے ساتھیوں کو فرمایا "میرے ہاتھ ایک انتہائی مفید عمل آیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ عمل میاں صاحب کو سکھلادوں" حضرت مولانا صاحبؒ نے جس دن یہ فرمایا اُس روز آپ خلافِ معمول حضرت میاں صاحب کے انتظار کے لئے بہت دیر تک اپنے مکان میں جلوہ افروز رہے۔ جب میاں صاحب تشریف لائے تو آپ نے میاں صاحب کے ساتھیوں کو عرق گلاب میں مصری ڈال کر پلایا۔ پھر فرمایا "میاں صاحب میں نے آپ کے لئے ایک مخصوص عمل سوچ رکھا ہے"۔ آپ نے عرض کیا "زہے نصیب"! تین دن گذرنے کے بعد حضرتؒ نے میاں صاحب کو طلب فرمایا۔ جونہی میاں صاحب آپ کی خدمت میں دوزانو ہو کر بیٹھے، حضرت نے فرمایا۔ کہ پوری طرح تسلی کرلو کہ قرب وجوار میں کوئی اور شخص تو نہیں بیٹھا۔ آپ نے عرض کیا نہیں حضرت کوئی شخص بھی قریب نہیں۔ البتہ دو مگر دو شخص بیٹھے ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں وہ کافی فاصلہ پہ ہیں۔ پھر آپ نے از راہِ کرم وہ عمل آپ کو بتلایا۔ اور تاکید فرمائی کہ کسی غیر مستحق شخص کو یہ عمل نہ بتلانا۔ اس عمل کی پوری حفاظت کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص تمہیں جُل دے کر یہ عمل لے جائے اور غلط جگہ پر استعمال کرتا رہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میاں صاحبؒ شیخ کلیم اللہ جہان آبادیؒ کے مزار کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب آستان بوسی اور فاتحہ سے فارغ ہوئے اور حویلی شریف کے دروازے سے باہر نکلے تو ایک شخص ہاتھ میں کتابیں لئے کھڑا تھا۔ آپ نے پوچھا "یہاں کیوں کھڑے ہو؟" اس نے جواب دیا کہ کتابیں فروخت کر رہا ہوں

تو آپ نے جیب سے دو روپے نکال کر دو کتابیں خرید لیں۔ گھر پہنچ کر ان کتابوں کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت شیخ کلیم اللہؒ کی تصنیف کردہ کتابیں کشکول اور مرقع ہیں۔ آپ نے یہ واقعہ حضرت فخر الدینؒ کے گوش گذار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم خوش نصیب ہو کہ حضرت شیخؒ کے ہاتھوں سے کتابیں حاصل کیں وہ کتب فروش دراصل حضرت شیخؒ ہی تھے۔

"اسرار کمالیہ" میں ہے کہ ایک دن حضرت فخر الدینؒ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت قبلہ عالمؒ بھی پانی کا کوزہ لے کر ہمراہ ہوئے۔ دونوں حضرات صحرا میں پہنچے۔ قضائے حاجت اور استنجا کے بعد حضرت فخر الدینؒ وضو کرنے لگے۔ تو چار افراد بے حد قیمتی لباسوں میں ملبوس چار مختلف اطراف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرتؒ نے فرمایا جانتے ہو یہ کون ہیں؟ قبلہ عالمؒ نے نفی میں جواب دیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ چاروں افراد جنوں کے بادشاہ ہیں۔ اگر تمہیں کبھی ان کی ضرورت پڑے تو ان کی خدمات سے فائدہ اٹھالینا۔ آپ نے عرض کیا کہ حضرت میرا مقصد حیات تو آپ کی ذات والا صفات ہے اور میں نے اپنے تمام امور آپ کے سپرد کر دیئے ہیں۔ اس لئے مجھے تو ان جنات کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت صاحبؒ ان کا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور آپ پر کرم و نوازش فرمائی۔

منقول ہے کہ جب آپ کے اندر لیاقت و اہلیت دیکھی گئی تو حضرت مولاناؒ کو الہام ربانی اور ارشاد نبویؐ ہوا کہ مشائخ عظام کی وہ عظیم نعمت جو سینہ بسینہ چلی آرہی ہے وہ قبلہ عالم کے سپرد کر دو چنانچہ حضرت نے معرفت کی نعمت عظمیٰ اور خرقۂ خلافت آپ کے حوالے کیا۔ اور پاکپتن سے پینتیس کوس کے فاصلے پر مہار شریف کے قصبہ کی طرف بھیج دیا۔ چنانچہ آپ دہلی سے پنجاب تشریف لائے۔ اور مہار شریف میں قیام اختیار کر لیا۔ اور یہاں لوگوں کو اپنے روحانی فیض سے منور کرنا شروع کیا۔ مہار شریف روانگی کے بعد حضرت مولانا صاحبؒ نے لطف و کرم فرماتے ہوئے قبلہ عالمؒ کے حق میں کریمانہ الفاظ فرمائے، جنہیں نواب غازی الدین خان نے مثنوی کی شکل میں منظوم کیا ہے۔

مثنوی

شرح نورِ محمد آں ہمہ نور
گر نویسم جہاں شود پُر شود

حق کہ ایں عالم است آیاتش
آمد اطلاق نور بر ذاتش

ہست نورِ محمدی زاں نور!
زاں نہ بل آں خودش نمود ظہور

پیکرِ او تمام پیکرِ جاں
ہیئتِ معنیش ز گوہرِ جاں

سالہا ماند در حریمِ حضور
گشت مانندِ اسمِ خود پُر نور

اولیاء را بود زمانِ کمال
صفتِ اسمِ خویش ظاہر حال

کارش از فخرِ دینؒ گرامی شد
وارشادِ نسبتِ نظامی شد

ہم ز پیغمبرِ بزرگ جناب
حکمِ ارشاد یافت در پنجاب

کرد حاصل چوں رتبہ ارشاد
شد مرخص بآں خجستہ سواد

کہ عبارت بود ز پاک پتن!
واں مہ ملک قدر او موطن!

شیخ در حقِ او چنیں فرمود
کیں زما ہر چہ بودہ است ربود

نیز ارشادِ آں شہِ دین است
کیں زماں قطبِ وقت خود اینست

ہم بگفتا کزیں جہاں آرا
شدہ امیدِ مغفرت ما را

شد در آں جا کمالِ او شائع
گشت خورشیدِ فیضِ او لامع

یک جہاں یافت فیضِ بیعتِ او
عالمے زد در ارادتِ او

ہست امروز او مرادِ جہاں
مرجعِ خاص و عام شیخِ زماں

بندگانِ درش ہزار انند
بر گلش نالہ کش ہزار انند

مترقی با اوجِ عزّ و کمال
پایہ افرازِ صدرِ جاہ و جلال

آپ کو مرشد کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ نماز جمعہ ہمیشہ حضرت گنج شکرؒ کے مزار کی ملحقہ مسجد میں ادا کرنا۔ چنانچہ آپ بارہ اور بقول بعض پندرہ سال تک مہار شریف سے پاک پتن آکر نماز جمعہ ادا کرتے رہے۔ پھر جب جسم میں کمزوری اور ضعف آگیا تو حضرت گنج شکرؒ کے الہامی ارشاد پر مہار شریف سے تین کوس کے فاصلے پر حضرت تاج الدین سرورؒ کے مزار پر جمعہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ اور زندگی کا بقایا حصہ اسی معمول پر گذارا۔

خلاصۃ الفوائد سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے تقریباً پینتیس[۳۵] سال کا عرصہ حضرت فخر الدینؒ کی خدمت میں گذارا صرف چند ماہ چھوڑ کر جب آپ گھر چلے گئے تھے، آپ زیادہ تر مرشد کی خدمت میں ہی رہے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار کرامات عطا فرمائیں۔ اگر میں ان کی تفصیل بیان کرنے لگوں یا انہیں احاطہ تحریر میں لانا چاہوں تو میری پوری عمر صرف ہو جائے لیکن ان تمام کی تفصیل بیان نہ کرسکوں۔ صرف چند ایک واقعات جو میں نے والد گرامیؒ سے سُنے تھے، کا ذکر کرتا ہوں تاکہ طالبین کو معلوم ہو جائے کہ اس سلسلہ میں کس قدر صاحب قوت اشخاص گذرے ہیں۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبلہ عالمؒ دہلی سے حضرت خواجہ بزرگ معین الدینؒ کے عرس میں شرکت کے لئے اجمیر شریف گئے۔ اس زمانہ میں عملیات کا بڑا شہرہ تھا۔ آپ اجمیر شریف پہنچے۔ محفل سماع شروع ہوئی مگر قوالوں کی بے حد کوشش اور سعی کے باوجود محفل سونی رہی۔ کسی ایک شخص کو بھی اس محفلِ سماع میں نہ وجد آیا اور نہ کسی نے رقص کیا۔ تمام خدام اس خلاف معمول بات سے بے حد مضطرب تھے۔ پتہ چلا کہ ایک جوگی نے جادو کے عمل سے سماع کی تاثیر سلب کر رکھی ہے۔ پنجاب سے میاں معصوم علی شاہؒ جو قبلہ عالم صاحبؒ کے خاص غلام تھے اور اہل پنجاب کی طرف سے طلب دعا اور خدمت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیوان صاحب کے پاس جا کر عرض کیا کہ حضرت فخر الدینؒ کے خلفاء میں سے ایک شخص صاحبِ کمال دہلی سے عرس میں شرکت کی غرض

سے آیا ہوا ہے اس سے کوئی حل پوچھنا چاہیئے۔ چنانچہ سب افراد آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ اتنی عظیم ہستیاں شریکِ محفل ہیں لیکن کسی ایک شخص پہ وجد و رقص کی کیفیت طاری نہیں ہو رہی۔ شاید کسی شخص نے جادو کے عمل سے اس تاثیر کو ختم کر دیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ آپ محفل میں تشریف لا کر خصوصی توجہ فرمائیں تا کہ بے کیفی کی حالت ختم ہو۔ چنانچہ ان لوگوں کے کہنے پر آپ تشریف لائے۔ دیکھا کہ محفل میں وہ جوگی بھی بیٹھا ہے۔ جس نے یہ عمل کیا ہے۔ آپ نے توجہ فرمائی۔ تو تمام شرکائے محفل رقص کرنے لگ گئے۔ جوگی آپ کی اس عظمت کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہو گیا۔ اور مقامی زبان میں کہا "اس گرو کا کیا پوچھنا جس کا یہ چیلہ"۔ محفل کے اختتام پر وہ جوگی اور دیگر کئی ہندو دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور آپ کے حلقہ ارادت میں شمولیت اختیار کر لی۔ جوگی بھی اپنی استطاعت کے مطابق حضرت کے انوار سے فیض یاب ہوا :

آنہا کہ خاک را بنظر کیمیا کنند   سگ را ولی کنند مگس را ہما کنند

(ان حضرات کی تاثیر و قوت کا کیا پوچھنا۔ یہ تو ایک نظر سے مٹی کو سونے میں، کتے کو ولی میں اور مکھی کو ہما بنا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔)

کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نامی ایک قوال آپ کا منظورِ نظر تھا۔ وہ بے حد خوش الحان اور صاحبِ تاثیر قوال تھا۔ اتفاقاً اس سے کوئی ناشائستہ حرکت ہو گئی۔ آپ میں اگرچہ جمال کا پہلو زیادہ تھا لیکن اتفاقاً اس روز آپ پر جلال کی کیفیت طاری تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ شخص کبھی بھی میرے پاس نہ آئے۔ آپ کے غضب و جلال کا یہ اثر ہوا کہ وہ تپِ دق میں مبتلا ہو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ مسلسل پانچ ماہ تک وہ اس نامراد مرض میں مبتلا رہا۔ نواب غازی الدین خان حضرت مولانا صاحبؒ کے غلام تھے۔ اور دہلی سے ہجرت کر کے حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں رہتے تھے۔ اس نے انہیں اپنا سفارشی بنایا اور آپؒ کی خدمت میں معافی کے لیئے حاضر ہوا۔ مگر آپ نے شفقت نہ فرمائی۔ نواب غازی الدین خانؒ نے فرمایا "عبدالرحمٰن کچھ سناؤ" اس نے مندرجہ ذیل رباعی

خوش الحانی سے پڑھی ؛

نیر دہر کر جانانش تو باشی   خوش آں دردے کہ درمانش تو باشی

چہ پرسی دین و ایمان کسے را   کہ ہم دین و ہم ایمانش تو باشی

(جس کا محبوب تم جیسا ہو وہ کیسے مر سکتا ہے۔ جس کی چارہ گری کے لئے آپ جیسا طبیب ہو بھلا وہ کیسے شفا نہ پائے گا۔ اس آدمی کے دین و ایمان کا کیا کہنا جس کا دین بھی تم ہو اور جس کا ایمان بھی تم ہو۔)

قوال سے یہ رباعی سُننا تھا کہ آپ پر اور غلاموں پر وجد طاری ہو گیا جب آپ بے خودی کے عالم سے نکلے، تو اس قوال کو معاف فرما چکے تھے۔ آپ نے مُسکرا کر فرمایا جاؤ اور میرن شاہ کے حجرہ میں غسل کر آؤ چنانچہ اس نے تعمیل کی اس کی تمام بیماری آناً فاناً کافور ہو گئی۔

اَللّٰھُمَّ اَرْزُقْنَا رِضَی الشَّیْخِ وَمُتَابَعَتَہٗ فِیْ اُمُوْرِ الدُّنْیَا وَالدِّیْنِ۔ آمین ثم آمین۔

(الٰہ العلمین ! ہمیں شیخ کی رضا اور دین و دُنیا میں اس کی اطاعت کرنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین ثم آمین)

کہتے ہیں ایک دفعہ آپ کی ہمشیرہ قائم خاتون بیمار ہو گئیں۔ بہتیرا علاج کرایا لیکن ذرّہ بھر فائدہ نہ ہوا۔ بیچاری بے حد پریشان تھی۔ ایک دن آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے اس وقت کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔ ہمشیرہ کہنے لگی میں اس منحوس مرض سے لاچار ہو گئی ہوں۔ کسی دوا سے فائدہ نہیں ہو رہا۔ خدا کے لئے اپنے مرشد کے صدقے مجھ پہ نگاہِ کرم ڈالیئے تاکہ میں تندرست ہو جاؤں۔ آپ کو اس کی حالت زار دیکھ کر بڑا ترس آیا۔

تا نگرید کودکِ حلوہ فروش
بحر بخشائش کجا آید بجوش

آپ نے ازراہِ شفقت قریب جا کر زبان اس کے منہ میں ڈالی اور بدن کے ہر حصّہ سے اس کی بیماری کھینچ لی۔ تین بار آپ نے زمین پر تھوکا۔ آپ کی زبان کا رنگ

سیاہ ہوگیا تھا۔ تھو کنے سے وہ ٹھیک ہوگیا۔ آپ نے اُسے تاکید فرمائی کہ اس کا ذکر میری زندگی میں کسی سے نہ کرنا ورنہ مر جاؤ گی اور ساتھ ایمان بھی سلب ہو جائے گا۔ وہ خاتون اس عمل کے بعد بالکل تندرست ہوگئیں اور بعد ازاں وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر خلوت میں اوراد و وظائف میں مصروف رہتیں۔ ان کا پورا وقت عبادتِ الٰہی میں بسر ہوتا۔ اور حضرت کے وصال پر اس خاتون نے دوسری عورتوں کی طرح بین نہ کئے مگر بعد میں اس عمل کا ذکر کیا۔ کہتے ہیں "لقَاءُ الخَلِيلِ شِفَاءُ العَلِيلِ" (یعنی محبوب کی ملاقات ہی پیغامِ شفا ہے۔)

منقول ہے کہ ایک رات آپ بالا خانہ میں ایک پلنگ پر آرام کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی سامنے آپ کی اہلیہ کی چارپائی تھی۔ وہ بھی آرام کر رہی تھیں، اچانک آپ کی اہلیہ اُٹھیں تو دیکھا کہ آپ کا جسم ضخامت میں بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ جب چاروں طرف سے جسم بڑھ گیا، تو آپ آسمان کی طرف پرواز کر گئے اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر محترمہ کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی آپ کا جسم دوبارہ آسمان سے اُتر کر پلنگ پر موجود تھا۔ حضرت کو پتہ چلا کہ اس منظر کو ان کی بیوی نے بھی دیکھ لیا ہے آپ نے فرمایا دیکھو! اس واقعہ کی کسی اور شخص کو خبر نہ ہونے پائے۔ اگر تم نے عورتوں کی عادت کے مطابق کسی بھی شخص کے سامنے اس کا ذکر کر دیا تو فی الفور تمہاری موت واقع ہو جائے گی۔ مائی صاحبہ نے زندگی بھر کسی کو نہ بتلایا۔ البتہ آپ کے وصال کے بعد خاص خاص لوگوں کو یہ واقعہ سنایا۔

ایک بار آپؒ سید پور المعروف سیئت پور تشریف لے گئے آپ کا ایک مخلص خادم سید محمود شاہ اس قصبے میں رہتا تھا۔ اُس کا معمول تھا کہ جونہی وہ آپ کی تشریف آوری کا سنتا آپ کے استقبال کے لئے باہر نکل آتا۔ اتفاق سے ایک روز آپؒ کی سواری اس کے گھر تک پہنچی مگر سید محمود شاہ اپنے چار منزلہ مکان کی چوتھی منزل میں اپنے دوستوں کے ساتھ محفل سجائے بیٹھے تھا۔ جونہی اس کی نگاہ آپ کے چہرۂ انور پر پڑی بے اختیار ہو کر اُوپر سے چھلانگ لگائی اور اپنا سر آپ کے قدموں میں رکھ دیا۔ زمین

چومنے لگا اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ تمام لوگ اس واقعہ کو دیکھ کر سخت حیران تھے دیکھا کہ سید محمود صاحب صحیح سالم آپ کی خدمت اقدس میں کھڑے ہیں آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ہر کہ از بہر خدا کار بدیشاں بہ نماید
ایزدش از ہمہ آفات محافظ گردد!

کہتے ہیں کہ آپ ایک بار کوٹ مٹھن سے ملتان کی جانب تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں نار سردارواہ کے علاقہ میں آپ کو رات آگئی۔ آپ کے ساتھ بہت سے پیدل اور سوار تھے۔ سب نے وہیں قیام کیا۔ علی الصبح روانہ ہو گئے۔ دوسری شب حضرت محکم الدین سیرانی بھی اسی بستی میں قیام پذیر ہوئے۔ کسی شخص نے مرغن اور لذیذ حلوہ بنوا کر آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔ میاں صاحب نے ابھی اس پلیٹ میں ہاتھ بھی نہ ڈالا تھا اور ایک لقمہ بھی نہ اٹھایا تھا کہ وہ شخص کہنے لگا۔ ولی کو تو یوں نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ لوگوں کے لئے مصیبت اور پریشانی کا سبب بنے۔ کل رات جو حضرت قبلہ عالم نے اس قصبہ میں رات گذاری ہے۔ اس سے یہاں کے لوگوں کو بے حد زحمت اٹھانی پڑی ہے۔ میاں صاحب نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا کہ جس جگہ کسی قبلہ زماں کے خلاف زبان شکایت دراز کی جائے تو وہاں قہر خداوندی نازل ہو جاتے۔ حیرانی ہے کہ یہ جگہ جل کیوں نہیں جاتی۔ یہ بات کہی اور روانہ ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ آپکے بستی سے نکلتے ہی وہ آگ میں جل کر خاکستر ہو گئی۔

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میاں محکم الدین علاقہ الہ آباد کے نزدیک قصبہ جن پور میں گئے۔ وہاں جا کر آپ نے حسب معمول محفل سماع اور رقص و وجد کا سلسلہ شروع کیا۔ اس قصبہ میں ایک عالم دین سید عالم شاہ تھا۔ اس کو جب ان چیزوں کا علم ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں کو لے کر میاں محکم الدین کو شہر سے نکال دیا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو کچھ مارا پیٹا بھی۔ میاں صاحب وہاں سے ایک قریبی قصبہ میں چلے گئے۔ اتفاق سے دوسرے دن حضرت قبلہ عالمؒ کا وہاں سے گذر ہوا اب آپ کے

ہمراہ بہت سے خلفاء اور عقیدتمند تھے۔ آپ نے سید عالم شاہ کی مسجد میں قیام فرمایا۔ دو موسیقاروں نے آپ کے ورود کی خبر سُنی تو وہ بھیک مانگنے کے لئے وہاں پہنچ گئے جب دونوں مسجد کے قریب پہنچے تو گانا شروع کر دیا۔ حضرت نور محمد ثانیؒ نے جونہی وہ اشعار سُنے آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ قاضی محمد عاقل صاحبؒ نے ان دونوں موسیقاروں کو مسجد میں بلا لیا اور انہیں ساز وغیرہ بجانے کا حکم دیا۔ الغرض یہ تینوں بزرگ ہستیاں خواجہ نور محمدؒ، حافظ محمد جمالؒ صاحب اور قاضی محمد عاقل صاحبؒ وجد میں ڈوبے رہے۔

سید عالم شاہ کو پتہ چلا تو وہ حسب عادت انہیں مسجد سے نکالنے کے لئے آیا مسجد کے قریب آیا اور حضرتؒ پر اس کی نگاہ پڑی تو ہیبت زدہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ زبان اور قدم حرکت کی طاقت سے محروم ہو گئے۔ جب یہ حضرات رقص و سماع سے فارغ ہوئے تو سید عالم مسجد میں آیا اور حضرتؒ سے کہا کہ آپ جیسی بزرگ شخصیت سے یہ فعل بڑا ہی غیر متوقع ہے آپ نے تو خانۂ خدا میں ساز و آواز کی محفل برپا کر رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اور تم دونوں سماع میں ایک ہی نظریہ رکھتے ہیں۔ اگر غلطی ہے تو ان دونوں کی ہے۔ یعنی خلیفہ صاحب کو وجد آیا اور اس کے وجد کو دیکھ کر قاضی صاحب نے ان موسیقاروں کو مسجد میں طلب کر لیا۔ اب آپ جو سزا تجویز کرتے ہیں ہمیں منظور ہے، آپ کے اس رویّہ کو دیکھ کر سید عالم اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے تمام کی دعوت کی اور اپنے مکان پر لیجا کر ادب و احترام کا سلوک کیا۔ حضرتؒ صبح کو روانہ ہو گئے مگر حضرت محکم دین صاحبؒ جو قریب کی بستی میں مقیم تھے انہوں نے سید عالم شاہ کو پیغام بھیجا کہ تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا تھا میرے بھائی صاحب نے اس کا خوب بدلہ لیا ہے۔ تو شاہ صاحب نے جواب دیا کہ تم کتنے خوش نصیب ہو کہ ایسا بھائی رکھتے ہو جو اس زمانہ میں لاثانی ہے۔ اور تمام اولیاء کا فخر ہے۔

میاں نصیر بخشؒ سے منقول ہے کہ مولوی ضیاء الدین صاحبؒ جو حضرت مولانا فخر الدینؒ کے خصوصی غلاموں میں سے تھے، کو قبلۂ عالمؒ کے ساتھ کوئی عقیدت نہ تھی۔

مولوی صاحب کے دل میں زیارتِ حرمین کا شوق پیدا ہوا۔ تو حضرت سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا "اگر کہیں مشکل میں پھنس جاؤ تو مجھے یاد کر لینا" الغرض مولوی صاحب بحری سفر پر روانہ ہو گئے۔ دورانِ سفر ہوا مخالف ہو گئی اور جہاز ڈوبنے لگا تو اس نازک وقت میں انہیں حضرت کا فرمان یاد آیا اور انہیں مدد کے لئے پکارا۔ اچانک مولوی صاحب کو نیند آ گئی خواب میں دیکھا کہ حضرت والا فرما رہے ہیں کہ تسلی رکھو۔ تمہیں یہ طوفان کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ خواب سے بیدار ہوئے تو ان کے چہرے پر خوشی جھلک رہی تھی۔ آپ کے دوسرے ہم سفر ساتھیوں نے کہا کہ تعجب ہے، جہاز ڈوب رہا ہے اور تمہیں پرواہ نہیں۔ ایسے خوش خوش پھرتے ہو جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ مولوی صاحب نے انہیں جواب دیا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہم اس طوفان سے محفوظ رہیں گے اور یہ طوفان ہمارا کچھ نقصان نہ کر سکے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور مولوی صاحب نے بخیر و خوبی زیارتِ کعبہ کی سعادت حاصل کی۔

اسی سفر کا واقعہ ہے کہ مولوی صاحب عرفات میں امام کے پیچھے پہلی صف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ دیکھا کہ دائیں جانب دو آدمی چھوڑ کر تیسرے حضرت والا کھڑے ہیں انہوں نے سوچا کہ نماز اور دعا سے فارغ ہو کر آپ سے ملاقات کروں گا لیکن نماز کے بعد آپ وہاں موجود نہ تھے۔ ساتھ والوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ جو شخص کھڑا تھا کون تھا۔ انہوں نے کہا کہ تفصیل تو ہمیں معلوم نہیں البتہ یہ شخص ہندوستانی ولی اللہ ہے۔ ہمیشہ اس موقعہ پر اسی جگہ نماز حج ادا کرتا ہے اور بعد سلام غائب ہو جاتا ہے۔ اس پر آپ کا اعتقاد قبلہ عالم رح کے بارے میں پختہ ہو گیا۔

مولوی صاحب پھر مدینہ منورہ گئے۔ اور وہاں روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ارادہ کر لیا کہ بقایا زندگی حضور کے قدموں میں ہی گذار دوں گا۔ مولوی غلام رسول چنتڑ بہاول پوری رح صاحب کہتے ہیں کہ حضرت والا کے خلیفہ غلام حسن بھٹی رح سے میں نے یہ واقعہ سنا۔ اور وہ خود مولانا ضیاء الدین سے سن کر روایت فرماتے ہیں کہ جب مولوی صاحب مدینہ منورہ میں تھے تو وہاں طریقہ یہ تھا کہ نماز عشاء کے بعد مسجد نبوی

کا دروازہ بند کر دیا جاتا۔ مسجد کے خواجہ سرا خدام ہر شخص کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسجد سے نکال دیتے۔ اگر اتفاق سے کوئی شخص مسجد میں چھپا رہ جاتا تو وہ ہلاک ہو جاتا یا یہی خدام اسے قتل کر دیتے۔ اتفاقاً مولوی صاحب کو مسجد نبوی میں نیند آ گئی۔ خدام کی نگاہ بھی نہ پڑی اور مسجد کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ رات گذرنے کے بعد جب مولوی صاحب بیدار ہوئے تو صورتِ حال دیکھ کر گھبرا اُٹھے کہ اب میں قتل کر دیا جاؤں گا۔ اچانک انہوں نے ایک جانب سے ایک مرد اور ایک عورت کی آواز سُنی۔ جو دراصل رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آوازیں تھیں۔ آپ نے سُنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ "یہاں مجھے کسی اجنبی شخص کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ اس لئے اس اجنبی کو قتل کر دینا چاہیئے" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا۔ "نہیں نہیں عائشہ اس شخص کو خواجہ نور محمد مہاروی نے میرے سپرد کر رکھا ہے" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ کیا آنحضرت کو نور محمد مہاروی کا اتنا پاس خاطر ہے کہ ایک واجب القتل کو معاف فرما رہے ہیں" آپ نے فرمایا ہاں"۔ یہ گفتگو فرماتے ہوئے رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مولوی صاحب کے کچھ قریب پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم اکیلے مولوی صاحب کے پاس تشریف لے آئے سر پر دستِ شفقت فرمایا کہ نور محمد مہاروی کو میرا سلام کہنا" یہ سُننا تھا کہ آپ نے رسُول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے قدموں میں سر رکھ دیا مگر زبان سے کچھ کہنے کی صلاحیت نہ رہی مولوی صاحب نے اس واقعہ کو ہندی اشعار میں منظوم بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حجرہ مُبارک میں تشریف لے گئے۔ صبح کو جب خدام نے مسجد کے دروازے کھولے تو خدا کی قدرت کوئی نہ جان سکا کہ مولوی صاحب نے رات کہاں گذاری ہے۔

اس واقعہ کے بعد آپ کے دل میں حضرت قبلہ عالم رح کی زیارت کا شوق بھڑک اُٹھا۔ آپ چاہتے تھے کہ اُڑ کر مہار شریف پہنچ جائیں۔ واپس آئے اور حضرت صاحب رح کی خدمت میں پہنچے تو قبلہ عالم رح حاضرین سے فرما رہے تھے "ویسے تو تمام حاجی خوش نصیب

ہیں لیکن ہمارے دوست مولوی صاحب کی سعادت کا کیا پوچھنا" مولوی صاحب حضرت صاحبؒ کے قدموں میں گر گئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ حضرت صاحبؒ نے انہیں اپنے قدموں سے الگ فرمایا تو عرض کیا حضرت میں ان قدموں کی خاطر دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں اور آپ مجھے قدموں سے الگ فرما رہے ہیں؟

مولوی غلام رسول صاحب کی روایت ہے کہ مولوی متین الدین بہاولپوری موضع تاج سرور میں جہاں حضرت قبلہ عالم صاحبؒ کا مزار اقدس ہے۔ عرس سے فارغ ہو کر حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ کے پاس کسی کام کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا تمہارا مقصد حضرت قبلہ عالمؒ حل کریں گے چنانچہ مولوی متین الدین قبلہ عالمؒ کے روضہ پر آئے۔ پیچھے سے ایک آواز سنی کہ قبلہ عالمؒ کا مزار ایک شاہی دربار ہے۔ یہاں ادب و احترام کے تمام تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا۔ یہ نہ سمجھنا کہ یہ ایک عام سی قبر ہے جس میں ایک مردہ پڑا ہے۔ نصیحت کرنے کے بعد وہ شخص حویلی سے متصل کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب حویلی کی جانب گئے تاکہ جو شخص مجھے یہ ہدایات دے رہا ہے اس کا نام و پتہ دریافت کر لوں مگر دیکھا کہ وہ شخص اندرونی حجرہ میں چلا گیا۔ آپ بھی اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں چند لوگ اور بھی موجود ہیں بہت کوشش کی کہ اس سے ملاقات ہو لیکن وہ شخص ہاتھ نہ آیا۔ خدا جانے وہ کون موکلِ الٰہی تھا۔

مولوی خدا بخش صاحبؒ قاضی محمد عاقلؒ صاحب کے پوتے روایت کرتے ہیں کہ مولوی غلام حسین ساکن واجل حضرت قبلہ عالمؒ کا خصوصی خادم تھا اور آپ اس پر بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ آپ اس کے جنازہ میں ضرور شرکت کریں گے۔ موصوف اس کو اپنی سعادت اور خوش نصیبی سمجھا کرتے لیکن قدرتِ خداوندی کہ حضرت قبلہ عالمؒ کا وصال مولوی غلام حسین کی وفات سے چند سال پہلے ہو گیا۔ وہ بے چارہ یہ سن کر بے حد پریشان ہوا اور سوچنے لگا کہ حضرت نے جو وعدہ فرمایا تھا میں اس سعادت سے محروم رہ گیا ہوں۔ لیکن اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ کے اولیاء مرا نہیں کرتے بلکہ اپنے محبوبِ حقیقی کے پاس چلے جایا کرتے ہیں نیز مولوی صاحب نے

آپ کی زبان سے کئی بار یہ سُنا تھا کہ:

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجاں گر تو آئی بتن

(مجھے اس طرح زندہ سمجھنا جس طرح تم اپنے جسم کو زندہ سمجھتے ہو۔ تم جسم بنو گے تو میں تمہارے اندر رُوح بن کر آجاؤں گا۔)

اس لیے اسے یقین تھا کہ حضرتؒ وصال کے باوجود بھی میرے جنازہ میں ضرور شرکت کریں گے۔ لیکن اس وقت مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور لوگوں نے آپ کو دیکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ کافی عرصہ بعد مولوی صاحب کا انتقال ہُوا تو آپ کے پس ماندگان تجہیز وتکفین کے بعد جنازہ کے لئے ان کا تابوت شہر سے باہر لے گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ دُور سے کئی سوار اور پیدل افراد ادھر آرہے ہیں۔ لوگوں نے ان آنے والوں میں دیکھا کہ حضرت والاؒ بھی موجود ہیں۔ حاضرین نے آپ کی قدم بوسی کی اور خدا کی قدرت موجود افراد میں کسی شخص کو بھی خیال نہ گذرا کہ حضرتؒ کا تو مُدّت ہوئی وصال ہو چکا ہے۔ جب نمازِ جنازہ ادا ہو گئی تو حضرتؒ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ غائب ہو گئے۔ لوگ سناٹے میں رہ گئے کافی دیر کے بعد جب لوگوں کو احساس ہُوا تو سوچنے لگے کہ حضرت تو مدّت ہوئی وصال پا چکے تھے۔ مگر یہ تو حضرت صاحبؒ کی کرامت اور رحمت ہے کہ جو وعدہ اپنے ایک خادم سے کیا تھا، اسے وصال کے بعد بھی نبھایا۔ اور اس کے جنازہ میں بذاتِ خود شرکت فرمائی۔

مولوی محمد گہلویؒ نے خیر الاذکار میں لکھا ہے کہ ایک بار حضرت صاحبؒ بہار شریف سے نارووال تشریف لے گئے جو خواجہ نور محمد ثانیؒ کا گھر اور وطن تھا۔ وہاں نارووال میں چند روز قیام فرمایا۔ چونکہ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور طہارت خانے کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ اس لئے آپ رفعِ حاجت کے لئے شہر سے باہر صحرا میں تشریف لے جاتے۔ جہاں سے گذرتے وہیں آپ کے قدموں کے نشان لگتے۔ اتفاقاً ایک ہندو عورت کا قدم غیر ارادی طور پر آپ کے قدم پر پڑ گیا تو وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئی۔

اس کے ورثاء اُسے اٹھا کر گھر لے گئے۔ اس واقعہ کے بعد خلیفہ صاحبؒ نے شہر میں ہی طہارت خانہ کا انتظام کر دیا تاکہ آپ کو صحرا کی طرف جانے کی زحمت نہ ہو۔

مولوی محمد صاحبؒ نے اپنی اسی کتاب میں یہ واقعہ بھی نقل کیا ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرتِ والاؓ قاضی محمد عاقل صاحبؒ کے صاحبزادے میاں احمد علیؒ کی شادی کیلئے کوٹ مٹھن تشریف لے گئے وہاں علماء اور صلحاء پروانوں کی طرح آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ مولوی احمد اپنے دور کے ایک بہترین واعظ تھے۔ اور اُن کی تقریروں کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ نے اپنی تصنیف غنیۃ الطالبین، میں لکھا ہے کہ مرید کا طعام پیر کے لئے حرام ہے" تو قبلہ آپ کس طرح مریدوں کی دعوت قبول فرمایا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے تمام مریدوں میں کوئی بھی صحابہ کرام کے ہم پلہ نہیں ہے۔ اور مرشدوں میں کوئی مرشد بھی حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی خاک جتنا معزز نہیں ہے۔ تو جب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی دعوت قبول فرمایا کرتے تھے۔ تو ہمارے لئے بس یہی دلیل کافی ہے سائل آپ کے اس مسکت جواب پر خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد آپ نے اپنے خلیفہ کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے مولوی صاحب کے سوال کا ظاہری جواب دیا ہے۔ لیکن اگر حضرت جیلانیؒ کے ارشاد کی تاویل کی جائے تو اس کا مفہوم اور نکلتا ہے۔ ہمیں اس مفہوم پر غور و فکر کرنا چاہیئے۔ چنانچہ کافی بحث وتمحیص کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ مرید دراصل جو کھانا کھاتا ہے۔ یہ اُس کی نفسانی خواہش ہے جس کی وہ تکمیل کرتا ہے اس لئے شیخ وقت کو ایسا کھانا نہیں کھانا چاہیئے۔ حضرت جیلانیؓ کی مندرجہ بالا عبارت کی تشریح یوں ہو گی

"شیخ کے اعلیٰ مدارج پر ہونے کی وجہ سے اس کا ہر کام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے۔ بلکہ اصل فاعل تو اللہ کی ذات ہے اور بندہ اس کا آلہ کار ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسی ہستی کا خواہش نفس کے لئے کھانا نہ صرف حرام بلکہ تنزل مقام کا موجب ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا تو کھانا پینا بھی تعمیل ارشاد ربانی یعنی "کُلُوْا وَاشْرَبُوْا" کے تحت آتا ہے۔

یعنی مرید وہ کھانا جو خواہشِ نفسانی کی وجہ سے کھاتا ہے اس کا پیر پر کھانا حرام ہے۔ اس طرح سالک اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتا بلکہ اس کا تنزل ہوتا ہے اور تنزل مشائخ کے ہاں حرام فعل ہے۔" یہ واقعہ مشہور ہے اور بہت سے اکابر سے سُنا گیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار آپ کے ایک خصوصی خادم میاں اکبر مکھی نے عرض کیا کہ قبلۂ عالم میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ ازراہِ کرم اس کی تعبیر بیان فرمائیں۔ آپ نے یہ شعر پڑھا:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

(میں نہ تو رات ہوں اور نہ ہی رات کا پرستار ہوں کہ خوابوں کی باتیں کرتا پھروں۔ میں درحقیقت عالمِ معرفت کے آفتاب کا غلام ہوں اس لئے آفتاب کی باتیں کروں گا۔) تمام حاضرین یہ شعر سُن کر بے حد محظوظ ہوئے۔

ایک دن قبلۂ عالمؒ مسجد میں تشریف فرما تھے اور صلحاء و فقراء کی ایک جماعت وہاں بیٹھی تھی۔ مشہور عشاق لیلیٰ مجنوں اور فرہاد و شیریں کا ذکر چل نکلا۔ آپ نے فرمایا:

شمۂ از داستانِ عشق شور انگیزِ ما
واں حکایت ہا کہ از فرہاد و شیریں میکنند

ایک دن آپ نے محفل میں ارشاد فرمایا کہ تمام موجوداتِ عالم اللہ تعالیٰ کی ذات کا پرتو اور عکس ہیں آپ نے فرمایا:

ہر لحظہ کہ بر آئینہ مے تابد خورشید
آئینہ گماں برد کہ من خورشیدم

ایک دن آپ حضرت شیخ تاج الدینؒ کے روضہ پر حاضری کے لئے تشریف لے گئے تو آپ ان مرحوم رشتہ داروں کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے لئے بھی تشریف لاتے جو اس روضہ کے بالکل پڑوس میں واقع ہیں۔ آپ کے ہمراہ آپ کے ایک خادم احمد کلہیرا بھی تھا۔ احمد کے دل میں یہ بات گذری کہ یہی وہ مقام ہے جہاں آخر کار ہم سب نے

آگر قیام کرنا ہے۔ جگہ تنگ ہے اس لئے آپ کی قبر کی گنجائش نہیں نکل سکتی، تو پھر کیا صورت ہوگی؟ آپ نے اپنے نورِ معرفت سے احمد کلہیرے کی دل کی بات معلوم کر لی۔ فرمایا! بھائی ہم تو جنت البقیع میں قیام کریں گے۔

ایک دن آپ حضرت تاج الدینؒ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں دیکھا کہ بے شمار مخلوق جمع ہے۔ انہوں نے قحط و خشک سالی کے دفعیہ کے لئے حضور سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فاتحہ خوانی کے بعد عرض کیا کہ صاحب آپکو تو شاید قحط ہی منظور ہوگا لیکن مخلوق بے حد مصیبت میں مبتلا ہے۔ یہ کہنا تھا کہ لوگوں نے دیکھا اسی وقت موسلادھار بارش ہو گئی۔ حتیٰ کہ آپ بڑی مشکل سے پانی سے گذر کر واپس تشریف لائے۔

میں نے اپنے والد گرامیؒ سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ نے فرمایا کہ ایک دن حضرت قبلہ عالمؒ جب حضرت تاج الدینؒ کی زیارت کر کے واپس ہو رہے تھے ایک گھنے درخت کے نیچے ٹھہر کر فرمایا کہ حافظ صاحب یہ جگہ کس قدر پرفضا ہے میں نے عرض کیا۔ جی ہاں حضرت بہت ہی عمدہ منظر ہے۔ حافظ صاحب کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ حضرت نے اس خصوصیت کے ساتھ اس جگہ کی کیوں تعریف فرمائی ہے لیکن وصال کے بعد جب آپ کی اسی جگہ قبر بنی تو مجھے پتہ چلا کہ اس جگہ کی تعریف کا کیا مقصد تھا۔

زیارت اہلِ قبور! آپ اکثر جمعہ کے روز اہلِ قبور کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ عوام الناس میں مشہور ہے کہ جمعہ کے روز اہلِ قبور کی زیارت ممنوع ہے حالانکہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ شیخ عبد الحق نے "مشکوٰۃ المصابیح" کی شرح میں لکھا ہے۔ کہ "قبور کی زیارت باعثِ ثواب ہے کیونکہ اس سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور موت کا تصور تازہ ہوتا ہے" جمعہ کے روز قبور کی زیارت خصوصاً نماز جمعہ سے قبل افضل ہے اور حرمین شریفین میں مروج ہے۔ اس لئے کہ جمعہ کے روز میت کو نسبتاً دوسرے ایام کے ادراک و احساس زیادہ ہوتا ہے۔

کتاب "درہم الکیس" میں مذکور ہے کہ

"جس روز قبر کی زیارت کی جائے باعثِ ثواب ہے لیکن ہفتہ، اتوار، جمعرات اور جمعہ کے روز قبور کی زیارت کرنا احسن ہے۔

ملا علی قاری نے 'شرح عین العلم' میں لکھا ہے کہ خمیس، جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن زیارتِ قبور بہتر ہے کیوں کہ ان ایام میں اہلِ قبور زائرین کو زیادہ پہچانتے ہیں۔ لہٰذا یہ چاروں زیادہ افضل ہیں۔ فتاویٰ برہنہ میں لکھا ہے کہ اہلِ قبور کی زیارت ہر ہفتہ میں ایک دن کرنا مستحب ہے۔ مگر پیر، بعد از نمازِ جمعہ اور ہفتہ کی صبح طلوعِ آفتاب تک اور خمیس کو پہلے پہر اور بعض کے نزدیک پچھلے پہر میں بہتر ہے۔

'شرح المنیہ' میں مذکور ہے کہ مردوں کے لئے قبور کی زیارت مستحب ہے عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ 'کشف البزدوی' میں لکھا ہے کہ صحیح بات یہ ہے کہ زیارتِ قبور کی رخصت مردوں اور عورتوں دونوں کو ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تمام اوقات میں کیا کرتی تھیں۔

'تحفہ حسینی' اور 'فتاویٰ جلالی' میں مذکور ہے کہ جو شخص ستر قدم چل کر قبور کی زیارت کے لئے جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ستر حج کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ نیز 'خزانۃ الروایات' میں ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص قبرستان میں جاتا ہے تو اہلِ قبور اس کے ساتھ چالیس قدم چلتے ہیں اور اس کے فاتحہ کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اگر وہاں فاتحہ پڑھ لی جائے تو ان کی روحیں خوش ہوتی ہیں لیکن اگر فاتحہ نہ پڑھی جائے تو وہ پریشان اور غمگین ہو جاتی ہیں۔ 'تحفہ حسینی' میں مذکور ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کو فرمایا کہ جب کوئی شخص قبروں کے پاس سے گزرے اور یہ پڑھے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو تمام قبور منور ہو جاتی ہیں۔ پڑھنے والے کی ایک لاکھ برائیاں معاف کر دی جاتی ہیں اور ایک لاکھ نیکیوں کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ 'خزانہ' میں ہی مذکور ہے کہ اہلِ قبور کے پاس سات بار سورۃ اخلاص پڑھنا مستحب ہے اس سے میت کی بخشش ہو جاتی

ہے اور اگر پہلے ہی بخشا ہوا ہے تو اس کا ثواب پڑھنے والوں کی طرف لوٹ آتا ہے۔

خلاصۃ الفوائد میں مذکور ہے کہ آپ کا وصال ۳ ذی الحجہ ۱۲۰۵ھ بروز خمیس بوقت صبح ہوا۔ آپ کی قبر مبارک بہار شریف سے تین کوس کے فاصلہ پر تاج سرور میں بنائی گئی جو زیارت گاہ خلائق ہے۔ آپ کی عمر ۶۳ برس تھی

آپ کے تین بیٹے اور دو لڑکیاں تھیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت فخر الدین نے فرمایا تھا کہ تم ایک نیکی کرنا کہ اپنا پہلا لڑکا ہماری ملکیت میں دے دینا۔ آپ نے مرشد کے حکم پر شادی کی۔ پہلی اولاد بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام زینت بی بی رکھا۔ جوان ہونے پر اس کی شادی ایک رئیس سے کر دی جو لالیکا کا رہنے والا تھا۔ بدقسمتی سے شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ بیوہ ہو گئیں۔ اس کے بعد موصوفہ کا زیادہ وقت اوراد و وظائف میں گذرتا۔ آپ بہت سخی بھی تھیں۔ ان کے بارے میں حضرتؒ اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے کہ زینت تو ہمارے گھر کی زینت ہیں۔ بیٹی کے بعد آپ کے ہاں ایک صاحبزادہ پیدا ہوا۔ جس کا نام نور الصمدؒ رکھا اور حسب وعدہ اُسے حضرتؒ کے نام کر دیا۔ صاحبزادہ صاحب ذرا بڑے ہوئے تو صاحبزادگی کے لاڈ پیار میں بعض اوقات والد گرامی کی مرضی کے بغیر کوئی کام کر دیتے۔ یہ صورت حال دیکھی تو پیر و مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت جو لڑکا آپ کے نام وقف کیا ہے وہ بعض اوقات میری مرضی اور رضا کے خلاف کام کرتا ہے۔ از راہ کرم دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا فرمائے۔ مرشد نے فرمایا کہ میاں صاحب قیامت کے دن میرے اس بیٹے کا اپنے دوسرے صالح بیٹوں سے مقابلہ و موازنہ نہ کر لینا۔“

آخر کار یہی صاحبزادہ صاحب آپ کے وصال کے بعد سجادہ نشین بنے۔ ابھی مسند خلافت پر بیٹھے صرف تین ماہ گذرے تھے کہ بہار قوم کے لوگوں نے انہیں شہید کر دیا اور وہ ہر طرح کے سوال و جواب سے فارغ ہو گئے۔ اُن کی شہادت یکم ربیع الاول ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار حضرت صاحبؒ کے مزار کے شرقی جانب بنایا گیا۔

دوسرے صاحبزادہ نور احمد صاحبؒ تھے۔ جو اپنے بزرگوں کی مسند خلافت پر

پچاس سال تک متمکن رہے۔ اِن کا سارا وقت ریاضت اور عبادت میں صرف ہوتا انہیں حافظ محمدؒ جمال ملتانیؒ کے دستِ مبارک سے خرقۂ خلافت اور پروانۂ سجادہ نشینی ملا تھا۔ آپ ہر کہ ومہ سے محبت و نرمی کا سلوک کرتے اور فقراء و سادات کے ساتھ اِن کی خصوصی وابستگی تھی۔ آپ سماع سے بے حد دلچسپی رکھتے۔ لیکن اکثر شوقیہ سماع کرتے۔ آپ کے دروازے پر جو سائل بھی آتا آپ حسبِ توفیق اس کی ضرور مدد کرتے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جب آپ نے سخاوت نہ کی ہو۔ آپ کا لنگر ہر خاص و عام کے لئے تھا۔ کوئی تخصیص نہیں تھی۔

صاحبزادہ صاحبؒ کی بے شمار کرامتیں ہیں۔ چنانچہ ایک بزرگ قاضی محمد سعید کہتے ہیں کہ ایک بار قبلہ حافظ صاحبؒ کے عرس شریف میں شرکت کے لئے ملتان تشریف لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً رات بندہ کے غریب خانہ پر گذاری۔ صبح آپ نے فرمایا کہ آپ بھی میرے ہمراہ ملتان چلیں۔ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط پر جانے کے لئے راضی ہوں اور وہ یہ کہ حضرت حافظ صاحب قبلہؒ کی زیارت اِن آنکھوں سے کروں۔ آپ نے کہا کہ ایسے ہی ہوگا۔ چنانچہ میں آپ کے ہمراہ ہو لیا۔ چلتے چلتے خیر پور پہنچے تو مولانا خدا بخشؒ کو بھی ہمراہ لے لیا۔ ہم دوپہر کے وقت دریائے ستلج پر پہنچے مجھے اس بات کی بڑی خوشی تھی کہ میں اِن دو عظیم بزرگوں کے ہمراہ ہوں اس لئے میرا مقصد حل ہو گا اور قبلہ حافظ صاحبؒ کی زیارت ہو جائے گی۔ لیکن جب ہم دریائے ستلج کے کنارے پہنچے تو مولانا خدا بخش صاحبؒ کی طبع علیل ہو گئی اور انہوں نے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

میں نے مولانا خدا بخش صاحبؒ سے کہا کہ میری بڑی خوش قسمتی ہوتی۔ اگر آپ بزرگوں کی وساطت سے مجھ گنہگار کو قبلہ حافظ صاحبؒ کی زیارت نصیب ہو جاتی۔ آپ نے میری یہ گفتگو سن کر کہا کہ ضرور ہو جائے گی۔ میں نے دوبارہ پوچھا کہ ہو جائے گی تو آپ نے بلند آواز سے فرمایا کہ ہاں ہو جائے گی۔ جب ہم مخدوم رشید صاحب حقانیؒ کی خانقاہ کے نزدیک پہنچ گئے۔ اور میں الگ گھوڑے پر سوار تھا تو آپ نے مجھے طلب کیا میں دوڑ کر خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا شیخ محمد جمال چشتیؒ نے حضرت قبلہ

عالم رحؒ کی شان میں چند اشعار کہے ہیں۔ یہ کہا اور انتہائی جوشِ الہانی سے وہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ ولی اللہ کی زبان میں تاثیر تھی کہ میں رقت کے مارے رونے لگا۔ اچانک نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت قبلہ حافظ صاحبؒ ایک گھوڑی پر سوار ہیں اور ہم سے تقریباً پندرہ فٹ کے فاصلہ پر تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں نے چاہا کہ بڑھ کر آپ کی قدم بوسی کروں لیکن اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ حضور غائب ہی نہ ہو جائیں نزدیک نہ گیا۔ آپ تیس کوس فاصلہ کے برابر ہمارے ہمراہ رہے۔ پھر حضرت صاحبزادہ صاحبؒ نے شعر بند کر دیئے تو آپ غائب ہو گئے۔ یہ زیارت صاحبزادہ صاحبؒ کی کرامت تھی۔

آپ کا وصال ۱۸ رمضان ۱۲۵۴ھ کو ہوا۔ آپ کی قبر حضرت قبلہ عالمؒ کی قبر مبارک کے ساتھ ہی غربی جانب بنائی گئی۔

کہتے ہیں کہ دفن کے لئے آپ کو اس مقام تک لایا گیا مگر جگہ بہت تنگ تھی اور ایک مزید قبر کی گنجائش نہیں نکل رہی تھی۔ گورکنوں نے کسّی چلائی تو ایک خوفناک آواز آئی جسے سُن کر تمام لوگ بھاگ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب لوگ واپس آئے تو دیکھا کہ وہاں کافی جگہ بن چکی ہے اور بڑی آسانی سے قبر بن گئی۔

تیسرے صاحبزادہ صاحب خواجہ نور حسنؒ تھے، جو سخاوت و فیاضی میں بے حد مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ اوائل عمر میں کوئی لغزش ہو گئی جس پر حضرت قبلہ عالمؒ آپ سے ناراض ہو گئے۔ چنانچہ یہ شرمندگی اور ندامت کے مارے والدِ گرامی کے سامنے نہ آیا کرتے۔ اتفاقاً حضرت فخر الدینؒ کے صاحبزادے میاں غلام قطب الدینؒ وہاں تشریف لائے تو آپ انہیں اپنا سفارشی بنا کر حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت قطب الدینؒ نے فرمایا کہ نوعمری کی وجہ سے جو غلطی ہو گئی ہے۔ آپ ازراہِ کرم معاف کر دیں۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ آپ کا ارشاد ہے تو میں اس کے دونوں جہان کے قصور معاف کرتا ہوں۔

حضرت قبلہ عالمؒ کی زندگی میں چونکہ آپ بہت ہی کم عمر تھے اس لئے حضرت نے ان کو اپنے خلیفۂ اعظم قاضی محمد عاقلؒ کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے

قاضی صاحبؒ سے ہی خلافت و بیعت کی اجازت حاصل کی تھی۔

آپ کا وصال ۲۲ شوال ۱۲۵۵ھ کو ہوا۔ آپ کی قبر مبارک حضرت قبلہ عالمؒ اور صاحبزادہ شہیدؒ کے مزاروں کی شرقی جانب بنائی گئی۔

آپ کی دوسری بیٹی کا نام صاحب بی بی تھا۔ ان کی شادی سید شیر شاہ صاحب کے ساتھ ہوئی جو حاجی سید رسول صاحب کی اولاد سے تھے۔ ان کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہوگیا۔ یہ خاتون وظائف و عبادات کی بے حد دلدادہ تھیں اس لئے ساری زندگی تجرید و تفرید میں گذار دی۔

آپ کے مندرجہ بالا تین لڑکوں سے آپ کی بہت نسل بڑھی۔ خدا آپ کی نسل کے ہر فرد کو ہر طرح کی پریشانی و مصیبت سے محفوظ رکھے آمین۔

آپ نے بہت سے افراد کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا تھا جن میں سے چند خلفاء کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شہباز تیز پرواز جبروت عالم معالم ناسوت و عنقاء
بے نشان لاہوت مظہر التام الصمد

خواجہ نور محمد ثانی نارووالہ رحمتہ اللہ علیہ

آپ خلیفہ صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ مولوی محمد گہلویؒ نے خیر الاذکار میں آپ کی حضرت قبلہ عالمؓ سے بیعت کی وجہ اور تفصیلات قلم بند کی ہیں کہ حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ کے دوستوں میں سے ایک دوست حضرت حافظ محمد سلطان پوری بھی تھے۔ حافظ صاحب اور حضرت خلیفہ نور محمد صاحبؒ عرصہ تک ہم درس رہے تھے۔ اس لئے ان دونوں حضرات میں محبت کا گہرا رشتہ قائم تھا۔ حافظ صاحب حضرت فخر الدینؒ کے ہاتھ پر بیعت کرکے گھر آئے تو مستی سے مغلوب ہو چکے تھے اور وجد کی حالت

میں مرغِ نیم بسمل کی طرح تڑپتے رہتے تھے حتیٰ کہ اس حالت میں ایک خشک کنوئیں میں گر گئے۔ جب حافظ نور محمد ثانیؒ نے ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم دیکھا تو حافظ صاحب کو کہا کہ اب جب بھی آپ حضرت فخر الدینؒ یعنی اپنے مرشد کے پاس جائیں تو میرا ایک عریضہ بھی اپنے مرشد کو پہنچا دیں۔ اس عریضہ میں آپ نے لکھا کہ اگر میں حاضرِ خدمت ہوں تو کیا آپ از راہِ کرم مجھے اپنے ہاتھ پر بیعت فرمالیں گے

حافظ صاحب کے ذریعہ جب آپ کا یہ عریضہ حضرت فخر الدینؒ کو ملا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ آپ جو اوراد و وظائف پہلے کیا کرتے ہیں وہی کرتے رہیں البتہ مثنوی مولانا روم کا مطالعہ بھی جاری رکھیں اور اگر بیعت کا ارادہ ہے تو آپ مہار شریف میں جاکر حضرت قبلہ عالمؒ کے ہاتھ پر کریں ؟

جواب آنے پر آپ فوراً مہار شریف روانہ ہو گئے۔ خیر پور پہنچے تو معلوم ہوا کہ قبلہ عالمؒ تو دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ آپ نے سوچا کہ اگرچہ آپ دہلی تشریف لے گئے ہیں پھر بھی میں آپ کے درِ دولت پر ضرور جاؤں گا اور وہاں آپ کی خانقاہ پر حاضری دوں گا۔ چنانچہ آپ خیر پور سے مہار شریف تشریف لے آئے۔ وہاں ایک دن پہلے ہی قبلہ عالمؒ دہلی سے واپس تشریف لا چکے تھے۔ قدم بوسی کی اور خدا کا شکر بجا لائے کہ حضرت والا مل گئے۔

حضرت قبلہ عالمؒ ان کے لئے طعام اور گائے کا دودھ لائے اور فرمایا کہ کھانا اور دودھ تناول فرمائیں یہ بالکل کسبِ حلال سے ہے۔

حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا میں پہلے جب بھی دہلی جایا کرتا تھا تو دو تین ماہ قیام کرتا تھا۔ اب بھی حسبِ معمول دو تین ماہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہارے پاس جنوب کی طرف سے ایک عقیدت مند بیعت کے ارادہ سے آ رہا ہے۔ اس لئے اس دفعہ میں خلافِ معمول جلد لوٹ آیا۔ آپ نے قبلہ عالمؒ کے ہاتھ پر بیعت کی سعادت حاصل کی۔

آپ نے اس طرح تندہی سے ریاضت، عبادت اور اشغال و وظائف ادا کئے

کہ تھوڑی ہی مدت میں اعلیٰ درجات پر جا پہنچے۔ آپ کے وظائف کا حال یہ تھا کہ آپ ایک بار قبلہ عالمؒ کے حجرہ کے قریب نفی و اثبات کے ذکر میں محو تھے۔ آپ نے اس شدت سے ذکر کیا کہ آپ کے سر کے بال بھی زمین پر گرنے لگے۔ مہار قوم کا ایک شخص خدا بخش بلا ناغہ آپ کو لسی اور مکھن مہیا کرتا تھا۔ تاکہ خشکی زیادہ نہ ہو جائے۔ ایک روز اس نے بڑی سخت آواز سے لسی اور مکھن آپ کو پیش کیا اور چلا گیا۔ قبلہ عالم صاحبؒ کو جب پتہ چلا تو آپ نے اس خدا بخش کو حکم دیا کہ آئندہ جب آپ ذکر میں مصروف ہوں تو اس خصوصی وقت میں ان کے پاس نہ جایا کرو ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ کہتے ہیں کہ خواجہ نور محمد ثانیؒ جب اپنے وطن حاجی پور میں رہتے تو نماز قصر یعنی دوگانہ ادا کرتے، لیکن جب مہار شریف میں حضرت صاحبؒ کی خدمت میں رہتے تو پوری نماز ادا کرتے۔ آپ کے اس رویہ پر بعض طالب علموں نے اعتراض کیا جو مبنی برحق نہ تھا۔ کیونکہ میری ناچیز رائے میں آپ کے اس عمل میں ایک خاص وجہ تھی۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ حدیث قدسی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلَا اِلٰی اَعْمَالِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اُن کے ظاہری اعمال کے لحاظ سے سلوک نہیں کرتا بلکہ وہ انسان کی نیّت کے مطابق جزا و سزا دیتا ہے۔ آپ کا یہ عمل مخلصانہ اور خالصتہً للہ تھا۔ کیوں کہ آپ شیخ و مرشد کے وطن کو اپنا وطن سمجھتے تھے۔ اس لئے ظاہراً اگرچہ مسافر بھی ہوتے پھر بھی نماز قصر نہ کرتے۔ اور اپنے گھر کو مسافر خانہ سمجھتے اس بنا پر آپ گھر میں قصر کرتے۔

آپ کی اتنی بے شمار کرامات ہیں کہ ان کی تفصیل اس کتاب میں لکھنی ناممکن ہے۔ اس موضوع پر تو ایک الگ ضخیم تصنیف چاہیئے۔ تاکہ ان کرامات کو احاطہ کیا جا سکے۔

"خیر الاذکار" میں مذکور ہے کہ آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ پاکپتن پورہ میں تھے۔ اس شہر کے ساتھ آپ کو خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ نے وصال سے پہلے مندرجہ ذیل تین باتوں کی وصیت کی:

۱۔ جب میں مرنے لگوں تو قوالوں کو بلا کر محفلِ سماع منعقد کی جائے۔ غزل عشقیہ ہو۔

۲۔ نزع کے وقت ایک بھیڑ ذبح کی جائے کہ جان کنی میں آسانی ہو۔

۳۔ دو تین ساتھی حلقہ بنا کر اللہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں۔

لیکن چونکہ آپ کا وصال راستہ میں ہوا تھا اس لئے آپ کے ساتھیوں نے تیسری وصیت پر تو عمل کر لیا لیکن پہلی دو وصیتوں پر سفر کی وجہ سے عمل نہ ہو سکا۔

میاں محمد جویہ، جو کہ آپ کے مخلص خادموں سے تھا، کا بیان ہے کہ ابھی آپ کو غسل نہ دیا گیا تھا کہ آپ کی زبان سے "ہو، ہو" کے الفاظ سنائی دے رہے تھے۔ دوسرے تمام افراد رونے دھونے میں معروف تھے اس لئے انہیں اس کا احساس نہ ہوا۔ لیکن جب قطب واہ کے کنارے آپ کو غسل دیا گیا۔ تو آپ کے ہونٹوں کی حرکت کے بجائے قلبی ذکر شروع ہو گیا۔ اس میں ایک راز مضمر ہے اور وہ یہ کہ جب تک زندہ رہے زبان سے ذکر کرتے رہے۔ آدمی جب فوت ہو جاتا ہے تو خواہ اسے غسل بھی دے دیا جائے تو مردہ ہونے کی وجہ سے ناپاک ہوتا ہے۔ اس لئے قلبی ذکر کرنے لگے۔

آپ کا وصال ۶ جمادی الاول ۱۲۰۳ھ کو ہوا۔ آپ کا مزار مبارک ڈیرہ غازیخان کے علاقہ حاجی پور میں زیارت گاہِ خلائق ہے۔

شہسوار میدان وحدت و شہنشاہ ملک معرفت، سالک و مسالک طریقت ناہج مناہج حقیقت، کامل المکمل،

قاضی صاحب محمد عاقل رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلہ عالمؒ کے خلفاء میں انہیں ایک ممتاز مقام حاصل ہے آپ کا نام تو محمد عاقل تھا لیکن کوریجہ کے نام سے مشہور تھے۔ میاں نصیر بخشؒ صاحب اپنے شیخ خواجہ خدا بخشؒ سے جو قاضی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے اور خلیفہ تھے روایت کرتے ہیں

کہ انہوں نے خود سُنا کہ آپ نے فرمایا تھا آپ خاندان، ذات اور قوم کے لحاظ سے قریشی ہیں۔ آپ کے آباؤ اجداد سندھ میں رہتے تھے۔ اجداد میں ایک ایسے بزرگ تھے جو معرفت و حقیقت کے عالم اور صاحبِ کمالاتِ عظیمہ تھے۔ پابندی کے ساتھ نمازیں ہمیشہ اوّل وقت ادا کیا کرتے۔ ایک دن آپ مسجد تشریف لائے جبکہ سپیدۂ سحر و صبح طور پر طلوع ہو چکا تھا۔ پوچھا کہ اذان ہو گئی؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں آپ موذن پر ناراض ہوئے۔ مسجد کے منبر پر ایک کوزہ پڑا تھا۔ آپ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور سندھی زبان میں فرمایا "کوزجو" یعنی کوزہ اذان کہو۔ آپ کی زبان سے یہ لفظ نکلے ہی تھے کہ اس کوزہ سے اذان کی آواز آنا شروع ہو گئی۔ اس دن سے آپ "کوزجو" کے نام سے مشہور ہوئے۔ کورجو سے کوریجہ غلط العوام ہے۔

میرے یعنی مصنّف کے والدِ گرامی نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد ماجد سے سُنا اور انہوں نے خود حضرت قاضی صاحبؒ سے روایت کیا۔ کہ اُن کے والدِ گرامی قاضی محمد شریف صاحبؒ نے حضرت قبلہ عالمؒ سے بیعت کرنے سے کچھ عرصہ پہلے اپنے دونوں بیٹوں قاضی نور محمدؒ اور قاضی محمد عاقل صاحبؒ کو بتلایا کہ انہیں خواب میں یہ اشارہ ہوا ہے کہ چند روز بعد مشرق کی جانب سے ایک شخص آئے گا جو خود انہیں اور ان کی اولاد کو صحیح طور پر مسلمان بنائے گا۔ چنانچہ حضرت قبلہ عالمؒ اپنے چند درویشوں کے ہمراہ مہار شریف سے حضرت خلیفہ صاحبؒ کی طرف آئے۔ اُس مسجد میں پہنچے جو قصبہ باران والی میں واقع ہے۔ قاضی نور محمد صاحبؒ جو جسیم لحیم تھے۔ نے وعظ کیا تو حضرت کے ایک عقیدتمند میاں احمد گوندلی کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اس شخص کو حالتِ سماع میں وجد آجائے تو اتنا موٹا ہونے کی بنا پر یہ رقص کیسے کرے گا۔ ناگاہ حضرت صاحبؒ کی نگاہ قاضی نور محمدؒ پر پڑی۔ اِن کے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی۔ اُن کے والد کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ دوڑتا ہوا حضرت صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدموں میں گر پڑا۔ حضرت صاحبؒ سے دعوت قبول کرنے کی درخواست کی جو انہوں نے منظور فرمالی۔

محمد شریف صاحبؒ مذکور نے دیکھا کہ حضرت صاحبؒ کے ساتھ صرف گنتی کے چند اشخاص ہیں۔ اس لئے گھر جا کر بیس سیر آٹے کی روٹیاں اور ایک دنبہ کے گوشت کا انتظام کیا۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت صاحبؒ ان کے گھر دعوت پر تشریف لائے تو آپ کے ہمراہ ایک سو تیس افراد تھے۔ کھانا اگرچہ صرف چند آدمیوں کے لئے پکا تھا لیکن اللہ کے حکم سے اس کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ اس کثیر تعداد نے پیٹ بھر کر کھا لیا۔ اس موقعہ پر میاں محمد شریف اور قاضی نور محمد صاحبؒ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک قاصد سٹھن کوٹ کی طرف بھی روانہ کر دیا تاکہ حضرت قاضی صاحبؒ آ جائیں اور حضرت صاحب قبلہؒ کی زیارت سے فیض یاب ہو لیں۔ مولوی محمد گھلوی کا کہنا ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے بھی یہیں بیعت کی تھی۔ مگر مصنف کے والد اپنے والد گرامی کے حوالہ سے اور وہ حضرت قاضی صاحبؒ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے حضرت قاضی صاحبؒ سے یہاں بیعت نہیں لی تھی البتہ کچھ اوراد کی تلقین فرمائی تھی۔ بیعت کی سعادت قاضی صاحب کو ایک سال بعد اوچ شریف میں حضرت حقانیؒ کے مزار کے شمالی طرف نصیب ہوئی تھی اور وہ بھی سلسلہ چشتیہ میں سے ہی تھا۔ البتہ اس موقع پر آپ نے مزید معمولاتِ چشتیہ اور وظائف کی تلقین فرمائی۔

منقول ہے کہ قاضی صاحبؒ اس قدر بلند آواز سے ذکر کیا کرتے تھے کہ بعض لوگ تین کوس دور سے سنتے تھے۔ آپ اپنے غلاموں کو بھی ذکر کیلئے مامور فرماتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ آپ نے چند سلوک کی کتابیں براہ راست حضرت فخر الملت والدینؒ سے پڑھی تھیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ عالمؒ دہلی گئے ہوئے تھے۔ قاضی صاحبؒ مہار شریف پہنچے تو انہیں قبلہ عالمؒ کے دہلی جانے کا علم ہوا۔ آپ اسی وقت حضرت قبلہ عالمؒ کی زیارت کے لئے دہلی روانہ ہو گئے اور سفر کی صعوبات کے بعد آخر کار دہلی جا کر ہی دم لیا۔ جب حضرت قبلہ عالمؒ نے حضرت قبلہ مولانا صاحبؒ سے واپسی

کی اجازت طلب کی تو حضرت مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ نوجوان ابھی آیا ہے۔ چند دن ہمارے پاس قیام کر کے پھر چلا جائے۔ قبلہ عالمؒ نے حضرت مولانا صاحبؒ کے فرمان کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ مگر قاضی صاحبؒ نے حضرت فخر الدینؒ سے عرض کیا کہ انہوں نے اُن کے مرشد کے بعد جو عنایت و کرم نوازی ان پر فرمائی ہے، اس کے بدلے میں اُن کے مرشد کے سپرد فرما دیجئے۔ چنانچہ یہ درخواست شرفِ قبولیت سے سرفراز ہوئی۔

کہتے ہیں کہ حضرت قبلہ عالمؒ کے پاس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر اُن تک تمام بزرگوں کی جو نعمت سینہ بسینہ چلی آ رہی تھی، انہیں خرقہ خلافت عطا فرما کر سپرد فرما دی۔

چند دنوں کے بعد آپ کے مرشدؒ نے فرمایا "قاضی صاحب! آپ لوگوں کو "اللہ" یعنی اسم ذات کی تلقین کیوں نہیں کرتے۔ آپ نے اس ضمن میں عرض کیا کہ اگر مجھے کوئی پوچھے تو بتاؤں، دیواروں کو کیسے بتاؤں۔ مرشدؒ نے فرمایا کہ سبحان اللہ تم کو تو مخلوق آسمان پر بھی نہیں چھوڑے گی اور تم کہتے ہو کہ کس کو بتاؤں۔ کہتے ہیں کہ اس گفتگو کے بعد جب قاضی صاحبؒ حجرہ سے باہر آئے تو بے شمار لوگ آپ کے انتظار میں قطار باندھے کھڑے تھے۔ آپ نے اپنے مرشدؒ کی ہدایت کے مطابق ان سے بیعت لی۔

آپ صاحبِ کمال شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کے پاس جو بھی کسبِ فیض کے لئے آتا، آپ اسے پہلے علومِ ظاہریہ حاصل کرنے کی ہدایت فرماتے۔ پھر اگر میلان اور اہلیت نظر آتی تو اُسے باطنی انوار و حقائق سے مالا مال کر دیتے۔ تمام طلبا کے لئے کھانے پینے اور کتابوں کی بہم رسانی کا بوجھ آپ نے اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ آپ علم کے ایک بے پایاں سمندر تھے مگر ذہن ہر وقت اللہ کی یاد میں مگن رہتا۔ میاں خدا بخشؒ آپ کے پاس "مطول" کا سبق لیا کرتے تھے۔ ایک دن میاں صاحب اور آپ کے درمیان "مطول" کے کسی

سبق پر بحث کا سلسلہ چل نکلا۔ آپ نے کتاب کو غور سے دیکھا تو میاں صاحب کا موقف درست نکلا۔ آپ پڑھانے لگے۔ اسی دوران میں میاں صاحب کے دل میں ایک طرح کا غرور پیدا ہوگیا۔ جب سبق ختم ہوا تو آپ نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا "سبحان اللہ علمِ ظاہر اور علم باطن میں کتنا بڑا فرق ہے۔ علمِ ظاہری جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنا غرور بڑھتا ہے۔ لیکن علم باطن جتنا زیادہ ہو۔ انسان کے اندر اتنا ہی انکسار پیدا ہوتا ہے اور تواضع بڑھ جاتی ہے اور مرید میں ادب واحترام کا غلبہ ہو جاتا ہے۔" آپ کا یہ کلام سن کر میاں صاحب بہت نادم ہوئے اور توبہ کی۔

آپ کو سماع سے خاص لگاؤ تھا۔ عام طور پر وہ غزلیات پسند کرتے، جن میں وحدت الوجود کا ذکر ہوتا۔ آپ کرامات کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ کئی معتبر اشخاص سے سنا ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔ اس خاطر کہ کسی شخص کو آپ کی اس کرامت کا علم نہ ہو جائے، آپ بالعموم دن کو باہر نہ نکلتے تھے۔ صرف رات کو باہر آتے تاکہ خواہ مخواہ تشہیر نہ ہو۔

بعض لوگ اپنی کم عقلی کے باعث آپ کی اس کرامت کے منکر ہیں۔ بندہ ناچیز ان کم فہم لوگوں کو سمجھانے کے لئے عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں ہے "مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا وَلَہٗ نَظِیْرٌ مِنْ اَوْلِیَاءِ اُمَّتِیْ"۔ یعنی جو معجزات کسی نبی سے ظاہر ہوتے تھے میری امت کے اولیاء میں اسی طرح کی کرامتیں ظہور پذیر ہوا کریں گی۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کی ولایت کے جامع ہیں اور جو ولی اللہ اپنی استعداد اور رسول اللہ کی مدد سے اعلیٰ مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ اگر اس سے کوئی کرامت معجزہ کے مطابق واقع ہو تو تعجب کی بات نہیں کیونکہ اولیاء کی کرامت دراصل معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو ہوتی ہیں۔

چنانچہ حضرت شیخ کمال الدین علامہؒ کے فرزند بزرگ اور سجادہ نشین حضرت شیخ سراج الدینؒ نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے کہ ولایت کی تین قسمیں ہیں۔ صغریٰ۔ کبریٰ۔

ملأالاعلیٰ صُغریٰ اس گدڑی کی طرح ہے جس کے رنگ اور بناوٹ خالص ہیں اور صاحب ولایت پر حالت سکر طاری رہتی ہے۔ کبریٰ۔ انبیاء کی ولایت ہے اور اس میں کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ اور صحو خاص حاصل ہوتا ہے۔ ملأالاعلیٰ اسے ولایت علیا بھی کہتے ہیں۔ یہ مقرب فرشتوں کے کمالات و مکاشفات کا حصول ہے۔ جب کوئی ولی اللہ ولایت کے مرتبہ سے ترقی کر کے نبوت کے کمالات میں داخل ہوتا ہے تو اپنی استعداد و اہلیت کے مطابق اسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حاصل ہو جاتے ہیں۔ پس ہر نبی کے تابع ولی کامل کو اس کے نبی کی استعداد نبوت سے حاصل شدہ شہود ذاتی سے اپنی استعداد کے مطابق حصہ مل جاتا ہے اور ولی کی استعداد اس کے نبی کی استعداد سے متبدل ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کی ولایت موسوی سے مناسبت ہوتی ہے تو اس کے کمالات بھی موسوی کمالات میں متبدل ہو جاتے ہیں۔

چونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات جامع کمالات انبیاء ہے۔ اس لئے ان کا تابع ولی اگر استعداد موسوی رکھتا ہے تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ولایت موسوی حاصل کرے گا۔ اور اگر استعداد عیسوی یا محمدی رکھتا ہے تو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کرے گا۔ غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء میں سے ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق کسی خاص ولایت کا فیض اس ذات پاک سے حاصل کرتا ہے۔ (شجرۃ الانوار)

پس ہو سکتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب کو بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے ولایت محمدی عطا ہوئی ہو اور ان سے یہ کرامت ظاہر ہوگئی ہو اور انہیں وہی کمال حاصل ہو گیا ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔

میں نے کئی ثقہ لوگوں سے سنا کہ ایک مرتبہ سلطان متوکلاں حضرت خواجہ محمد سلیمان قدس اللہ سرہ پاکپتن تشریف لائے۔ راستہ میں موہیکا کے قصبہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ وہاں ارشاد فرمایا کہ اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنا ممکن

ہوتی تو پھر یہ حضرت قاضی صاحب کو ملتی

کہتے ہیں کہ ایک بار خواجہ محمد سلیمان صاحب ثانی جاگیرات کی رہائی کے لئے تشریف لائے جو رئیس اعظم ملک خان بہاول خان نے حضرت قبلہ عالم کی اولاد کو عطا کی تھیں مگر پھر ضبط کر لی تھیں۔ آپ نے احمد پور میں مولوی غوث بخش کے مکان پر قیام کیا۔ اسی اثناء میں خان مذکور بھی آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ آپ کے فرمان پر جاگیرات واپس کر دیں۔ اور عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ حضرت قاضی صاحب کے لنگر میں وسعت پیدا ہو۔ حضرت خواجہ صاحب کو خان کی یہ بات ناگوار گزری آپ نے فرمایا ہے

جہاں پر سماع است مستی و شور
ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

(یعنی دنیا میں تو شور و شغف اور گہما گہمی موجود ہے لیکن بھلا ایک نابینا شخص کو شیشہ میں کیا نظر آتا ہے۔)

منقول ہے کہ آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ایک عقیدت مند خان محمد صادق خان رئیس اعظم نے درخواست کی کہ آپ کا مزار دریا کے کنارے موضع شیدانیاں میں بنایا جائے جو ہندوؤں کی تباہی کے بعد آپ کا آخری عمر کا مسکن رہا تھا۔

لیکن صاحبزادہ احمد علی صاحب کی خواہش تھی کہ مزار کوٹ مٹھن میں بنایا جائے۔ خان مذکور نے پتن بند کروا دیا تاکہ آپ کو دریا کے پار نہ لے جایا جا سکے آپ کا انتقال ہوا تو لوگ حیران تھے کہ نعش مبارک کو دریا کے پار کیسے لے جایا جائے اچانک ایک ملاح دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ حضرت قاضی صاحب نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ اگرچہ پتن سرکاری طور پر بند ہے مگر تم ہمیں لازمی طور پر دریا کی دوسری جانب پہنچاؤ اس لئے میں کشتی لے آیا ہوں چنانچہ آپ کے تابوت مبارک کو کشتی میں کوٹ مٹھن پہنچایا گیا اور وہیں آپ کی تدفین ہوئی۔

آپ کا وصال مورخہ ۸ رجب ۱۲۲۹ھ کو ہُوا۔ آپ کی قبر مبارک زیارت گاہ مخلوقات ہے۔

شہنشاہ زمین و زماں، ہادی راہ گمراہاں، ملجائے وماوائے نیازمنداں، سلطان متوکلاں، وارث ملک سلیمان، المستغنی عن الوصف والبیان،

حضرت خواجہ محمد سلیمان قدس سرہ العزیز

آپ کا شمار بھی حضرت کے خلفائے عظام میں ہوتا ہے۔ حضرت قبلہ عالمؒ کو حضرت فخر الدینؒ کی جانب سے حکم تھا کہ کوہستان کے دامن میں ایک شاہباز ہے اسے بہر طور زیر دام لانا ہے۔ قبلہ عالمؒ نے خواجہ نور محمد ثانیؒ اور حافظ محمد جمال ملتانیؒ کو مرشد کا حکم سنایا اور فرمایا کہ انہیں ہر سال سنگھڑ کے علاقہ کا چکر لگانا ہے۔ اور جس شخص میں مطلوبہ علامات پائی جائیں اُسے یہاں لے آنا ہے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات اس علاقہ کا چکر لگاتے رہے مگر وہ شہباز دستیاب نہ ہُوا۔

کہتے ہیں کہ خواجہ محمد سلیمانؒ ابتدا میں تونسہ شہر کی سفید مسجد میں ایک بزرگ سے دینی علوم پڑھا کرتے تھے۔ پھر مٹھن کوٹ آکر میاں احمد علی جیوؒ سے قطبی پڑھنے لگے۔ خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں جب میں کوٹ مٹھن میں تھا تو وہاں قبلہ عالمؒ کے کمالات سُنا کرتا، لیکن صرف سماع کے سبب میں معتقد نہ ہُوا۔

اتفاقاً اسی دوران قبلہ عالمؒ اُچ شریف تشریف لائے۔ بے شمار لوگ آپ کی زیارت کے لئے گئے۔ میں بھی مسئلہ سماع پر گفتگو کرنے کے لئے آپ کی جانب چلا۔ میں نے راستہ میں ایک شخص سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ حضرت قبلہ عالمؒ کی زیارت کے لئے اُچ شریف جا رہا ہوں۔ اس کے پاس کچھ کھجوریں تھیں جو حضرتؒ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے لے جا رہا تھا۔ میں نے اس سے

کھجوریں چھین کر کھالیں۔ اور کہا کہ حضرت ایک درویش آدمی ہیں انہیں بھلا ایسی چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟ جب میں اُچ شریف پہنچا تو دیکھا کہ بے شمار لوگ قطب العالم حضرت جلال الدین بخاریؒ کے مزار کے گرد جمع ہیں۔ اِن میں ایک شخص، جس کا نام مقبول رہکلہ تھا، لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ باتیں کر رہا ہے۔ میں سمجھا یہی قبلہ عالمؒ ہوں گے۔ لیکن جب قبلہ عالمؒ حجرہ سے باہر آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت یہ ہیں۔ کہ لوگ آپ کے قدموں پر گر رہے تھے۔ سوچا کہ اِس سفید ریش کے ساتھ اتنے بڑے مجمع میں گفتگو کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہ خیال آنا تھا کہ آپ نے مجھے بازو سے پکڑ لیا۔ اُسی وقت مجھے خودی سے نجات مل گئی آپ نے مجھے اپنی بیعت میں لے لیا چند وظائف کی تلقین کی اور تھوڑی سی مصری کھانے کے لئے عطا فرمائی۔ میں نے مصری تو وہیں کھالی۔ اور ایک اینٹ سے جسے خاکِ شفا سمجھا جاتا تھا۔ سو ٹکڑے لے کر دامن میں باندھ لئے۔

بیعت کے بعد آپ نے قطبی پڑھنی چھوڑ دی اور مست عاشقوں کی طرح دن رات عشق و محبّت کی باتیں کرنے لگے اور آزاد منش لوگوں کی طرح اِدھر اُدھر گھومنا شروع کر دیا۔ آپ کے رشتہ داروں نے رکاوٹ کیلئے کمرے کے اِرد گرد کانٹوں کی باڑ لگا دی مگر جب آپ پر شوق کا غلبہ ہوا تو آپ باڑ پھلانگ کر باہر آگئے کپڑوں کو پارہ پارہ کر دیا اور پروانوں کی طرح اس شمع کی طرف روانہ ہو گئے۔ تین چار دِن کی مسافت کے بعد آخر کار حضرتؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ راقم کے والد صاحبؒ اپنے والد ماجدؒ اور قبلہ عالم صاحبؒ کے لانگری غلام رسول کی زبانی بیان فرماتے ہیں کہ قبلہ عالمؒ کے وصال کا وقت قریب آیا۔ تو آپ نے اپنے بیٹے نور الصمد شہیدؒ کو فرمایا کہ روہیلہ کو فوراً بلا لاؤ۔ صاحبزادے نے کہا کہ میں زادِ راہ دے کر کسی آدمی کو بھیج تو دوں لیکن کسی شخص کو اُن کی قیام گاہ کا علم نہیں اس لئے مجبوری ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا اچھا۔ وہ خود ہی آجائے گا۔

کہتے ہیں کہ اس مرتبہ خواجہ محمد سلیمان موضع "دہرک" میں قیام فرما تھے غیب

سے آواز سُنائی دی کہ "قافلہ تیار ہے۔ جلدی کرو"۔ آواز سُن کر آپ فوراً روانہ ہو پڑے۔ دو تین روز کے مسلسل سفر کے بعد آپ دریائے ستلج کے پتن پر پہنچے تو یہاں نہ کوئی کشتی تھی نہ ملّاح۔ آپ اسی حیرانگی و پریشانی میں کھڑے تھے کہ غروبِ آفتاب کے وقت ایک شخص کشتی لے کر ساحلِ دریا پر آیا اور عرض کیا کہ آپ اگر دریا پار کرنا چاہتے ہیں تو اس کشتی میں آجائیے۔ چنانچہ آپ اجنبی کی کشتی میں بیٹھ کر دوسرے کنارے پہنچے تو وہ اجنبی آناً فاناً نظروں سے غائب ہو گیا۔ آگے سفر کی وجہ سے پاؤں میں آبلے پڑ گئے۔ اور خون بہنے لگا۔ متواتر پانچ روز سے شدید بخار بھی تھا۔ اسی حال میں آپ قبلہ عالمؒ کی خدمت میں پہنچے۔

حضرت قبلہ عالمؒ اس وقت بے حد ضعیف و ناتواں تھے اور اس مصنف کتاب کے دادا مرحوم خواجہ نور احمدؒ کے سہارے پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ خواجہ محمد سلیمانؒ نے کسی اور شخص سے ملاقات نہ کی بلکہ سیدھے قبلہ عالمؒ کے حضور پہنچ کر آپ کے پائنتی کے جانب بیٹھ گئے۔ قبلہ عالمؒ نے آپ پر خصوصی توجہ فرمائی جس کی وجہ سے کبھی تو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد اور کبھی سُرخ ہو جاتا۔ صبح سے لے کر دوپہر تک رنگوں کے تغیر کا سلسلہ جاری رہا۔ میاں غلام رسُول لانگری نے خواجہ محمد سلیمانؒ سے عرض کیا کہ کھانا کھا لیجئے قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ انہیں اس حالت میں کہیں نہ لے جاؤ اور نہ ہی کچھ کہو، زوالِ آفتاب کے وقت تک آپ کو قبلہ عالمؒ سے جو فیض و برکت ملنی تھی مل چکی۔ پھر آپ وہاں سے اُٹھے اور قبلہ عالمؒ کے دوسرے خدام سے ملے اور اس سے قبل نہ ملنے پر معذرت چاہی۔

کتب مشائخ میں ہے کہ جب ایک سالک اپنے محبوب حقیقی کو حالتِ جمال میں دیکھتا ہے اور اس کی بھرپور توجہ اپنے اندر محسوس کرتا ہے تو سالک مسکراتا ہے اور اس کا رنگ سُرخ ہو جاتا ہے۔ لیکن وہی سالک جب محبُوب کو حالتِ جلال میں دیکھتا ہے اور اس سے جدائی کا دھڑکا دامن گیر رہتا ہے تو اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ یہی وہ دو سبب تھے جن کی وجہ سے خواجہ محمد سلیمانؒ کے چہرے پر دو

مختلف رنگ آتے جاتے رہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبلہ عالمؒ کے عرس کے موقع پر سماع کی محفل میں آپ پر وجد طاری ہوا جس کی وجہ سے منہ، آنکھوں، کان، ناک اور چھاتی سے خون جاری ہوا اور آپ بے حس و حرکت زمین پر گر پڑے۔ نواب غازی الدینؒ نے نبض دیکھی تو اس میں بالکل حرکت نہ تھی۔ نواب موصوف نے کہا کہ آپ انتقال کر گئے ہیں اسلئے ان کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کیجئے۔ حافظ محمد جمال ملتانیؒ اسی حالت میں آپ کو اٹھا کر میاں غلام رسول لانگری کے حجرے میں لے گئے اور لوگوں کو اندر آنے سے منع کر دیا۔ حافظ صاحبؒ نے مصنف کے دادا خواجہ نور احمدؒ کو حکم دیا کہ پنکھا کرو اور خود آپ کے چہرہ پر عرق گلاب چھڑکنے لگے۔ ظہر کے وقت خواجہ محمد سلیمانؒ کے پاؤں میں حرکت محسوس ہوئی۔ ظہر کی اذان ہوئی تو آپ بخیر و عافیت اٹھ کھڑے ہوئے وضو کیا اور صحیح طور پر نماز ادا کی۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس طرح کے مریضوں کا علاج تو اس طرح کے طبیب ہی کر سکتے ہیں، ورنہ طب کے ضابطوں کے مطابق تو خواجہ صاحبؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ بالکل اسی طرح کا وجد آپ کو حضرت خلیفہ صاحبؒ کے عرس کے موقع پر بھی طاری ہوا تھا۔ یعنی حضرت نور محمد ثانیؒ صاحب کے عرس پر۔

شاہ محمد اکرم صابریؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ جب سالک عروج کے مراحل طے کر رہا ہو تو اس طرح کی کیفیت عموماً رونما ہوتی ہے اور یہ سالک کی خوش نصیبی کی علامت ہے۔ بقول والد گرامیؒ مولوی نور محمد پوریطہ خلیفہ نور محمد ثانی صاحبؒ بیان کرتے ہیں "کہ ایک مرتبہ میرے شیخ یعنی حضرت نور محمد ثانیؒ مہار شریف تشریف لائے ہم غلام بھی آپ کے ہمراہ تھے خواجہ سلیمانؒ پیدل ہی ہمارے ساتھ چل پڑے۔ خلیفہ صاحبؒ اپنی سواری سے اتر آئے اور آپ کو اپنی سواری پر سوار کیا۔ دو تین دن یہی حالت رہی کہ ایک سواری تھی جس پر نصف فاصلہ خلیفہ صاحبؒ اور نصف فاصلہ خواجہ محمد سلیمانؒ سوار ہوتے۔ چونکہ ہم لوگوں کو خواجہ محمد سلیمانؒ کی عظمت کی صحیح طور پر خبر نہ تھی اس لئے ہم نے باہم مشورہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح اس نوجوان کو تنگ کر دیا جائے۔ تاکہ حضرت اسی و محمد

بچ جائیں خلیفہ صاحبؒ اپنے نورِ معرفت کے سبب ہمارے مشورے سے باخبر ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ نوجوان ہمارا ایک بزرگ پیر بھائی ہے، ایک وقت آئے گا کہ سارا جہان اس کے دروازہ پر سجدہ ریز ہوگا۔ خبردار اس کے خلاف کوئی بات نہ کرنا۔"

والد صاحبؒ نے بھی بتلایا کہ ایک مرتبہ جبکہ میں حافظ محمد جمال صاحبؒ کی خدمت میں حاضر تھا تو خواجہ محمد سلیمانؒ وہاں تشریف لائے حافظ صاحبؒ کو پتہ چلا کہ خواجہ صاحبؒ آئے ہیں تو آپ خود استقبال کے لئے حویلی کے دروازے تک تشریف لائے۔ جونہی آپ کی نظر خواجہ محمد سلیمانؒ پر پڑی تو فرمایا کہ اللہ کی شان، ہمارے اس پیر بھائی کو جو عظیم دولت مرشد سے ملی ہے وہ ہم میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سی خصوصی نعمت ہے جو صرف انہی کو مرشد کی طرف سے ملی ہے تو خلیفہ صاحبؒ نے فرمایا۔ وہ توکل ہے، جو حضرت مولانا صاحبؒ کے پاس تھا۔ اور صرف انہیں ملا۔

بعض بزرگوں سے میں نے سنا کہ ایک دن قبلہ عالمؒ تشریف فرما تھے اور نواب غازی الدین، مولوی اسد اللہ اور قاری عزیز اللہ صاحب بھی شریک محفل تھے قبلہ عالمؒ نے فرمایا سبحان اللہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نعمت سے بھری ہوئی دیگ عطا ہوئی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کو عطا فرماتے رہے اور یہ دیگ بدستور پُر ہی رہی۔ پھر خلفائے راشدین کو یہ دیگ ملی۔ انہوں نے بھی اسے تقسیم کیا اور یہ پہلے کی طرح بھری رہی حتیٰ کہ سلسلہ بسلسلہ مشائخ عظام تک پہنچی پھر حضرت مولانا فخر الدینؒ تک پہنچی اور ان کے بعد اس بندۂ ناچیز کو یہ بھری ہوئی دیگ عطا ہوئی۔ ہم بھی ہر شخص کی اہلیت اور استعداد کے مطابق اسے لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ یہاں سے عالم بقا کی طرف روانہ ہونے سے قبل میں یہ دیگ خواجہ نور محمد ثانیؒ کے حوالہ کر جاؤں۔ لیکن غالباً مشیت ایزدی کچھ اور ہے۔ نواب مرحوم نے پوچھا کہ پھر وہ کون خوش نصیب شخص ہے جسے یہ دیگ ملنی ہے۔ آپ نے اس کے سوال پر اس کے خادم کو مسجد کی طرف بھیجا کہ جاؤ فلاں روہیلہ مسجد میں بیٹھا ہوگا اسے بلا لاؤ وہاں خواجہ محمد سلیمانؒ تھے وہ انہیں

بلا لایا۔

آپ نے اشارتاً فرمایا یہ وہ خوش قسمت شخص ہے۔ پھر آپ نے خواجہ محمد سلیمانؒ کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ تم ایک کوہستانی دیہاتی ہو جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اس کی پوری حفاظت کرنا۔ پھر آپ نے خواجہ صاحب کو رخصت کر دیا۔ اسی حوالہ کی روشنی میں مولانا خدابخش ملتانی ثم خیر پوریؒ حضرت کو صاحب سنگھڑ کی بجائے صاحب لنگر کہا کرتے تھے۔

منقول ہے کہ حضرت قبلہ عالمؒ نے خواجہ محمد سلیمانؒ کو فرمایا کہ دوسرے ساتھی تو مولانا فخرالدینؒ کی زیارت سے بہرہ ور ہو چکے ہیں آپ بھی اِن کی زیارت سے فیض یاب ہو آئیں۔ چنانچہ قبلہ عالمؒ کے ارشاد کے مطابق آپ دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ تانسیؒ پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرتؒ کا وصال ہو گیا ہے۔ سوچا کہ اگرچہ مولانا فخرالدینؒ کا وصال ہو گیا ہے تاہم مجھے بہر طور آپ کے در اقدس پر حاضر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے دہلی پہنچ کر حضرت مولانا صاحبؒ کی قبر مبارک کی زیارت کی۔ چونکہ آپ کے وصال کو چند دن ہی گذرے تھے اس لئے قبر تر و تازہ تھی غسل کے وقت آپ کا دانت مبارک گر گیا تھا۔ خادم چراغ لے کر غسل کی جگہ پہنچا تو اسے آپ کا دانت نظر پڑا۔

صبح ہوئی تو خادم نے سوچا کہ قبر میں شگاف ڈال کر اس دانت کو دفن کر دینا چاہیئے۔ قبر اکھیڑی جا رہی تھی اور حضرتؒ کی زیارت کے لئے بے شمار لوگ وہاں جمع تھے۔ خادم نے تمام لوگوں کو پرے ہٹا کر خواجہ محمد سلیمانؒ کو آواز دی کہ آؤ اور حضرت کے روئے اقدس کی زیارت کر لو۔ آپ نے زیارت کی ہی تھی کہ بے خود ہو کر زمین پر گر پڑے کہتے ہیں کہ خواجہ صاحبؒ کو اس زیارت سے اس قدر سرور حاصل ہوا کہ مسلسل اٹھارہ روز تک دینا و مافیہا سے بالکل بے خبر رہے۔ لیکن ان دنوں بھی آپ کی کوئی نماز قضا نہ ہونے پائی۔ جب آپ ہوش میں آتے تو اپنے ساتھی غلام حیدر سے دریافت کرتے کہ کیا میں نے نماز ادا کر لی ہے؟ وہ عرض کرتا جی ہاں۔ آپ نے باقاعدہ وقت پر نماز ادا فرما لی ہے۔ آپ فرماتے کہ اس نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک بار پھر پڑھ لیتا ہوں۔

آپ کو کشف و کرامت کی تشہیر سخت ناپسند تھی پھر بھی آپ کی اتنی کرامات ہیں کہ انہیں بالتفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ تاہم بعض ثقہ لوگوں سے مروی چند کرامات کا ذکر کیا جاتا ہے:

آپ کے انتہائی عقیدت مند اور خلیفہ مجاز میاں عبدالشکورؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپ کی مجلس میں شیخ احمد جامؒ کے اشعار کا ذکر چل نکلا تو آپ نے فرمایا کہ ان کی یہ غزل بے حد عمدہ ہے۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

شراب بیخودی در جام کردند
بمستانِ اَلَست اعلام کردند

اور فرمایا کہ اگر یہ پوری غزل کہیں سے دستیاب ہو جائے تو بہتر ہے۔ رفقاء نے شیخ احمد جامؒ کا دیوان تلاش کیا لیکن نہ ملا۔ اس لئے یہ غزل بھی دستیاب نہ ہو سکی۔ آپ نے اس بندہ ناچیز کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس غزل کو ہمارا افغانی نوجوان عبدالشکور ڈھونڈھ لائے گا۔ تمام ساتھی سوچ رہے تھے کہ بھلا یہ غزل کہاں سے ملے گی؟ جب رات ہوئی تو حضرت نے پوری کی پوری غزل مجھے خواب میں پڑھائی وہ مجھے یاد بھی ہو گئی۔ صبح میں نے حافظہ کی مدد سے وہ پوری غزل لکھ کر آپ کی خدمت اقدس میں پیش کی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی بتلا دیا تھا کہ یہ کام صرف تم ہی سرانجام دے سکتے ہو۔

عبدالشکورؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؒ ابتداء میں قضائے حاجت کے لئے صحرا میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اس دوران میں میں اور محمد علی شاہ نیز دیگر ہندوستانی احباب بالاخانہ پر ہی رہتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ عصر کے وقت آپ رفع حاجت کیلئے صحرا کی طرف تشریف لے گئے تو آپ کی عدم موجودگی میں سنگھڑ کے علاقہ کا رئیس اسد خان آپکی قدم بوسی کے لئے آیا۔ اور سیدھا آپ کے حجرہ میں چلا گیا۔ اور حضرتؒ سے گفتگو کرنے لگا۔ ہم اپنے کانوں سے حضرتؒ کی آواز سن رہے تھے میں نے حضرت محمد علی شاہ صاحب کو کہا کہ حضرت تو صحرا میں تشریف لے گئے ہیں، پھر یہ اندر حجرے سے آپ کی آواز کیسے آ رہی ہے؟

شاہ صاحبؒ نے کہا کہ اللہ والے میری اور تمہاری طرح نہیں ہوتے کہ صرف ایک ہی جسم میں مقید رہیں۔ بلکہ ان کے کئی اجسام ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ صحرا میں آپ کسی ایک جسم کے ساتھ گئے ہوں اور یہاں آپ کسی دوسرے جسم کے ساتھ اسد خاں سے گفتگو فرما رہے ہوں۔

اپنے شیخ و مرشد کے وصال کے بعد مسلسل پچاس سال تک اپنے مرشد کے عرس میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے رہے۔ عرس کے موقعہ پر وہاں جاتے تو چالیس دن قیام کرتے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آپ تونسہ شریف جا رہے تھے۔ دریائے سندھ کے کنارے پہنچے تو پتہ چلا کہ حاکم وقت نے تمام ملاحوں کو کشتی رانی سے منع کر رکھا ہے۔ چنانچہ اس پتن سے آمد و رفت کا سلسلہ بند ہے۔ آپ اپنے رفقاء کے ہمراہ کچھ دیر وہیں رُکے اور فرمایا کہ کبھی اس دریا کا پانی زیادہ گہرا نہیں ہوتا تم میں سے کسی ایک کو دریا میں اتر کر اندازہ تو لگانا چاہیئے۔ چنانچہ ایک ساتھی دریا میں اترا اور دوسرے کنارے تک چلتا گیا۔ لیکن کہیں بھی زانو سے اوپر پانی نہ آیا۔ چنانچہ آپ مع رفقاء دریا میں اترے اور بغیر کشتی کے دریا عبور فرمایا۔

دوسرے لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو سوچا کہ شاید دریا کا پانی ہی کم گہرا ہے اس لئے انہوں نے بھی عبور کرنا شروع کر دیا۔ ابھی چند قدم ہی گئے ہوں گے کہ ڈوبنے لگے۔ ڈر کر پیچھے بھاگے۔ انہیں احساس ہوا کہ پانی بدستور گہرا ہے یہ تو صرف حضرتؒ کی کرامت تھی۔ کہ بغیر کشتی کے دوسرے کنارے پہنچ گئے ہیں۔

آپ کی پوری زندگی توکل علی اللہ کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ آپ کو مریدین کی طرف سے جو بھی نقدی اور غلہ وغیرہ بلتا وہ تمام کا تمام آپ فقراء و مساکین میں تقسیم فرما دیتے اور مریدین کی طرف سے جو گھوڑے اور پھل وغیرہ آتے وہ سب اپنے پیر خانے میں حضرت قبلہ عالمؒ کی اولاد کو بھجوا دیتے۔

ایک دفعہ آپ کے ایک مرید خاص نور احمد خاں نے بارہ ہزار روپے کی خطیر

رقم آپ کی خدمت میں پیش کی۔ اسی طرح اس علاقہ کے رئیس محمد بہاول خان نے بھی چند ہزار روپے پیش کیے۔ اس رقم میں سے سات ہزار روپیہ آپ نے مہاروی صاحبزادگان کے ذاتی اخراجات کے لیے بھجوا دیئے اور باقی رقم علما، فقرا اور غربا میں تقسیم فرمادی اور خود پہلے کی طرح بغیر دولت کے بیٹھے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ دولت کی شکل میں یہ بڑی مصیبت ہمارے سر پر آپڑی تھی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس سے جان چھوٹ گئی۔

آپ کا لنگر اس قدر عام تھا کہ روزانہ تقریباً تین چار سو علما و صلحا آپ کی خدمت میں آتے اور اس لنگر سے کھانا کھاتے۔ عام لوگوں کی تعداد جو اس لنگر سے روزانہ مستفیض ہوتی، وہ اس پر مستزاد تھی۔ لنگر کے اس کھانے کے علاوہ جب بچے اور محتاج و غربا، واپس جاتے وقت آپ سے رخصت طلب کرتے تو آپ انہیں نقدی کی شکل میں بھی کچھ عطا فرمایا کرتے۔ آپ کا حلقۂ مریداں خراسان تک پھیلا ہوا تھا جب بھی کوئی شخص کسی مشکل کو لے کر آپ کی خدمت میں آتا تو بغیر اس کے بتلائے آپ نورِ معرفت کی بدولت باتوں باتوں میں اس کی مشکل کشائی فرما دیتے۔ اگر وہ شخص صاحبِ فہم ہوتا تو سمجھ جاتا کہ اس بات کا اشارہ آپ میری طرف فرما رہے ہیں۔ میں نے اس بات کا سینکڑوں بار تجربہ کیا ہے۔ آپ اشاروں اشاروں میں ایسی ایسی خوشخبریاں سناتے کہ عوام الناس بھی سمجھ جاتے۔ ان تمام واقعات کی اگر میں تفصیل لکھنا چاہوں تو ہزاروں دفتر جمع ہو جائیں۔ میری خواہش تھی کہ اس طرح کے ایک دو واقعات کا حوالہ دیتا لیکن مجھے آپ کے عتاب و ناراضگی کا خدشہ ہے۔

آپ کی آخری عمر میں کوہستان کی وادی میں سے ایک غیبی آواز سنائی دی کہ جو شخص بارہ ربیع الاوّل کو آپ کی زیارت کرے گا، وہ قطعی طور پر جنّت کا حقدار ہو جائے گا۔ یہ آواز سن کر کوہستان کے ہزاروں لوگ زیارت کرنے آئے بلکہ بنگلہ کے دروازوں کو بہشتی دروازے تصوّر کر کے گذرتے رہے۔

وصال کا وقت قریب آیا تو آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے:

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلا شد

(وہ لوہا جو پارس کے پتھر سے مس کر گیا وہ اُسی وقت لوہے سے سونا بن گیا)

چونکہ آپ کے تمام صاحبزادے آپ کی زندگی میں ہی فوت ہوگئے تھے اس لئے آپکے بعد آپکے سب سے بڑے پوتے میاں اللہ بخش'' آپ کے خلیفہ اعظم اور سجادہ نشین قرار پائے۔

آپ کا بالکل آخری وقت تھا اور آپ کو صاحبزادہ اللہ بخش صاحبؒ نے گود میں سہارا دے رکھا تھا۔ اس عالم میں آپ کے خدام نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی طبیعت بے حد نڈھال ہوگئی ہے ازراہِ کرم اپنے پوتے میاں اللہ بخش صاحبؒ پر عنایت فرما دیجئے تو آپ نے فرمایا:

''وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي''۔ (میں نے اپنی روح اس کے اندر پھونک دی ہے) نیز فرمایا

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

(یعنی اگر پورا زمانہ جھکڑ کا روپ دھار لے تو بھی با خدا لوگوں کے روشن چراغ کو گل نہیں کر سکتا۔)

آپ کا وصال ۷، ماہ صفر ۱۲۶۷ھ بروز خمیس بوقت صبح ہوا۔ آپ کا مرقد مبارک تونسہ شریف میں واقع ہے جو آج تک لاکھوں افراد کی زیارت گاہ ہے۔

شمع شبستان ہدایت، چراغ دودمان ولایت،
مقبول بارگاہ فعالٌ لما یرید، زبدۃ ارباب اہل تجرید و تفرید،

قاری صاحب عزیز اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قبلۂ عالمؒ کے خلفاء میں سے ایک بزرگ قاری عزیز اللہ ہیں۔ ان کا اصل وطن لاہور تھا اور ان کے دادا مرحوم اُس دَور کے مسلم الثبوت اور مشہور ترین کاتب تھے۔ آپ نے فنِ کتابت میں وہ دسترس حاصل کر لی تھی کہ ایک لفظ لکھنے کا معاوضہ ایک روپیہ لیا کرتے جو فن شناس بخوشی ادا کرتے۔

آپ کے نانا بھی، حافظ قرآن، بے حد صالح اور صاحب کرامات بزرگ تھے۔

قاری صاحب علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے تو آپ پر ایک وجدانی کیفیت طاری تھی۔ آپ لاہور سے لائلپور تشریف لائے اور ابراہیم چشتی کے مکان پر قیام پذیر ہوئے۔ آپ مجذوبوں کی طرح شہر میں پھرتے۔ ایک مرتبہ جب قبلۂ عالمؒ کا پاکپتن شریف کی طرف جانا ہوا تو راستہ میں اس موضع کے لوگوں نے قبلۂ عالمؒ سے عرض کیا کہ اس گاؤں میں فلاں جگہ پر ایک مجذوب قیام پذیر ہے اور وہ کسی سے بات نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اسے میرا سلام کہو! لوگوں نے جونہی آپ کا سلام قاری صاحب کو پہنچایا۔ آپ فوراً دوڑتے ہوئے قبلۂ عالمؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان کے قدموں پر گر گئے اور سکر کی کیفیت فی الفور ٹھیک ہو گئی۔ پھر قبلۂ عالمؒ کے ہاتھ پر بیعت سے مشرف ہو کر مہار شریف آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ عرصہ دراز تک آپ عبادات و مجاہدات میں مصروف رہے حتیٰ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے قبلۂ عالمؒ تک جو روحانی امانت نسلاً بعد نسل پہنچی تھی وہ آپ نے قاری صاحبؒ کو عطا فرما دی۔

قبلۂ عالمؒ نے جب انہیں اپنی نعمتوں سے فیض یاب فرمایا تو حکم دیا کہ قرآن پاک کی تدریس میں مصروف ہو جائیں۔ چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لئے ایک مدرسہ بنایا اور وہاں قرآن پاک کی تدریس کا کام پورے ولولے سے شروع کیا۔ قبلۂ عالمؒ بنفسِ نفیس اس مدرسہ میں ہر روز نمازِ عصر کے بعد تشریف لاتے۔ قبلۂ عالمؒ کو جمعہ کے روز مریدوں کی طرف سے جو نذرانے ملتے آپ وہ تمام کے تمام قاری صاحب کو دے دیتے۔ اس مدرسہ میں تقریباً بیک وقت ڈیڑھ سو طلباء قرآن پاک کا درس لیا کرتے۔ آپ

دن رات مرشد کے فرمان کے مطابق تدریس قرآن میں مشغول رہتے۔ بروز جمعہ مرشد خانہ حاضر ہوتے۔ بہت لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا آپ کا حلیہ بالکل قبلہ عالمؒ کے حلیہ کے مطابق تھا۔ وصال کا وقت قریب آیا تو زبان پر بالعموم یہ شعر رہتا

صورت از بے صورتی آمد برون
باز شد کانا الیہ راجعون

آپ کی تاریخ وصال ۵ ذی قعد ۱۲۰۸ھ ہے اور آپ کا مزار شریف قبلہ عالمؒ کے مزار اقدس کے شرقی جانب واقع ہے۔

حقائق معارف مرتبت، سالک مسالک طریقت، واقف مواقف شریعت، مقبول اللہ،

قاری صبغت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے خلفاء میں سے قاری صبغۃ اللہ اسم بامسمی ہیں یعنی صحیح معنوں میں اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ آپ علوم دینیہ کی تکمیل کرنے کے بعد لاہور سے قبلہ عالمؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بیعت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ آپ کی پوری زندگی تجرد کی رہی اور آپ اہل وعیال کے دنیاوی جھمیلوں میں نہ پڑے۔ آپ نے روحانی فیض اپنے بھائی قاضی عزیز اللہ اور قبلہ عالمؒ سے حاصل کیا جب بھائی کا انتقال ہوا۔ تو آپ سجادہ نشین مقرر ہوئے اور اپنے شب و روز تدریس و وعظ میں بسر کرنے شروع کئے۔ آپ کو غیر شرعی باتوں سے سخت نفرت تھی اور زندگی کا مقصد صرف احکام شریعت کی تلقین تھا۔ آپ اپنا اور اپنے طلبا کا پیٹ کھیتی باڑی کر کے زراعت کے حلال پیسے پالتے۔ وصال پر مرشد کے روضہ کے قریب اور بھائی کی قبر کے متصل آپ کا مزار بنایا گیا۔

آپ کے وصال کے روز سخت زلزلہ آیا۔ کئی کنویں پانی سے خالی اور کئی پہاڑ زمین بوس ہوئے۔ آپ کا وصال ۲۱ شعبان ۱۲۱۰ھ کو ہوا۔

غواص بحرالیقان، قدوۂ رہروان منازل عرفان، زبدۃ الافاضل والاکامل،

میاں صاحب محمد فاضل نیکوکارہ رحمتہ اللہ علیہ

آپ کے خلفاء میں میاں محمد فاضل رضی اللہ عنہ تھے، جو صوری اور معنوی کمالات سے آراستہ تھے۔ انہیں علوم ظاہریہ اور علوم باطنیہ پر پوری دسترس حاصل تھی۔ جب آپ نے قبلہ عالمؒ سے بیعت کی سعادت حاصل کی تھی تو مرشد نے تلقین کی کہ لوگوں کو دینی علوم اور علم معرفت کی تدریس کو اپنا نصب العین بنائیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی اسی نصب العین کی تکمیل میں بسر ہوئی۔ آپ کو ریاضت اور مجاہدے سے خصوصی لگاؤ تھا۔ عبادات کی بڑی سختی سے پابندی کرتے۔ نماز تہجد میں روزانہ پانچ سپارے قرآن کریم کی تلاوت آپ کا معمول تھا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے ایک مرتبہ چھ ماہ اور ایک قول کے مطابق دو سال تک اس معمول پر عمل نہ ہو سکا۔ مگر جونہی اللہ تعالیٰ نے صحت عطا فرمائی تو سابقہ تلافی کے لئے آپ نے دس پاروں کا معمول بنالیا۔

حضرت قبلہ عالمؒ کے پاس جو لوگ بیعت کے لئے جاتے تھے آپ ان میں سے اکثر افراد کو حضرت والا میاں محمد فاضلؒ کی طرف بھیج دیتے۔ چنانچہ آپ کے روحانی فیض سے بے شمار لوگ مستفیض ہوئے۔

آپ کا وصال ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۲۷ھ کو ہوا اور حضرت قبلہ عالمؒ کے روضہ شریف کے شرقی [illegible] آپ کا مزار بنا۔

زبدۃ الکاملین، عمدۃ الواصلین، قدوۃ المتورعین،

حافظ غلام حسن بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی قبلہ عالمؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ دینی علوم کو مکمل کرنے کے بعد آپ کا رابطہ ایک مجذوب بزرگ سے قائم ہو گیا تھا اور آپ اُن کے معتقد ہو گئے تھے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت محکم الدین صاحبؒ سے تعلق قائم ہو گیا۔ آپ نے میاں صاحب سے ایک دو بار درخواست کی کہ وہ انہیں اپنی بیعت میں لے لیں۔ لیکن چونکہ آپ کے نصیب میں میاں صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت نہیں لکھی تھی۔ اس لئے میاں صاحبؒ نے انہیں اپنا باقاعدہ مرید نہ بنایا۔ بعد ازاں آپ قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت والا کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بیعت کے بعد آپ نے بال بچوں کو چھوڑا۔ اور قبلہ عالمؒ کی خدمت ہی میں رہنا شروع کیا۔ کچھ مدت کے بعد آپ کو قبلہ عالمؒ نے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا اور لوگوں کو بیعت کرنے کی اجازت عنایت فرما دی۔ لیکن ابھی تک ان کی مکمل مشکلکشائی نہ ہوئی تھی کہ قبلہ عالمؒ کا وصال ہو گیا۔

قبلہ عالمؒ کے وصال سے آپ کو اس قدر شدید صدمہ ہوا کہ مسلسل چالیس دن تک اِن کے مزار مبارک پر اعتکاف کی حالت میں بیٹھے رہے۔ چلہ ختم ہونے کے بعد آپ صاحبزادگان اور دیگر پیر بھائیوں سے رخصت کی اجازت کیلئے مہار شریف پہنچے۔ یہاں قاری عزیز اللہ صاحبؒ پر نگاہ پڑی تو آپ ان کے بندۂ بے دام اور عاشق ہو گئے۔ کیوں کہ اِن کی پیشانی سے بالکل وہی نور جھلک رہا تھا جو قبلہ عالمؒ کی پیشانی سے ہویدا تھا۔ آپ نے قاری صاحبؒ کی صحبت اختیار کر لی۔ ایک دن آپ قاری صاحبؒ کے پاؤں دبا رہے تھے کہ ہاتھ ایک پٹھے پر پڑا۔ چھوا تو وہ بالکل اسی طرح کا تھا جیسے قبلۂ عالمؒ کی ٹانگ میں تھا۔ قاری صاحبؒ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ یہ پٹھا دیکھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حافظ یہی وہ پٹھا ہے جو قبلہ عالمؒ کی ٹانگ میں عمر کے

آخری حصہ میں تھا۔ جب حافظ صاحبؒ نے قبلہ عالمؒ اور قاری صاحبؒ کے مابین اِس قدر گہری مماثلت دیکھی تو آپ ان کے مزید گرویدہ ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ مہار شریف کے مضافاتی قصبہ "مہتہ جہیڈو" میں ایک مرتبہ قاری صاحبؒ تشریف لائے۔ حافظ صاحبؒ ہمراہ تھے۔ واپسی پر قاری صاحبؒ نے درویشوں کو راستہ میں حکم دیا کہ لکڑیاں چن لیں۔ سردی کا موسم ہے رات کو جلانے کے کام آئیں گی چنانچہ جب درویش حسب الارشاد لکڑیاں چن کر لائے تو قاری صاحبؒ نے فرمایا۔ "حافظ صاحب میں نے تو صرف درویشوں کو کہا تھا۔ آپ نے کیوں تکلیف کی" آپ نے عرض کیا حضرت! خدارا! مجھے اپنے درویشوں کے حلقہ سے نہ نکالیئے۔ قاری صاحبؒ آپ کی اس بات سے بے حد مسرور ہوئے اور اسی وقت اِن پر ایک خصوصی توجہ فرما کر انہیں اسرارِ روحانی سے بہرہ ور کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ حافظ غلام حسن صاحبؒ نے حافظ محمد جمال صاحبؒ سے بھی کسب فیض کیا تھا۔

آپ کی تاریخ وصال ۹ ذی قعدہ ۱۲۴۷ھ ہے۔ آپ کا مزار قبلہ عالمؒ کے مزار کے پائنتی کی جانب واقع ہے۔

مصدر مکارم اخلاق فراواں، مجمع محاسن اشفاق بے پایاں

حافظ محمد ناصر رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اصل وطن تو آوان قار تھا۔ لیکن دینی علوم کے حصول اور حفظِ قرآن کے لئے آپ اِس علاقہ میں چلے آئے تھے۔ آپ نے دینی علوم تو میاں محمد فاضلؒ کے پاس حاصل کئے اور علومِ معرفت کے لئے قبلہ عالمؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

آپ کے مرشد نے آپ کو تجرد کی زندگی اور اعتکاف کی تلقین کی۔ چنانچہ آپ مسلسل ساٹھ سال تک ایک ہی حجرہ میں رہے اور سوائے شرعی حاجت یا ادائے نماز باہر قدم نہ رکھا۔ قبلہ عالمؒ روزانہ دن کے آٹھویں پہر میں آپ کے اِس حجرہ میں تشریف لے جاتے اور آپ اس حجرہ میں ہی مرشد

کی زیارت سے مستفیض ہوتے۔ اس طرح دیگر پیر بھائی اور خلفاء بھی آپ کی خدمت میں آتے رہتے لیکن آپ کبھی کسی سے ملنے نہ گئے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبلہ عالمؒ نے اپنے مرشد حضرت مولانا فخر الدینؒ کے عرس کے موقع پر محفل سماع کا اہتمام فرمایا۔ نواب غازی الدینؒ اور دیگر خلفاء اس محفل میں شریک ہوئے لیکن حافظ محمد ناصرؒ نہ آئے تو حضرت والاؒ کے ایک عقیدتمند محمد الیاس سیال نے عرض کیا کہ دیگر تمام خدام موجود ہیں لیکن حافظ صاحب نہیں آئے۔ خدا جانے ان کا سماع کے بارے میں کوئی اور نظریہ ہو؟ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ "حافظ محمد ناصر کا سماع کے بارے میں بالکل درست اور صحیح عقیدہ ہے۔ وہ اگر شریک ہو یا نہ ہو اپنی مرضی کا مالک ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس نے دنیا سے مکمل طور پر قطع تعلق کر رکھا ہے۔"

آپ وضو کے آداب کا خصوصی خیال رکھتے اور نماز ہمیشہ اول وقت میں ادا کرتے۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو اس کتاب کے ناچیز مصنف کے دادا خواجہ نور احمدؒ نے علاج کی خاطر انہیں حجرہ سے نکالا اور ساتھ ہی ایک مکان میں منتقل کر دیا تاکہ سکون کے ساتھ علاج ہو سکے۔

ایک رات خواجہ نور احمد صاحبؒ کی خدمت میں بہادر نامی قوال نے محفل سماع میں پنجابی کا یہ دوہڑہ پڑھا:

دلے دے دروازے اتے پینجا پنجدا روں
تو تنبا تو تنبا اڈ گیا من وچ رہ گیوں توں

(دل کے دروازے پر ایک روئی دھننے والا روئی دھن رہا ہے۔ اس نے میرے جسم کے تمام ٹکڑے دھن کر رکھ دیئے ہیں اور میرا بدن ذرے ذرے ہو کر بکھر گیا ہے۔ اب میرے من میں تیری ذات کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں بچا۔)

جب قوال کی آواز آپ کے کانوں میں پڑی تو میرے والد ماجدؒ سے دریافت کیا کہ یہ کون گا رہا ہے۔ میرے والد صاحب نے جواب دیا کہ بہادر قوال ہے جو میاں صاحب کی

خدمت میں قوالی پیش کر رہا ہے"۔ آپ نے فرمایا کہ اسے بلاؤ اور یہ دوہڑہ مجھے بھی سنواؤ۔ چنانچہ جب بہادر قوال نے آپ کے سامنے ترنم کے ساتھ یہ دوہڑہ پڑھا تو بیماری کے باوجود ایک گز تک آپ فضا میں اُچھلتے اور پھر چارپائی پر گر پڑتے۔ الغرض شیخ کی سماع والی سُنّت پر بھی آپ نے آخری وقت میں عمل فرمایا۔

آخر کار آپ کا وصال اسی مرض میں ہوا۔ اور قبلہ عالمؒ کے شمالی جانب آپ کی قبر مُبارک بنی۔

آفتابِ جہانتابِ ہدایت، دُرِّ دریائے مکرمت،

حافظ غلام محمد المعروف کر ڈیوالا رحمتہ اللہ علیہ

آپ بھی قبلہ عالمؒ کے خلیفہ تھے۔ دینی علوم حاصل کرنے کے بعد قبلہ عالمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی اور عبادات و ریاضات کو معمول بنایا۔ جب حضرتؓ نے محسوس فرمایا کہ یہ شخص اہل ہے تو اسے خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مرشد کے وصال کے بعد آپ نے حافظ محمد جمال ملتانیؒ سے بھی فقر کی نعمت پائی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولوی عبدالرحمٰن بھڈیر سخت بیمار ہو گئے حتیٰ کہ زندگی کی اُمید بھی ختم ہو گئی تو آپ ان کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ جب مولوی صاحب کو قریب المرگ دیکھا تو آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی زندگی کے چند سال اسے عطا فرما دیئے۔ مولوی صاحب اُسی وقت تندرست ہو گئے۔ لیکن آپ چند دنوں بعد انتقال فرما گئے۔

آپ کی تاریخِ وصال ۱۲ محرم ۱۲۴۳ھ ہے اور آپ کا مزار قبلہ عالمؒ کے مزار کے مشرق میں میاں محمد فاضل نیکو کارؒ کے پہلو میں بنایا گیا ہے۔

مندرجہ بالا دس عشرہ مبشرہ خلفاء کے علاوہ آپ کے اور بھی بیسیوں خلفاء تھے لیکن طوالت کے خوف سے اس مختصر سی کتاب میں ان کا بالتفصیل ذکر کرنا مشکل ہے لہذا ان کے صرف اسمائے گرامی کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱۔ شیخ نور الحق چشتیؒ	سکنہ	شہر فرید
۲۔ شیخ محمد بخش چشتیؒ	"	تاجسرور
۳۔ شیخ محمد جمال چشتیؒ	"	منارڑیاں
۴۔ میاں غلام محمد لالیکاؒ	"	
۵۔ حافظ عظمتؒ	"	توگیرہ
۶۔ حافظ بہلؒ قوم جوئیہ		
۷۔ محمد غوثؒ بجیدانہ		
۸۔ خلیفہ عبداللہؒ		
۹۔ میاں لطف اللہؒ	سکنہ	کالاہل
۱۰۔ مولوی نور محمد بہلؒ	"	
۱۱۔ مولوی محمد مسعودؒ	"	جہانگی والا
۱۲۔ حافظ غلام نبیؒ	"	مسجد والا
۱۳۔ مولوی محمد حسین چینڑؒ	"	بہاول پور
۱۴۔ مخدوم نو بہار صاحبؒ	"	اوچ شریف
۱۵۔ مخدوم شیخ محمودؒ	"	سیت پور
۱۶۔ مخدوم شاہ عبدالوہابؒ		
۱۷۔ مخدوم عبدالکریمؒ		
۱۸۔ مخدوم محب جہانیاںؒ		

۱۹۔ میاں محمد شریف گوریجہؒ والد حضرت قاضی صاحبؒ

۲۰۔ میاں سلطان محمود گوریجہؒ

۲۱۔ میاں عبدالرحمٰنؒ	سکنہ	گڑھی افغاناں
۲۲۔ مولوی محمد مجیبؒ	〃	〃
۲۳۔ مولوی محمد اکرمؒ	〃	سیتانہ ڈیرہ غازی خان
۲۴۔ سید دین محمد شاہؒ	〃	ٹھٹھی
۲۵۔ سید محمد صالح شاہؒ	〃	〃
۲۶۔ مولوی احمد یارؒ	〃	بہنڈی۔

ان کے علاوہ بے شمار حضرات اور بھی ہیں۔ یہ تمام بزرگانِ دین عظیم کمالات کے مالک ہیں اور ان کی شہرت دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہے۔

(۳۴)
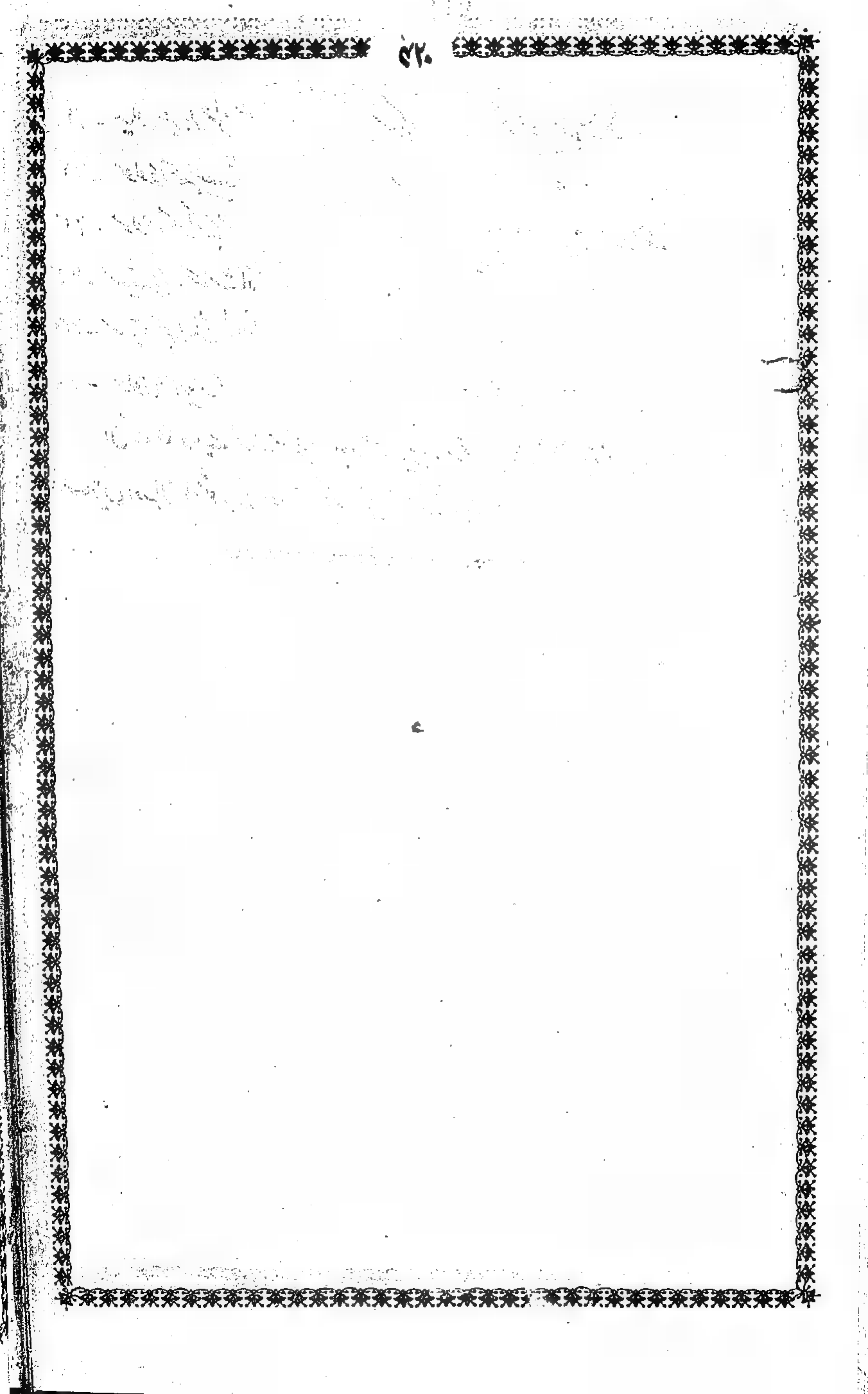
الٰہی بحرمت شیخ المشائخ، غیاث العاشقین، سند الکاملین، محب اللہ المتعال محبوب اللہ فی الازل لایزال

حضرت خواجہ حافظ محمد جمال ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کے والدِ گرامی کا نام محمد یوسفؒ اور دادا کا نام حافظ عبد الرشیدؒ تھا۔ آپ کا اصلی وطن آوان قار تھا اور ذات آوان تھی۔ آپ کے دادا آوان قار سے ملتان تشریف لائے اور قلعہ کی مشرقی جانب قیام کیا۔

آپ نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد دیگر علوم دینیہ کی طرف توجہ کی۔ انتہائی ذہین اور ذکی الطبع تھے۔ علوم ظاہریہ میں آپ نے کتاب "دائرۃ الاصول" تک تعلیم حاصل کی۔ مگر طالب علموں میں سے کسی کو بھی آپ سے مباحثہ کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور اگر کوئی طالب علم جسارت کر بیٹھتا تو اسے منہ کی کھانی پڑتی۔

جب آپ کی توجہ مالکِ حقیقی کی طرف مبذول ہوئی اور تائیدِ ایزدی نے ساتھ دیا۔ تو آپ کے دل میں کسی اللہ والے کے ہاتھ پر بعیت کا شوق پیدا ہوا۔ آپ ہر ماہ کی چودہ تاریخ کو حضرت شاہ رکنِ عالمؒ کے مزارِ مبارک پر حاضری دیتے اور تمام رات اعتکاف میں گذارتے۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ شاہ صاحبؒ خواب میں نظر آئے اور حضرت قبلہ عالمؒ کی شبیہ مبارک پیش کرتے ہوئے حکم دیا: "کہ یہ نور محمد ہیں اور مہار شریف میں قیام پذیر ہیں۔ ان کی خدمت میں حاضری دو اور ان کے ہاتھ پر بعیت کر لو۔"

آپ نیند سے بیدار ہوئے تو فوراً مہار شریف کی طرف چل پڑے۔ منازل سفر طے کرنے کے بعد جب حضرت قبلہ عالمؒ کے حضور آئے تو انہوں نے اُٹھ کر اور آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ پھر پوچھا کہ کہاں سے آئے ہیں اور آنے کا مقصد کیا ہے؟ آپ نے عرض کیا حضرت ملتان میرا وطن ہے اور میں آپ کے دستِ اقدس پر

بیعت کی غرض سے حاضر ہُوا ہُوں" حضرت قبلہ عالمؒ نے پُوچھا کچھ پڑھا ہے؟ عرض کیا "قرآن مجید حفظ کیا ہے" اتنی گفتگو کے بعد آپ نے حضرت صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت قبلہ عالمؒ کا دستور تھا کہ کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا جاتا تو تمام خدام کو طلب فرماتے اور تمام کے ساتھ مِل کر کھانا تناول فرماتے۔ چنانچہ کھانا لگ گیا تو حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ حافظ محمد جمال ملتانی مسجد میں بیٹھے ہوں گے، انہیں بلا لاؤ کہ کھانا کھا لیں۔ آپ جب حضرت صاحبؒ کے پاس پہنچے تو اُس وقت حضرت قبلہ عالمؒ کے خلیفہ مجاز مولوی محمد حسین چنڑ بہاول پوریؒ بھی بیٹھے تھے۔ مولوی صاحبؒ حافظ محمد جمال صاحبؒ کے ملتان میں ہم درس رہ چکے تھے۔ اور انہیں حافظ صاحب کے کمالات سے پُوری واقفیت تھی۔ چنانچہ مولوی صاحبؒ بڑے احترام اور تپاک کے ساتھ حافظ صاحبؒ کو ملے اور اِن سے گہرے دوستوں کی مانند تفصیلی خیر و عافیت دریافت کی۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے کہا کہ کیا تم پہلے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟ عرض کیا "جی ہاں حضرت ہم دونوں ملتان میں ایک ہی استاد کے پاس ہم درس رہے ہیں۔ حافظ صاحبؒ بے حد ذہین اور زود فہم شخص ہیں۔ مدرسہ میں کسی طالب علم کو اِن سے بحث و مباحثہ کی جرأت نہیں ہوتی تھی" حضرت قبلہ عالمؒ نے حافظ صاحب سے فرمایا "تم تو کہتے تھے کہ میں نے قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ پڑھا ہی نہیں"؟ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا قبلہ میں نے سُن رکھا تھا کہ اولیاء اللہ علماء سے اجتناب فرمایا کرتے ہیں مجھے خدشہ تھا کہ اگر میں نے بتا دیا۔ تو شاید آپ مجھے اپنے حلقہ مریدین میں شامل نہ فرمائیں۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا "برخوردار ہمارا کام تو علماء سے ہی ہے۔ جاہل افراد سے تو ہم کوئی سروکار نہیں رکھا کرتے۔"

اس کے بعد حافظ صاحبؒ مرشد پاک کے ارشادات کی روشنی میں ریاضت و عبادت میں مشغول رہے۔ عرصہ دراز تک سفر و حضر میں مرشد پاک کے ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ معرفت کے درجات اعلیٰ پر پہنچے۔ کہتے ہیں آپ نے سلوک و تصوّف کی چند کتابیں براہِ راست حضرت مولانا فخر الدینؒ سے بھی پڑھی تھیں۔

حضرت قبلہ عالمؒ کے ایک خلیفہ مجاز سید زاہد شاہؒ نے اپنی کتاب "اسرار کمالیہ" میں لکھا ہے کہ حافظ محمد جمال صاحبؒ نے خود انہیں بتلایا کہ حضرت قبلہ عالمؒ ایک بار اپنے شیخ سے اجازت طلب کر کے اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ پانچ سو روپے نقد نیز دیگر جو سامان بھی ساتھ تھا، تمام کا تمام حضرت خواجہ معین الدینؒ کے خدام کو دے دیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ ان اشیاء کی چوکیداری اور حفاظت کی ذمہ داری سے جان چھوٹ گئی۔ حافظ صاحب کے جوتے پرانے تھے اور چلنے میں بڑی دقت ہوتی تھی کہ اچانک ایک آدمی نئے جوتے لے کر حاضر ہوا۔ حافظ صاحب نے سوچا کہ ان کے جوتے پرانے ہو چکے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ حضرت اپنے جوتے انہیں عنایت فرما دیں اور خود یہ نئے جوتے زیب پا فرمالیں، اس طرح چلنے میں آسانی ہو جائے گی۔ لیکن حضرت والاؒ نے وہ جوتے ایک اور خادم کو عطا کر دیئے۔ سوچا اس میں بھی کوئی حکمت ہو گی جو جوتے انہیں نہیں ملے بلکہ دوسرے خادم کو مل گئے۔ سفر ختم ہوا اور آپ اپنے در دولت پر پہنچے تو آپ نے کپڑوں کا ایک نیا جوڑا حافظ صاحب کو مرحمت فرمایا اور جس گھوڑے پر سوار تھے وہ بھی عطا کیا۔ نیز باطنی عنایت و کرم نوازی سے بھی بہرہ ور فرمایا۔

اس کے بعد انہیں ملتان چلے جانے کا حکم دیا۔ حافظ صاحبؒ کو یقین تھا کہ آپ نے جو سفر کا حکم دیا ہے اس میں لازماً کوئی بہتری مضمر ہو گی۔

کتاب کا مصنف اپنے والد مرحومؒ اور وہ اپنے والد گرامیؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت قبلہ عالمؒ اپنے مرشد حضرت مولانا فخر الدینؒ سے رخصت ہوتے تھے تو مرشد نے قبلہ عالم صاحبؒ کو اپنا خصوصی دوپٹہ عطا فرمایا۔ جب حضرت قبلہ عالمؒ واپسی کے سفر پر تھے تو حافظ محمد جمال ملتانیؒ نے حضرت کا عصا پکڑے اور وضو کا لوٹا پشت پر ڈالے حضرت قبلہ عالمؒ کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑتے ہوئے بخار کی حالت میں طے کیا۔ اس کے علاوہ راستہ میں جہاں بھی قیام ہوتا تو لنگر کی تمام ذمہ داری بھی حافظ صاحبؒ کے کندھوں پر تھی۔ جب حضرت قبلہ عالمؒ دہلی سے اجمیر کے راستہ واپس تشریف لاتے اور

بابا تاج الدین سرورؒ کے مکان پر قیام فرمایا۔ آپ نے حافظ صاحبؒ سے پوچھا کہ کچھ رقم اُن کے پاس ہوگی؟ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا صرف ایک روپیہ چار آنے بچے ہیں۔ باقی راستہ کے اخراجات پر خرچ ہو گئے ہیں۔ فرمایا کہ یہ رقم خانقاہ کے مجاور کو دے دو۔ بعدازاں آپ نے مرشد سے جو دوپٹہ ملا تھا۔ حافظ صاحبؒ کو دے دیا۔

کہتے ہیں کہ ایک بار بہت سے لوگ زیارت کے لئے اکٹھے آئے حضرت قبلہ عالمؒ نے غلام رسول لانگری سے پوچھا کہ "کیا ان سب نے کھانا کھا لیا ہے"؟ لانگری نے عرض کیا سب نے کھانا کھا لیا ہے مگر حافظ محمد جمالؒ نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا "عجیب بات ہے کہ جو شخص پورے فقر کا بوجھ اٹھانے کے لئے آیا ہے تم نے اسے ابھی تک کھانا ہی نہیں پہنچایا"۔

ایک بار حضرت قبلہ عالمؒ کوٹ مٹھن کی جانب روانہ ہوئے حافظ صاحبؒ حسبِ معمول آپ کا عصا ہاتھ میں اور کوزہ پشت پر ڈالے آپ کے گھوڑے کے آگے آگے دوڑ رہے تھے۔ جب بہاول پور پہنچے تو حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا "حافظ صاحب گھوڑے کے آگے دوڑنا ختم کر دو"۔ حافظ صاحبؒ نے سوچا شاید اُن سے کوئی لغزش ہو گئی ہے کہ آپ ان کو اس سعادت سے محروم فرما رہے ہیں۔ اسی دوران حضرت قبلہ عالمؒ کے ایک مرید خاص اور مجاز بیعت سید عبدالوہابؒ جو بہاول پور میں قیام پذیر تھے، نے حافظ صاحبؒ کی دعوت کی۔ اس موقعہ پر عبدالوہاب نے حافظ صاحبؒ کو ایک عمدہ گھوڑی پیش کی۔ حافظ صاحبؒ وہ گھوڑی لے کر حضرت قبلہ عالمؒ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ قبلہ یہ گھوڑی ملی ہے۔ مجھے گھوڑے کی سواری کرنے کا تجربہ نہیں اس لئے آپ قبول فرما لیجئے۔

حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا کہ یہ وہاب کی طرف سے ہبہ ہے اس لئے اسے اپنے پاس رکھو اور آئندہ گھوڑے کے آگے دوڑنے کی زحمت نہ کرو۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے حافظ صاحبؒ کو اس ارشاد کے بعد خلعت فقر عطا فرمایا اور آپ کو خصوصی روحانی نعمتیں بہم پہنچائیں۔ پھر آپ نے حافظ صاحبؒ کو ملتان روانہ ہو جانے کا حکم دیا۔

یہ تمام واقعات میں نے اپنے والد ماجدؒ اور دیگر ثقہ لوگوں سے براہِ راست خود سُنے ہیں۔

آپ کی بے شمار کرامات میں سے چند ایک کا ذکر کرتا ہوں تاکہ سلسلۂ چشتیہ کے متعلقین ان سے بہرہ ور ہو سکیں۔

کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت قبلہ عالمؒ ملتان کی طرف روانہ ہوئے مگر حافظ محمد جمال صاحبؒ کو حضرت صاحبؓ کی آمد کی قطعاً کوئی اطلاع نہ تھی۔ حافظ صاحبؒ تو اپنے مرشد پاک کے فراق میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے اور بار بار یہ شعر پڑھ رہے تھے:

ندا آمد آمد از در و دیوار مے آید
دل من مے طپید البتہ امشب یار مے آید

(محبوب کے آنے کی خوش خبری در و دیوار سُنا رہے ہیں۔ مجھے یقینِ کامل ہے کہ آج میرا محبوب آجائے گا۔)

لیکن وصال کا وقت جتنا نزدیک آتا جائے عاشق کی بے صبری اسی قدر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ چنانچہ آپ بھی دردِ فراق کے ہاتھوں مجبور ہو کر مہار شریف کی جانب چل پڑے۔ جب ملتان کے قریب ساڑی سیتل پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ شہسوارِ میدانِ خوبی شہنشاہِ مملکتِ محبوبی، مسکینوں کے بازار کی رونق اور غمگین دلوں کی راحت اپنے سوار اور پیدل رفقاء کے ساتھ آرہے ہیں۔ حضرت محب اللہؒ نے اپنی فراق کی آگ کو اس باکمال کے وصال کے آبِ زلال سے بجھایا اور اپنے دل کے پژمردہ پھول کو اس محبوب کے وصال کی بہار سے تر و تازہ کیا۔ بہت ہی خوش ہوئے، قدم بوسی حاصل کی اور اپنے مکان پر لے آئے۔

اُس وقت حضرتؓ کے ہمراہ تھوڑے سے لوگ ہمسفر ہوتے تھے اس لئے ان کے مطابق کھانا پکایا گیا تھا لیکن جب خدام کی تعداد بہت زیادہ دیکھی تو حافظ صاحبؒ وہ کھانا وہاں چھوڑ کر خورد و نوش کا مزید سامان لینے کے لئے چلے۔ حضرت قبلہ عالمؓ نے پوچھا کہ حافظ صاحب کہاں جا رہے ہو؟ حافظ صاحبؒ نے عرض کیا کہ مزید کھانا تیار

ہوں۔ حضرت قبلہ عالمؒ نے فرمایا۔ تکلیف نہ کرو۔ یہی کھانا کافی ہے۔ چنانچہ قبلہ عالمؒ نے کھانے پر سفید کپڑا ڈال کر تقسیم شروع کرا دی۔ سالن کی تقسیم پر حافظ صاحبؒ کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔ کھانا موجود تمام لوگوں کے لئے کافی رہا بلکہ بعد میں آنے والوں نے بھی سیر ہو کر کھایا۔ جب سب لوگ کھا چکے اور کپڑا اٹھایا تو دو تین آدمیوں کا کھانا بچا پڑا تھا۔

کہتے ہیں کہ ان ہی ایام میں ملتان کے کسی جادوگر نے حضرت قبلہ عالمؒ پر جادو کر دیا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ حافظ صاحبؒ نے ساتھیوں سے کہا کہ دفع سحر کے لئے سب مل کر وظیفہ پڑھو۔ وظیفہ کا یہ اثر ہوا کہ حضرت قبلہ عالمؒ تندرست ہو گئے اور وہ جادوگر ہلاک ہو گیا۔ حضرت قبلہ عالمؒ کو پتہ چلا تو آپ نے حافظ صاحبؒ کو بلا کر فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کا شیوہ تسلیم و رضا ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

کہتے ہیں ایک بار ڈیرہ اسمٰعیل خان سے چار اشخاص حافظ صاحبؒ کی زیارت اور بیعت کا شرف حاصل کرنے کے لئے اپنے گھر سے روانہ ہوئے۔ ابھی وہ ملتان کے راستہ پر ہی تھے کہ ان پر ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا۔ انہوں نے حملہ کیا ہی تھا کہ ایک سخت خوفناک آواز سنائی دی۔ جسے سن کر تمام ڈاکو بھاگ گئے۔ اور یہ اشخاص بخیر و عافیت حافظ صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ جس رات کا یہ واقعہ ہے اسی رات حافظ صاحبؒ نے اپنا کوزہ فضا میں پھینکا تھا۔ اور وہ خوفناک آواز دراصل اسی کوزہ کی تھی۔ جب وہ لوگ حاضر ہو کر بیعت ہو گئے تو ان لوگوں نے اس واقعہ کی تفصیل حافظ صاحبؒ کے خدام کو سنائی۔ تو خدام کو احساس ہوا کہ اس رات جو کوزہ گم ہوا تھا۔ اس کے پس منظر میں دراصل یہی سبب کارفرما تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک بار حافظ صاحبؒ عرس مبارک کے موقع پر مہار شریف تشریف لے گئے اس اثناء میں آپ کا ایک مخلص اور خوبصورت مرید جس کی ذات بلوچ تھی حافظ صاحبؒ کی زیارت کے لئے ملتان پہنچا۔ لیکن یہاں آ کر پتہ چلا کہ حضرتؒ تو مہار شریف تشریف لے گئے ہیں۔ وہ وہیں سے سیدھا مہار شریف کی طرف چل پڑا

راستہ میں ایک گھنا جنگل پڑتا تھا یہ بلوچ جنگل سے گذر رہا تھا یہاں اسے ایک بیحد حسین عورت تنہا نظر آئی۔ آنکھیں چار ہوئیں تو جانبین میں عشق کی آگ بھڑک اٹھی نوجوان گھوڑے سے اُترا اور ایک درخت کے نیچے کپڑا بچھا کر اس عورت سے قرب کی خواہش کی۔ مگر اچانک حافظ صاحبؒ کی صورت دکھائی دی اور ساتھ ہی "ہوں" کی آواز سُنائی دی۔ اس نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی لیکن حافظ صاحبؒ کہیں نظر نہ آئے۔ البتہ آپ کے قدموں کے نشانات وہاں موجود تھے۔ وہ شرمندہ ہُوا اور دوبارہ گھوڑے پر سوار ہُوا مہار شریف میں حافظ صاحبؒ جس طرح پہلے شفقت فرمایا کرتے تھے اس بار اس نوجوان سے وہ شفقت نہ فرمائی بلکہ بے توجہی کا سلوک کیا۔ وہ بے چارہ پریشان ہوکر اجازت طلب کرکے گھر کی طرف چل پڑا راستہ میں اسی جگہ پہنچا تو سخت بارش اور ژالہ باری شروع ہوگئی۔ اس نے بھاگ کر نزدیک کنویں پر ایک ڈیرہ میں پناہ لی۔ وہاں وہی عورت موجود تھی۔ سوچا کر اس عورت کی وجہ سے وہ پہلے بھی مرشد کی بے توجہی کا شکار ہُوا ہے اور اب یہ مصیبت پھر گلے آپڑی ہے۔ تمام رات اسی بے چینی میں گذاری۔ خدا خدا کرکے صبح ہوئی اور وہ سفر پر روانہ ہونے لگا۔ اس عورت نے اپنے والدین سے کہا کہ اگر تم بخوشی مجھے اس شخص کے نکاح میں دے دو تو بہتر ہے ورنہ میں نے تو بہر قیمت اس کے ساتھ جانا ہے۔ چونکہ یہ لڑکی والدین کی اکلوتی اولاد تھی اس لئے انہیں مجبوراً اپنی لڑکی کی ضد کے سامنے ہار ماننا پڑی۔ انہوں نے کہا کہ تم چند روز کے لئے ہمارے ہاں ہی ٹھہرو۔ ہم اپنی بیٹی کی شادی تم سے کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بلوچ جو اس عورت کی وجہ سے پہلے ہی اپنے مرشد کے غضب کا نشانہ بن چکا تھا، نے جان چھڑانا چاہی مگر آخرکار مجبوراً اِن کی بات ماننی پڑی۔ چنانچہ انہوں نے شادی کی تاریخ مقرر کرکے رشتہ داروں کو اطلاع بھجوا دی۔ ابھی ایک دو دن ہی گذرے تھے کہ حافظ صاحبؒ بنفس نفیس اس ڈیرہ پر تشریف لے آئے۔ یہ لوگ بھی حضرت حافظ صاحبؒ کے غلام تھے۔ لڑکی کے والد نے مرشد کو دیکھا تو قدموں میں گر پڑا اور سوچا کہ اس سے زیادہ سنہری موقعہ کبھی بھی نصیب نہ ہوگا کہ حضرت والا اپنے نفس نفیس

ہاتھوں سے یہ فریضہ سر انجام دیں۔ چنانچہ رشتہ داروں کی انتظار کئے بغیر اسی رات حضرت صاحب نے دونوں کا باہم نکاح پڑھ دیا۔ جب یہ بلوچ شب زفاف بیوی کے پاس پہنچا تو حافظ صاحبؒ کی صورت پھر نظر آئی۔ حافظ صاحبؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کیا وہ اچھا تھا یا یہ اچھا ہے؟ وہ بلوچ ندامت سے سر جھکائے خدائے پاک کا شکر ادا کرتا رہا۔

اللہ کی شان کہ آپ کی ذات والا صفات حفاظتی فرشتوں کی طرح ہر لمحہ اپنے مریدوں کی نگرانی اور حفاظت کیا کرتی

آپ کے ایک اور خلیفہ حضرت قاضی محمد عیسیٰؒ نے بتلایا کہ ایک دن وہ بولا خان اور میاں قطب الدین حافظ صاحبؒ کے وصال کے بعد آپ کی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ زندگی میں تو حضرت والا ان کی معروضات کو مناسب جواب سے سرفراز فرمایا کرتے تھے۔ جس سے مکمل اطمینان حاصل ہو جاتا تھا۔ خدا جانے اب بھی وصال کے بعد گذارشات سنتے ہیں یا نہیں۔ بولا خاں کے دل میں یہ آیا کہ کاش حضرت کا کوئی صاحبزادہ ہوتا تو وہ لوگ اس کی خدمت کر کے حضور کی روح کو مسرور کر سکتے اور میاں قطب الدین نے سوچا کہ فلاں افغان جو ان کا حق خدمت ادا نہیں کر رہا اب میں کس کے پاس جا کر اس کے خلاف شکایت کروں۔

تینوں افراد نے اپنے دل کی بات دوسرے کو نہ بتلائی۔ رات ہوئی تو قاضی عیسیٰ نے خواب دیکھا کہ ایک روپہلے فرش پر طلائی چارپائی پڑی ہے۔ اور اس چارپائی پر حضرت تشریف فرما ہیں۔ وہ بھی خدمت میں حاضر ہیں۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا "کہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں کہیں۔"

اور اسی رات بولا خاں کو آپ کی زیارت ہوئی فرمایا "ہمارا سلسلہ جاری ہے۔ صاحبزادے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح میاں قطب الدین کو بھی تسلی دی کہ گھبرائیے نہیں آپ کی رقم آپ کو مل جائے گی۔

صبح ہوئی تو تینوں نے ایک دوسرے کو اپنا اپنا خواب سنایا ابھی وہ بات کر

بخار رہتے تھے کہ اُس افغان کا ایک عزیز آیا اور قطب الدین کی رقم ادا کر دی۔ حضرتؒ کے اس تصرف پر سب بے حد حیران ہوئے۔

قاضی محمد سعید کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے شدید بخار ہو گیا۔ بہتیرے علاج کئے لیکن کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا۔ ایک روز میں نے ملتان شریف کا رُخ کر کے بڑی عاجزی اور خشوع و خضوع سے آپ کی خدمت میں دفعِ مرض اور حصولِ شفا کے لئے درخواست کی۔ دو راتوں کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دادا جان حافظ لکھیرؒ کی چک والی مسجد کے جنوب میں ایک قبر ہے جس میں آپ اپنے بدن پر سفید چادر اوڑھے ہیں۔ آپ کا دایاں زانو بائیں زانو پر ہے۔ اور آپ بڑی طمانیت سے خراٹے لے رہے ہیں۔ اسی حالت میں مولوی خدا بخش خیرپوری صاحبؒ نے آپ کی نماز جنازہ مسجد ہی میں پڑھائی ہے۔ جنازہ پڑھنے والوں میں میں بھی شریک ہوں نماز سے فراغت ہوئی تو میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ حضرت کے رُخِ انور کی زیارت کروں مگر آپ کے جلال سے ڈر کر واپس لوٹا حضور نے مجھ پر خصوصی توجہ مبذول فرمائی تو میرے دل میں حوصلہ پیدا ہوا۔ چنانچہ میں آپ کے قریب گیا اور آپ کے دائیں پہلو کو دبانا شروع کیا۔ حضرت نے از راہِ کرم نوازی اپنے چہرے سے کفن سرکایا اور میں نے جی بھر کر حضرت کی زیارت کی۔ آپ نے اس وقت "ہوں" کی آواز بھی نکالی۔ میں نے عرض کیا یا حضرت یہ جو کتابوں میں ہے کہ وفات کے بعد میت کے پاس منکر نکیر آتے ہیں۔ اُن کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور ہاتھ میں آتشی گرز پکڑے ہوتے ہیں۔ اور ایک کڑک دار آواز نکالنے کے بعد ہر میت سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا رب کون ہے؟ نبی کون ہے اور دین کون سا ہے۔ اگر میت درست جواب دیدے تو اس کی قبر فراخ کر دی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اب دلہن کی طرح سو جاؤ۔ اور اگر میت جواب نہ دے سکے تو پھر آتشی گرز سے عذاب دینے لگتے ہیں۔ تو کیا یہ دو فرشتے آپ کے پاس بھی آئے تھے؟ آپ نے بے نیازی سے فرمایا۔ ہاں اے نوجوان! میرے پاس دو خوش شکل آدمی آئے تھے جن کے چہرے پر سفید داڑھیاں تھیں اور ہاتھ میں سبز عصا تھے انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتے

اور خوش آمدید فرماتے ہیں۔" خواب کا معاملہ تھا اس لئے میں نے جسارت کر کے عرض کیا۔ آپ تو اللہ کے ولی ہیں۔ آپ نے بھرپور تبسم فرمایا اور کہا کہ میں نے تفصیل بتا دی ہے۔ جب میں نیند سے بیدار ہوا تو آپ کی روح پُرفتوح کی امداد سے اللہ نے مجھے شفاءِ کاملہ عطا فرما دی تھی اور میرا سب بخار اُتر چکا تھا۔

سید زاہد شاہ صاحبؒ جو حضرتؒ کے یارانِ خاص سے تھے، کی تصنیف اسرار کمالیہ حضرت محب اللہؒ کی سیرت و اخلاق پر مشتمل ایک تفصیلی کتاب ہے۔ اس سے تبرک کے طور پر کچھ حصہ درج کرتا ہوں۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کی آیت "وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا" کے دو مفہوم ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔

ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی کے ساتھ زیادتی کرے اسی قدر زیادتی اس کے ساتھ کی جاتی ہے۔

لیکن اس کا باطنی مطلب، جو اہل اللہ مراد لیتے ہیں یہ ہے کہ بدی کے بدلے میں بدی کرنا ایک گناہ ہے۔ اگر کوئی زیادتی کرے تو اگر اس کے ساتھ زیادتی کی جائے تو یہ درست نہیں۔ بلکہ چاہئے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔

ایک دن دسترخوان پر بیٹھے کھانا تناول کرتے وقت فرمایا کہ حدیث میں آیا ہے "لِكُلِّ شَيْءٍ سِتْرٌ وَلِلطَّعَامِ اُسْتَاذُہٗ"۔ اس کا کیا معنی ہے۔ حاضرین نے عرض کیا کہ اس سے مراد کھانے کے وقت نظرِ غیر سے مکمل پردہ کرنا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کھانا جب سامنے آئے تو اعتراض و تنقید کی نظر سے اسے پردے میں رکھا جائے یعنی جیسے کچھ بھی ہو خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اسے تناول کر لینا چاہیئے۔

ایک دن راستہ میں جاتے ہوئے آپ نے اس شعر کے معنی مجھ سے پوچھے

وَكُلُّ وَلِيٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّاِنِّي — عَلٰى قَدَمِ النَّبِيِّ بَدْرِ الْكَمَالِ

میں نے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں۔ فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ولی اللہ کسی

کسی نبی کے نقشِ قدم پر چلتا ہے۔ کوئی حضرت موسیٰؑ کے، کوئی حضرت عیسیٰؑ، کوئی حضرت یعقوبؑ اور کوئی حضرت ایوبؑ کے۔ لیکن میں سید الانبیاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر چل رہا ہوں۔

ایک دن خوش طبعی کے طور پر مجھ سے پوچھا کہ اس مصرعہ کا کیا مطلب ہے؟

"وضو را در وضو کردہ وضو کن"

میں نے عرض کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا پہلے "وضو" کی واؤ پر زبر ہے جس کا معنی ہے پانی اور دوسرے "وضو" کی واؤ کے نیچے زیر ہے جس کے معنی ہے کوزہ یا کوئی برتن اور تیسرے "وضو" کی واؤ پر پیش ہے جس کے معنی ہے معمول کے مطابق اعضاء دھونا۔ اسی موقعہ پر آپ نے فرمایا "اَلْوُضُوْءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِیْنَ" (یعنی وضو مومن کے لئے ہتھیار کا کام دیتا ہے۔) آپ نے فرمایا کہ ہمیشہ باوضو رہنے سے مصائب اور تنگیٔ رزق قریب نہیں پھٹکتی۔

مولوی عبدالعزیز صاحب پرہاروی نے اپنی کتاب میں لکھا کہ آپ وضو میں بے حد مبالغہ اور خصوصی توجہ فرمایا کرتے۔ اپنے کوزہ کو دوسرے لوگوں کے استعمال سے محفوظ رکھتے۔ کیوں کہ عوام الناس عام طور پر پاکی پلیدی کا پورا خیال نہیں کرتے۔ آپ وضو کرتے وقت پانی کو ضائع نہ کرتے۔ بلکہ مسنون طریقہ سے مناسب مقدار کے ساتھ وضو کرتے۔ وضو کرنے کے بعد رومال کے ساتھ اعضاء کو پانی سے صاف کرتے۔ ظہر و عشاء کے وضو کے فوراً بعد کنگھی کرتے اس طرح کہ پہلے دائیں ابرو پر پھر بائیں ابرو پر اس کے بعد داڑھی مبارک کی دائیں جانب اور پھر بائیں جانب پھر داڑھی کے درمیان اور نیچے تاکہ تمام بال ہموار ہو جائیں۔ کنگھی کرتے وقت سورۃ "الم نشرح" کی تلاوت فرمایا کرتے۔ آپ فرماتے کہ اس عمل سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور قرض کی ادائیگی آسان ہو جاتی ہے۔ حدیث شریف میں اس کی وضاحت ہے۔

وضو کے وقت مسواک ضرور کرتے۔ فرماتے لَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَّا سِوَاکَ لَہٗ جو شخص مسواک نہیں کرتا اس کا وضو صحیح معنوں میں مکمل نہیں ہوتا۔ آپ نماز با

جماعت تعدیل ارکان سے پڑھتے حتیٰ کہ مستحبات بھی ترک نہ فرماتے جس امام کے سر کے بال منڈے نہ ہوتے اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھتے۔ فرماتے کہ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اس سے منع کیا ہے۔ اس ضمن میں آپ اس قدر محتاط تھے کہ اگر بے خبری میں کسی غیر محلوق الراس کے پیچھے نماز پڑھ بھی لی تو معلوم ہونے پر نماز دہرایا کرتے۔

آپ کا ارشاد ہے کہ وضو جوانوں کی طرح کرو مگر نماز بوڑھے اور کمزور افراد کی طرح ادا کرو۔ وضو کے دوران آپ کلمہ شہادت اور دیگر مسنون دعائیں پابندی سے پڑھتے۔ اس دوران آپ نے دینی حکایات بھی بیان فرماتے۔

آپ کا ارشاد تھا کہ افضل ترین عمل صدا اور ندا کا عمل ہے یعنی تمہیں یہ یقین کامل ہونا چاہیئے کہ تم یا کوئی اور جو عمل بھی کرتا ہے وہ تمام مِن جانب اللہ ہے۔

ہمہ عالم صداء نغمۂ اوست

کہ شنید ایں چنیں صدائے دراز

آپ فرمایا کرتے کہ قیامت کے دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کو مختلف شکل میں دیکھے گا۔ حدیث صحیح میں ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یَتَجَلّٰی لَہُمْ فِیْ صُوْرَۃٍ مُّنْکَرَۃٍ فَیَقُوْلُوْنَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ اَنْ تَکُوْنَ رَبَّنَا فَیَتَجَلّٰی لَہُمْ فِیْ صُوْرَۃٍ حَسَنَۃٍ فَیَقُوْلُوْنَ اَنْتَ رَبُّنَا وَلَیَسْجُدُوْنَ لَہٗ"

یعنی قیامت کے روز بعض افراد اپنے خالق کو ایک غیر معمولی شکل میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ بھلا خدا کی ایسی شکل ہو سکتی ہے۔ پھر انہیں اللہ کا جلوہ ایک حسین شکل کی صورت میں دکھائی دے گا۔ تو وہ سجدہ ریز ہو جائیں گے۔

فرمایا کہ درویشی کی مثال اُس مٹی کی طرح ہے جسے چھان کر اس پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جائے۔ اور وہ نہ تلووں کو تکلیف دے اور نہ پاؤں پر گرد بیٹھے یعنی بے ضرر ہو۔ درویش بھی ایسے ہی بے ضرر اور فیض رساں ہوتا ہے۔

آپ نے "اکثر اہل الجنۃ بلہ" کا مطلب بیان فرمایا کہ اصطلاح عام میں تو بلہ کا معنی دیوانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو دنیا سے غافل ہیں اور

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔

آپ کا ارشاد تھا کہ صوفی صحیح معنوں میں تیس سال کی عمر کے بعد ہی بنتا ہے کیوں کہ خدا تک پہنچنے کیلئے انسان کو نفس اور جذبات کشی کرنا پڑتی ہے تیس سال عمر سے پہلے کا حصہ چڑھتی جوانی ہے اسلئے اس پر پوری طرح قابو پانا مشکل ہے خواہش نفسانی کو ختم کرنا تصوف کی بنیادی شرط ہے فرمایا کہ فرشتے بتدریج درجات عالیہ تک نہیں پہنچتے بلکہ مستقل طور پر ایک مقام پر رہتے ہیں کیوں کہ ان کے اندر نفسانی خواہشات نہیں ہوتیں اس لئے خواہشات ختم کرنے کا مرحلہ نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ "اَلْوُجُوْدُ کُلُّہٗ خَیْرٌ" (یعنی وجود باعث خیر و برکت ہے) اسلئے ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کو اعلیٰ مدارج تک ترقی نصیب ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ مالک حقیقی تک پہنچنے کا صحیح راستہ وہ ہے جو ہمارے بزرگوں نے اختیار کیا۔ اور جو ہم کو صحیح اور قابل اعتماد ذرائع سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے کہ ظاہر کی درستی شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ مگر باطن کی صفائی اسے اوصاف بد سے پاک کرنے سے نصیب ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ "اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ" تو اس میں پہلے مومن سے مراد اللہ کی ذات ہے اور دوسرے مومن سے بندۂ نیک مراد ہے اس کے برعکس بھی ممکن ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دریا کی موجوں کی مثال وجود مطلق کے مظاہر ثابت کرنے کے لئے بہترین ہے۔ آپ اکثر اوقات یہ شعر پڑھا کرتے:

اَلْبَحْرُ بَحْرٌ عَلٰی مَا کَانَ فِیْ قِدَمٍ
اِنَّ الْحَوَادِثَ اَمْوَاجٌ وَّ اَنْھَارٌ

(یہ کائنات شروع سے سمندر کی طرح ہے اور حوادث زمانہ اس سمندر میں موجوں اور نہروں کی طرح ہیں۔)

آپ نے ایک بار فرمایا کہ شیخ سعدیؒ کا شعر ہے:

یا مکن با پیل باناں دوستی یا بنا کن خانۂ در خورد فیل

(یعنی یا تو ہاتھی کے مہاوتوں سے دوستی کا رشتہ قائم نہ کرو یا پھر اپنے گھر کو بھی ہاتھی کے لئے مناسب مقام بناؤ) فرمایا اس شعر میں فیل سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فیل باناں سے مراد اولیاء اللہ ہیں۔

آپ کو سماع سے بے حد دلچسپی تھی۔ سماع میں بالخصوص مولانا جامیؒ کی غزلیات آپ بڑے ذوق شوق سے سنتے تھے۔

مسئلہ وحدت الوجود میں آپ کو دیگر تمام علماء سے زیادہ واقفیت اور درک حاصل تھا۔ آپ حضرت محی الدین ابن عربیؒ کی تصنیفات اور مولانا جامیؒ کی تصنیفات نفحات، مثنوی، لوائح، اشعۃ اللمعات، فقرات، اور فصوص الحکم کا مطالعہ بڑے شوق اور دلچسپی سے کرتے تھے۔ فصوص الحکم میں سب سے زیادہ دلچسپی آپ کو فص محمدیہ کے باب سے تھی آپ اسے پڑھ کر وجد میں آجاتے۔

یوں تو آپ کا ہر ایک سے نہایت ہی کریمانہ برتاؤ تھا لیکن بچوں کے ساتھ خصوصی شفقت فرمایا کرتے۔ میرے والد گرامی جب وہاں پڑھا کرتے تھے تو آپ صبح شام اپنے ساتھ ایک برتن میں کھانا کھلاتے گھوڑے پر سوار ہوتے تو میرے والدؒ کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے، اور فرماتے کہ میرا تو یہی بیٹا ہے آپ نے گھر میں خواتین کو بھی حکم دے رکھا تھا کہ اس لڑکے کے ساتھ ہمیشہ محبت کا سلوک کیا کریں چنانچہ آپ کے گھر والے انہیں طرح طرح کے کھانے اور عمدہ کپڑے عطا فرماتے۔ آپ نے بعض خدام کو میرے والدؒ کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ کئی بار انہیں اپنی گود میں بٹھا لیتے اور شیرینی دم کر کے ان کے منہ میں ڈال دیتے۔ آپ نے میرے والدؒ کو مادری شفقت بھی دی اور پدری محبت بھی عطا فرمائی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ نماز عصر کے بعد آپ محفل میں تشریف فرما تھے اور میرے والدؒ اس وقت آپ کی گود میں تھے اسی اثناء میں ملتان کے ناظم نواب مظفر الدولہ شہید

سفرِ حج پر روانہ ہونے سے قبل آپ سے اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حج پر جانا چاہتا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ آپ بھی میرے ہمراہ چلیں تاکہ آپ کے طفیل میرا حج بھی قبول ہو جائے۔ اور یہ طویل سفر بھی بخیریت پورا ہو۔ آپ نے فرمایا میرا قبلہ تو میرے پاس ہی بیٹھا ہے۔ مجھے کسی دوسرے قبلہ کی حاجت نہیں۔ نواب صاحب نے خیال کیا کہ شاید آپ ملحقہ مسجد کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ اس لئے عرض کیا کہ یا حضرت یہ تو ایک عبادت گاہ ہے۔ اللہ کے گھر کا درجہ تو بہر حال اسے نہیں مل سکتا۔ آپ نے میرے والدؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ حضرت قبلہ عالمؒ کی اولاد کا یہ سپوت میرا قبلہ ہے۔ جب یہ میرے پاس ہے تو مجھے کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ نواب موصوف خاموش ہو گئے دعا کی درخواست کی اور اجازت لے کر واپس چلے گئے۔

"اسرارِ کمالیہ" میں ہے کہ مرضِ وفات میں آپ کو شدید صفراوی بخار تھا۔ آٹھ دن تک مسجد تشریف لے جاتے رہے لیکن بعد ازں شدتِ ضعف کی وجہ سے مسجد جانے سے معذور ہو گئے۔ ایک خادم کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھا دیا کرے کیوں کہ اُن میں امامت کرانے کی ہمت نہیں رہی۔

بیماری میں کبھی آپ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے اور کبھی بیٹھ کر۔ حکیم منشی جان محمد علاج کے لئے حاضر ہوئے۔ بندہ کو ہدایت کی کہ حضرت والا کو ٹھنڈے پانی سے اور جسم پر عرقِ گلاب چھڑکنے سے روکو ورنہ گرمی مزید بڑھ جائے گی۔ چنانچہ میں نے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا یہ حکیم لوگ بھی عجیب طرح کے انسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (کہ ہم نے پانی کو ہر چیز کی زندگی کی بنیاد بنایا ہے۔) لیکن یہ اس پانی سے منع کر رہے ہیں۔

کہتے ہیں کہ اسی بیماری کے ایام میں بندہ کے دادا مرحوم حضرت خواجہ نور احمد صاحبؒ کسی کام کے لئے بہاول پور تشریف لائے۔ حضرت صاحبؒ نے انہیں خط لکھا کہ چونکہ میں شدید بیمار ہوں اور نقاہت حد سے بڑھ چکی ہے اس لئے ایک بار آ کر مل جاؤ۔ دادا جانؒ نے جواب میں لکھا کہ میں ایک انتہائی اہم کام کی وجہ سے آنے سے معذور

ہوں۔ جونہی اس کام سے فارغ ہوا فوراً حاضرِ خدمت ہوں گا۔ حضرت صاحبؒ کو یہ خط ملا تو آپ نے فی الفور جواب لکھوایا کہ آپکو تاکید ہے کہ یہ خط ملتے ہی فوراً یہاں چلے آؤ۔ اور یہ شعر بھی اس جواب میں لکھوایا ؛

بلبم رسید جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس از انکہ من نمانم بچہ کار خواہی آمد

(جان ہونٹوں تک آ پہنچی ہے۔ خدارا آؤ تاکہ موت و حیات کی اس کشمکش سے نکل کر زندگی کی نعمت سے فیضیاب ہو سکوں۔ جب میں اس دُنیا سے اُٹھ گیا تو پھر تمہارے آنے کا کیا فائدہ ہو گا۔)

جب داداجانؒ کو یہ مکتوب ملا تو آپ فوراً روانہ ہو گئے اور آپ کے وصال سے پانچ روز قبل حاضر ہو کر قدم بوسی کی۔ داداجان تشریف لائے اُس وقت حضرتؒ کو بے حد کمزوری لاحق تھی مگر پھر بھی حکم دیا کہ چارپائی اُٹھا کر مکان سے باہر رکھ دو تاکہ ان کا استقبال کر سکوں۔ داداجانؒ پہنچے تو انہیں اپنے سینہ پر لٹا کر روحانی اور باطنی نعمتوں سے مالا مال فرمایا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ زندگی میں ملاقات ہو گئی۔

آخری وقت آیا تو خدام کو بہ آواز بلند فرمایا کہ میرے وصال کے بعد اگر کسی شخص کو کوئی ضرورت لاحق ہو تو مولوی خدابخش رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جائیے۔ اس وصیت کا ذکر بندہ نے اکثر افراد سے سُنا ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے قبلہ نے پانچویں جمادی الاوّل کو فجر کی نماز اشارہ سے ادا فرمائی پھر آپ قلبی ذکر میں مشغول ہو گئے۔ جب ذرا افاقہ ہوا تو دوبارہ نماز ادا کی اور قلبی ذکر میں محو ہو گئے۔ اسی طرح تین بار آپ پر یہ کیفیت طاری ہوئی اور تین بار نماز ادا کی ابھی زوالِ آفتاب کو دو گھنٹے باقی تھے۔ تو مولوی خدابخش صاحبؒ، مولوی حامد صاحب اور دیگر متعدد اشخاص نے آپ کی زبان سے اللہ اللہ کا ذکر سُنا۔

آپ کی نمازِ جنازہ کھلے میدان میں پڑھی گئی۔ اس قدر شرکاء جنازہ تھے کہ ان کی صفیں بھی شمار نہیں کی جا سکتی تھیں۔ ملتان کے ناظم اور اس کے تمام صاحبزادوں

نے بھی نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔ چوں کہ یہ ذرا دیر سے پہنچے تھے۔ اس لئے ان کی الگ صف بنائی گئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جنازے میں صرف انسان ہی نہیں بلکہ بے شمار فرشتے بھی شریک ہیں۔

حضرت مولوی خدا بخش صاحبؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور طریقہ مسنونہ کے مطابق آپ کو آپ کے خصوصی حجرہ میں دفن کیا گیا۔ تین دن بعد "قل شریف" پڑھایا گیا۔ رسم قل کی ادائیگی کے بعد خواجہ نور احمد صاحبؒ اور نواب شہید صاحبؒ نے مولوی خدا بخش صاحبؒ کو دستارِ خلافت باندھی۔

آپ کی تاریخِ وصال ۵ جمادی الاوّل ۱۲۲۶ھ ہے۔ آپ کا مزارِ اقدس ملتان شریف میں مرکزِ عوام و خواص ہے۔

۳۵

الٰہی بحرمت شیخ المشائخ، سراج الواصلین، فخر العاشقین، سند العارفین، محبوب اللہ حضرت خواجہ

محمد خدا بخش ملتانی ثم خیر پوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کو علوم ظاہرہ اور علوم باطنیہ میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ آپ کے آباؤ اجداد رشد و ہدایت کے مراکز کے طور پر معروف تھے۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:

مولانا خدا بخش بن مولوی جان محمد بن مولوی عنایت اللہ بن مولوی حسن علی بن مولوی محمود جیو بن مولوی محمد اسحاق بن مولوی علاؤالدین رضی اللہ عنہم،

آپ کے بزرگوں میں سے مولوی محمود جیوؒ قصبہ تلنبہ میں قیام پذیر تھے آپ اپنے دور کے ایک نامور ولی اور صاحب فضل و کرم تھے۔ آپ کو مکمل بخاری شریف حفظ تھی۔ ان کی کرامات بھی زبان زدِ عوام و خواص ہیں آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے پاؤں سے جو کوئی چھوتا فوراً وجد میں آجاتا۔ آپ تلنبہ سے ہجرت کر کے ملتان تشریف لائے تو شہر کے اندرونی جانب قیام فرمایا۔ اور اہل ملتان کو علوم ظاہرہ اور علوم باطنیہ سے فیض یاب کرنے لگے۔ آپ کے کئی صاحبزادے تھے جن کی اولاد چلی۔ اس خاندان میں مولوی جان محمدؒ بھی تھے، جن کی اولاد میں سے مولوی خدا بخشؒ تھے۔ جنہوں نے دینِ متین کے بازار کی رونق کو بڑھایا اور بدی و عصیان کی تاریکیوں کو مٹایا۔ بچپن کی حدود عبور کر کے جب شعور کی عمر کو پہنچے تو اپنے والدِ گرامی مولوی جان محمدؒ سے دینی علوم کی تحصیل شروع کی۔

مولوی جان محمد صاحب کا انتقال ہوا تو اس خاندان کو معاشی تنگی کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ نے اپنے موروثی توکل پر عمل کرتے ہوئے کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا۔

عمر بڑھی تو کسی مرشد کے دامن سے وابستہ ہونے کا شوق پیدا ہوا کہ بدون کسی مرشد کامل کے ہدایت ناممکن نہیں۔

اس دور میں مولوی عبدالحکیم چشتیؒ ایک مشہور ولی اللہ تھے۔ جو حضرت گنج شکرؒ کی نسل سے تھے آپ "قصیدہ بردہ" کے عامل تھے۔ مولوی صاحبؒ گڑھی اختیار خاں میں مقیم تھے۔ حضرت خدا بخشؒ اِن سے "قصیدہ بُردہ" کے وظیفہ کی اجازت لینے کے لئے روانہ ہُوئے۔ ملتان کے قریب قصبہ شجاع آباد میں پہنچے۔ لوگوں کو آپ کا غائبانہ تعارف تھا۔ آپ کی وہاں تشریف آوری پر لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ وہیں قیام فرمائیں اور انہیں علوم دینیہ اور معرفت سے سرفراز فرمائیں۔ چنانچہ ان کے اصرار پر آپ تقریباً تین ماہ شجاع آباد رہے۔ کسی نے بتایا کہ مولوی عبدالحکیمؒ کا ایک شاگرد بھی "قصیدہ بردہ" کا پختہ عامل ہے اور وہ یہیں شجاع آباد میں رہتا ہے۔ چنانچہ آپ اس شخص کے پاس گئے اور قصیدہ بردہ کا وظیفہ کرنے کی اجازت طلب کی۔

اس نے سمجھا کہ شاید انہیں وسعتِ رزق کی خواہش ہے چنانچہ قصیدہ کے ایک خاص شعر پڑھنے کی اجازت مرحمت کی۔ جب آپ نے بتلائے ہُوئے طریقے کے مطابق شعر کا وظیفہ شروع کیا تو آپ سے تنگی دور ہوگئی اور رزق میں وسعت آگئی۔ اور آپ کو دو روپے روزانہ ملنے لگے۔

آپ پھر اس کے پاس گئے اور کہا کہ میری خواہش توسیع رزق نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کوئی ایسا عمل اور وظیفہ بتلائیں کہ مجھے معلوم ہوجائے کہ فلاں شخص مرشدِ کامل ہے تاکہ میں اس کے ہاتھ پر بیعت کر لوں۔ اس نے وہی شعر بتلایا اور اس کو ایک خاص طریقے سے پڑھنے کی تعلیم دی۔ آپ نے قصیدہ بردہ کے اس شعر کی زکوٰۃ ادا کر کے پڑھنا شروع کیا تو خواب میں حضرت محبوب اللہ حافظ محمد جمال ملتانی نور اللہ مرقدہٗ کی زیارت ہُوئی۔ صبح جب نیند سے بیدار ہُوئے تو عالم مسرت میں یہ شعر پڑھا۔

یار در خانہ و من گردِ جہاں گردیدم
آب در کوزہ و من تشنہ لباں گردیدم

(محبوب تو گھر میں تھا لیکن میں اسے دُنیا بھر میں تلاش کرتا پھرا۔ میں خواہ مخواہ پیاس بجھانے کے لئے ادھر اُدھر بھٹکتا پھرا حالانکہ پانی میرے اپنے

ہی کوزہ میں موجود تھا۔)

میرے والد ماجد مدظلہ العالی نے جناب گاہ کے حوالہ سے بتایا کہ اصل معاملہ یوں ہے کہ ایک دن محب النبی حضرت مولانا فخر الدینؒ کی محفل میں ذکر ہوا کہ حضرت غوث بہاؤالدین ذکریاؒ ملتان میں کسی ولی اللہ کو تصرف نہیں کرنے دیتے اور اگر کوئی ولی اللہ یہاں آئے تو اس کا قیام ہی محال بنا دیتے ہیں۔ حضرت مولانا فخر الدینؒ نے بات سنی مگر سکوت فرمایا۔
دوسرے دن حضرت فخر الدینؒ نے حضرت قبلہ عالمؒ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ "تمام ساتھیوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آج سے قبل ملتان پر صرف غوث بہاؤالدین ذکریاؒ کا تصرف تھا لیکن گذشتہ رات حضرت بہاؤالدینؒ تشریف لائے اور ملتان کو ہمارے حوالے کر گئے۔ اس لئے حافظ محمد جمالؒ کو بتلا دو کہ وہ یلا جھجک ملتان جا کر شیخ بہاؤالدینؒ کی درگاہ میں لوگوں سے بیعت لے۔"

حضرت قبلہ عالمؒ رخصت طلب کر کے مہار شریف تشریف لے آئے اور حکم کے مطابق حافظ محمد جمالؒ کو ملتان روانہ کیا۔ چلتے وقت فرمایا کہ جو کوئی بیعت کے لئے حاضر ہو بغیر کسی خوف کے اُس سے بیعت لے لینا۔ چنانچہ حافظ صاحبؒ ملتان پہنچے۔ حضرت محبوب اللہ کے مکان پر تشریف لائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر درگاہ حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ میں لے جا کر مزار شریف کے سامنے ان سے بیعت لی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حافظ محمد جمالؒ مرشد کی زیارت کے لئے مہار شریف گئے تو حضرت خدا بخشؒ کو بھی ساتھ لے گئے ابھی آپ مہار شریف میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ حضرت قبلہ عالمؒ نے اپنے خدام کو بتلایا کہ حافظ صاحبؒ ہمارے لئے ایک خصوصی تحفہ لا رہے ہیں۔ خدام نے سمجھا کہ شاید ملتان کا کوئی تحفہ یا شہر کی مصنوعات میں سے کوئی چیز ہوگی۔ آپ نے فرمایا "وہ کوئی ایسی چیز نہیں بلکہ وہ تحفہ مولوی خدا بخش کی ذات ہے"۔

جناب حافظ صاحبؒ اور مولوی صاحبؒ جب حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے ان کو بہت سی روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ میں نے متعدد ثقہ افراد سے سنا کہ مولانا خدا بخشؒ حضرت قبلہ عالمؒ کی زیارت کے لئے بیس مرتبہ مہار شریف تشریف لے گئے۔ جب بھی گئے حضرت قبلہ عالمؒ نے پہلے سے زیادہ انعام و اکرام روحانی

سے نوازا۔

مولوی خدا بخش صاحب نے حد عبادت و مجاہدہ کرتے حتیٰ کہ ان پر جذب و سکر کی کیفیت طاری ہوئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ راہ چلتے بھول جاتے اور کسی دوسری طرف نکل جاتے۔ حافظ محمد جمالؒ نے حضرت قبلہ عالمؒ کو اس صورت حال کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا کہ "مولوی صاحب کو کہہ دیں کہ روحانی اشغال چھوڑ دیں اور اپنے آپ کو علوم دینیہ کی تدریس کے لئے وقف کر دیں کیونکہ اس میں ان کا بھی فائدہ ہے اور لوگ بھی فیض یاب ہوں گے"۔ چنانچہ اس کے بعد مولوی صاحبؒ نے علوم دینیہ کی تدریس کو اپنا نصب العین بنا لیا اور بے شمار لوگوں کو علمی فیض سے مالا مال فرمایا۔

مولوی خدا بخش صاحبؒ کو خلافت کی نعمت دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوئی تھی۔ لیکن ملی حضرت قبلہ عالمؒ اور پیر حافظ محمد جمالؒ کے واسطہ سے۔

حافظ محمد جمال صاحبؒ اکثر اوقات فرماتے کہ "مولوی خدا بخش کے لئے ہم تو فقط ایک واسطہ ہیں"۔ ورنہ انہیں جو ملا وہ حضرت قبلہ عالمؒ سے ملا ہے۔ یہ واضح ہونا چاہیئے کہ آپ کی قوم "مہل ہانس" تھی اور یہ جو مشہور ہے کہ آپ "کلال" قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ میرے والد گرامیؒ کو آپ نے خود فرمایا تھا کہ ان کے دادا مولوی صاحب تلنبہ سے ملتان آکر قیام پذیر ہوئے تو کلالوں کے محلہ میں ٹھہرے۔ اس بنا پر بعض ناسمجھ انہیں بھی کلال سمجھنے لگے۔ آپ کے شجرہ نسب میں بھی "مہل ہانس" ہی درج ہے۔

آپ کے ایک معتبر خادم میاں عبد اللہ سے میں نے سنا کہ ایک مرتبہ حافظ محمد جمالؒ "دائرہ دین پناہ" میں تشریف لائے۔ وہاں عبد الصمد خان کی حکومت تھی۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے گفتگو کی۔ دوران گفتگو میں خان موصوف نے آپ کو مخاطب کر کے کہا سبحان اللہ مولوی صاحب کس قدر نیک ہیں۔ اس کے یہ الفاظ سن کر آپ کو افسوس ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر آدمی کو نیک لوگوں کے اوصاف کا علم ہو تو خواہ مخواہ ان الفاظ کا استعمال مناسب نہیں۔ خان نے حیرانی سے عرض کیا حضرت میں نے تو نیک ہی کہا ہے کوئی گستاخی تو نہیں کی۔ آپ ہی فرمائیے کہ نیک لوگوں کے

اوصاف کیا ہیں تاکہ بندہ کو معلوم ہو جائیں۔

آپ نے فرمایا کہ ان کے اوصاف دو طرح کے ہیں۔ ادنیٰ اور اعلیٰ تم کون سے پوچھتے ہو؟ اس نے عرض کی کہ دونوں ہی بیان فرما دیں۔

آپ نے فرمایا ادنیٰ یہ ہیں کہ اگر مولوی صاحب کو حجرہ میں بٹھا کر تمام راستے بند کر دیئے جائیں پھر بھی وہ چاہیں تو بآسانی باہر آ جائیں کوئی دیوار یا تختہ ان کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنے گا۔ اور اعلیٰ وصف یہ کہ وہ محبوب خدا ہیں اور محبوبیت کا جو وصف بھی ان کی طرف منسوب کیا جائے کم ہے اسی دن سے آپ محبوب اللہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

حافظ محمد جمال صاحبؒ کے ایک مخلص خادم محمد ہاشم بیان کرتے ہیں کہ حافظ صاحبؒ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے ہر عام و خواص پر باآواز بلند واضح فرمایا کہ ان کے بعد کسی کو اُن کی ضرورت محسوس ہو تو وہ سیدھا خدا بخش صاحب کے پاس چلا جائے۔

آپ کے اخلاق عمدہ تھے، شریعت کی پابندی اور نیکی پر آپ کی طبیعت میں اس قدر پختگی تھی کہ اس کی مثال اولاد آدم میں ملنا مشکل ہے۔ ہر شخص کی دلجوئی اور اظہار ہمدردی کرنا آپ کی فطرت تھی۔ توکل بھی حد درجہ کا تھا۔ جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا مسلم ہو یا غیر مسلم آپ اسے اُٹھ کر ملتے۔ ایک مرتبہ ایک عالم دین نے شکایت کی کہ آپ کفار کے لئے بھی تعظیم کے طور پر کھڑے ہوتے ہیں، حالانکہ کفار کی تعظیم ناجائز ہے۔ آپ نے فرمایا میں ہر شخص کے لئے کھڑا ہوتا ہوں۔ یہ میری عادت ہے اصل وجہ یہ تھی کہ آپ کو ہر شخص میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا جلوہ نظر آتا تھا کیونکہ اصول یہی ہے کہ "اَلْاِنْسَانُ مِرْاٰۃُ الرَّحْمٰنِ" انسان خدا کا آئینہ ہے۔

آپ کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ایک افغانی سفر پر جا رہا تھا۔ وہ آپ کے پاس آیا۔ کہا میں پردیس جا رہا ہوں۔ آپ کسی درویش کی ڈیوٹی لگا دیں کہ میری عدم موجودگی میں میرے گھر کا سودا سلف لا دیا کرے۔ آپ نے فرمایا تم بے فکر ہو کر چلے جاؤ ایسے ہی ہو گا۔ اس افغانی نے گھر میں بتایا کہ باہر کے کاموں کے لئے حضرت صاحبؒ نے

درویشوں کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ اسلئے باہر سے کوئی چیز منگوانی پڑے تو ان سے منگوا لیا کرنا۔ اس کو گئے کافی عرصہ گذر گیا۔ اس دوران اس کے گھر والوں کا سودا سلف بازار سے آتا رہا۔ لیکن گھر والوں کو کیا معلوم کہ جو شخص انہیں سودا وغیرہ لا دیتا ہے وہ خود حضرت والاؒ ہیں۔ ایک دن آپ نے سر پر ایندھن کا گٹھا اٹھایا اور اس افغانی کے گھر لائے۔ اسی دوران میں افغانی بھی سفر سے واپس آگیا۔ اور حضرت صاحبؒ کو بذاتِ خود لکڑیاں اٹھائے ہوئے دیکھا تو بے حد نادم ہوا۔ عرض کیا حضرت یہ کیا؟ میں تو آپ کا ناچیز خادم ہوں۔ آپ نے کسی درویش کی ڈیوٹی لگانا تھی۔ اسی اثنا میں اندر سے خادمہ آئی اور کہا یہی صاحب تو آپ کی عدم موجودگی میں گھر کا تمام سودا سلف ہمیں لاکر دیتے رہے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے رہے کہ کوئی درویش ہے۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ حضرت والا خود ہیں۔ سبحان اللہ آپ کس قدر اعلیٰ کریمانہ اخلاق کے مالک تھے۔

توکل میں آپ کا یہ عالم تھا کہ ابتدا میں لنگر شریف کی مالی حالت بے حد کمزور تھی۔ یہ دیکھ کر آپ کی حرمِ محترم نے سوت کات کر کھدر کے چند تھان بنوائے کہ انہیں فروخت کر کے لنگر کا خرچ چلائیں۔ آپ نے وہ تمام تھان فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دیئے۔ گھر والوں نے پیسے مانگے تو آپ نے فرمایا کہ وہ تھان میں نے ایک بے حد دولت مند ذات کے ہاتھ فروخت کر دیئے ہیں۔ انشاء اللہ وہ جلد ہی قیمت بھجوا دے گا۔ ابھی دو تین روز ہی گذرے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ڈیرہ اسمٰعیل خان سے ایک شخص حاضرِ خدمت ہوئے اور بہت سی رقم آپ کی خدمت میں بطور نذر پیش کی۔ آپ نے اس رقم میں سے کچھ تو اہل خانہ کو دیا اور بقایا فقرا میں تقسیم فرما دی۔

میں نے کئی ثقہ لوگوں سے سنا ہے کہ حضرت حافظ محمد جمال ملتانیؒ جب بھی مہار شریف آئے تو کئی بار فرمایا کہ خیر پور میں ایک مکان بنوانا چاہتا ہوں۔ قاضی محمد سعید صاحب کہتے ہیں کہ حافظ صاحبؒ کے وصال کے بعد میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ ہم نے دین کا علم خیر پور میں بھرا دیا ہے۔ قاضی صاحب کہتے ہیں میں بڑا حیران تھا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ مگر جب کفار کے حملے سے ملتان تباہ ہوا۔ تو مولوی خدا بخش

صاحب محبوب اللہؒ وہاں سے ہجرت کر کے خیر پور تشریف لے گئے اور وہاں ہزاروں طلباء کو اپنے فیض سے متمتع کرنا شروع کیا۔ تب مجھے اس خواب کی تعبیر سمجھ میں آئی۔

حافظ غلام حسن بھٹیؒ کے بھانجے حافظ نور جہانیاںؒ کہتے ہیں کہ جب آپ نے ملتان سے ہجرت کر کے موضع سلطان پور المعروف ٹبہ میں قیام اختیار کر لیا اور وہاں کے اہلیان کو اپنے فیوض و برکات سے مالامال کرنے لگے تو ماموں جان اور حضرت قبلہ نے اپنے بھائیؒ حافظ غلام مرتضےٰ کو لکھا کر معلوم ہونا چاہیئے کہ ملتان شہر سے علم و معرفت کی نہر منتقل ہو گئی ہے۔ اس لئے جیسے بن پڑے نذر و نیاز پیش کر کے اس بحرِ علم و معرفت کو اپنے مکان پر لے آؤ۔ خود بھی مستفید ہو اور دُنیا کو بھی مستفید ہونے کا موقعہ فراہم کرو۔ اور اس وقت کو غنیمت شمار کرو۔ خط ملا تو وہ ساز و سامان لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑی عاجزی سے مدعا عرض کیا۔ اور حضرت محبوب اللہؒ کو اپنے مکان پر لائے اور ان کا بھر پور استقبال کیا۔

حافظ غلام حسن بھٹیؒ کے بھتیجے حافظ محمد افضل فرماتے ہیں کہ مولوی خدا بخش صاحبؒ موضع چیلا واہن میں مقیم تھے کہ حضرت قبلہ عالمؒ کے عرس کے دن آئے۔ میرے والد حافظ غلام مرتضیٰؒ نے عرض کیا کہ عرس پر جاتے وقت غلاموں کو بھی ہمراہ لیتے جائیں تاکہ آپ کی صحبت کے طفیل اس سفر کے روحانی فیوض سے بہرہ ور ہو سکیں۔ آپ نے اجازت دے دی تو مولوی محمد موسیٰؒ، مولوی عبدالحکیمؒ، مولوی عبدالغفارؒ وغیرہ آپ کے ہمراہ چلے۔ دریا کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوئے۔ اتفاقاً آپ کو بخار آ گیا۔ کچھ استغراق باطنی کا اثر تھا اور کچھ شدت بخار کا کہ آپ کشتی کے ایک کونے میں الگ جا کر لیٹ گئے۔

اتفاقاً اس وقت مخالف ہوا چلنے کی وجہ سے دریا میں سخت طوفان آیا۔ کشتی ہچکولے کھانے لگی لوگ کشتی کی غرقابی کے خیال سے واویلا کرنے لگے، ملاحوں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا۔ مگر حضرت والا بدستور سکون و اطمینان سے عالم استغراق میں محو رہے۔ حافظ محمد افضل کہتے ہیں کہ مجھے سخت اندیشہ ہوا اگر کشتی ڈوب جاتی ہے اور

خدانخواستہ حضرت والا بھی ڈوب جاتے ہیں تو پورا ملتان ویران ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے چند خاص خدام کے ساتھ حضرت والا کی خدمت میں التجا کی کہ آپ سکون سے آرام فرما رہے ہیں لیکن کشتی ڈوبنے والی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ خدا اس طوفان سے نجات دلائے آپ نے جونہی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے طوفان ختم ہو گیا اور کشتی سلامتی کے ساتھ کنارے پر جا لگی۔

منقول ہے کہ جب خان محمد صادق عباسی نے آپ کی تشریف آوری کی خبر سنی تو حاضر خدمت ہوا اور عاجزی و اصرار کے ساتھ آپکو خیر پور لے آیا۔ پورے لنگر اور خدام کے تمام اخراجات کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔ یہاں لاکھوں افراد نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

میں نے کئی ذمہ دار اشخاص سے سنا اور حافظ غلام حسن بھٹی نے بھی کئی بار یہ بتایا ہے کہ جس شخص کو حضرت غوث بہاؤ الدین ذکریا کی زیارت نصیب نہ ہو سکی ہو وہ مولوی خدا بخش صاحب کی زیارت کرلے کہ ان دونوں بزرگوں میں بال برابر بھی فرق نہیں۔

آپ کی ذات فرشتہ صفات کے ہاتھ پر بے شمار کرامات ظاہر ہوئیں اگر میں عمر بھر ان کی تفصیل لکھتا رہوں تو ان کا ذکر ختم نہ ہو۔

جیسا کہ ایک شاعر لکھتا ہے!

کے توانم شرح وصفش کرد اندر قید کلک
کرموئے در نیاید گر کنم زاں صد کتاب!

تاہم ان میں سے تبرک کے طور پر بعض کرامات کا ذکر کرتا ہوں۔ تاکہ طالبان حق کے مزید ایقان کا ذریعہ بن جائے۔

کرامات :۔ آپ کے ایک خلیفہ مجاز سید موسیٰ شاہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت قاضی صاحبؒ کا پوتا مولوی خدا بخش خیر پور میں آپ کی زیارت کے لیئے حاضر ہوا اس دوران آپؒ نے ایک خادم سے پانی طلب فرمایا۔ خادم مذکور مٹی کے ایک برتن میں پانی لے آیا۔ دل میں خیال گزرا کہ آپ علم دینی میں تو ایک بلند مقام کے حامل ہیں

یہاں تک کہ سنتوں میں سے ایک سنت بھی ترک نہیں کرتے۔ مگر خدا جانے علم باطنی میں کچھ ملکہ حاصل ہے یا نہیں؟ آپ کو اپنے علم معرفت کی وجہ سے خبر ہو گئی فرمایا۔

"با گروسگانت حق داد صد کرامت"

اللہ تعالیٰ نے تو میرے مرشد کی بلیوں اور کتوں کو بھی سینکڑوں کرامات سے سرفراز کیا ہے۔ یہ سن کر وہ خادم سخت نادم ہوا۔ مولوی صاحبؒ نے کہا بزرگ سچ کہتے ہیں کہ ظاہری بادشاہوں کے دربار میں زبان سے کوئی ناشائستہ کلمہ نہیں نکلنا چاہیئے لیکن باطنی بادشاہوں کے حضور تو دل میں بھی کوئی ناشائستہ خیال نہیں آنا چاہیئے۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ جب حضرت قبلہ عالمؒ کا وصال ہوا تو ان کی تجہیز و تکفین کا تمام انتظام مولوی خدا بخش صاحبؒ نے کیا جنازہ تیار ہو گیا۔ تو وہاں موجود علماء و صوفیاء کے مابین یہ بات طے پائی کہ حضرت قبلہ عالمؒ کا جنازہ وہ پڑھائے جس نے زندگی بھر کوئی مستحب بھی ترک نہ کیا ہو۔ علماء اور صوفیاء نے کہا کہ اس کڑی شرط پر وہ پورے نہیں اترتے۔ لیکن مولوی خدا بخش صاحبؒ آگے بڑھے اور امامت کرائی کہ ان سے زندگی میں کوئی مستحب بھی ترک نہ ہوا تھا۔

کہتے ہیں کہ ملتان کے مضافات میں ایک چرواہا تھا۔ وہ آپ کے ہاں بیعت کے لیئے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اسے بیعت سے سرفراز فرمایا۔ چونکہ وہ ان پڑھ تھا۔ اور وظائف یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔ اس لیے آپ نے اُسے اپنے ہی نام کا یعنی "یا خدا بخش" کا وظیفہ کرتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ وہ تمام عمر ہر لحظہ یہی وظیفہ کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مرنے کے بعد بھی اُسکی زبان پر یہ وظیفہ بدستور جاری تھا۔ اس کی اطلاع آپ کو ملی تو آپ نے اس کا ذکر اپنے مرشد محب اللہ حافظ محمد جمال صاحبؒ سے کیا انہوں نے فرمایا کہ جنازہ پر آپ نہ جائیے گا۔ بلکہ اپنے خدام میں کسی کو بھیج دیجئے گا۔ حاضرین میں سے کسی نے حضرت محب اللہؒ سے دریافت کیا کہ منع کرنے کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا" مجھے خطرہ ہے کہ جب یہ وہاں پہنچیں تو مُردہ فرط محبت سے اٹھ کر ان کے قدموں میں نہ آ گرے۔ اس طرح شریعت کی خلاف ورزی ہو گی۔

مولوی عظیم بخش احمد پوریؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک خراسانی حاضر ہوا۔ اس نے مناسب آداب واحترام کو ملحوظ رکھا بلکہ صرف عام سے انداز میں مصافحہ پر اکتفا کیا اور بیٹھ گیا۔ ہم خدام نے محسوس کیا کہ یہ بہت بے ادب ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے حکم دیا کہ وہ مسجد میں جا بیٹھے چنانچہ وہ مسجد میں چلا گیا۔ آپ نماز ظہر ادا کرنے کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور زار و قطار رونے لگا۔ اور کہا کہ میں پوری دنیا پھر چکا ہوں تاکہ کہیں کوئی ولی اللہ نظر آئے۔ تو اسکی غلامی اختیار کر لوں۔ کئی اولیاء اور صوفیاء کے پاس پہنچا مگر مقصد میں ناکام رہا۔ اب جبکہ میں آپکی خدمت اقدس میں پہنچا ہوں۔ تو مجھ ناچیز کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عبدالقادر جیلانیؓ اور کئی دیگر مشائخ کی خواب میں زیارت ہوئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری مدت کی آرزو پوری ہوئی۔ چنانچہ اس نے بڑے ادب واحترام سے قدمبوسی کی اور آداب بجالایا۔ حضرتؒ کے خادموں سے بھی ادب سے پیش آیا پھر رخصت لیکر ایک طرف روانہ ہو گیا۔

آپ کے ایک خاص خادم حاجی محمد نصرت بیان کرتے ہیں کہ وہ جب زیارتِ حرمین اور حج سے فارغ ہو کر حیدر آباد دکن پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک جگہ بھیڑ لگی ہے۔ پوچھا کہ یہ کیا مجمع ہے؟ بتلایا گیا کہ چند دن سے ایک بہت بڑے پیر صاحب، جن سے ہزاروں لوگوں کو فیض پہنچ رہا ہے، یہاں تشریف فرما ہیں۔ سوچا کہ زیارت کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حاجی صاحب نزدیک پہنچے دیکھا کہ بے شمار ہندو اس طرح بیٹھے ہیں جیسے چاند کے گرد ستارے اور تمام اپنی اپنی گذارشات پیش کر رہے ہیں۔ اس شخص کی شکل وصورت حضرت مولوی خدابخش صاحبؒ سے ملتی جلتی تھی۔ دلی کشش کی وجہ سے حاجی صاحب بھی وہاں بیٹھ گئے۔ پیر صاحب سارا وقت لوگوں کی معروضات سنتے رہے۔ مگر ان کی جانب کوئی توجہ نہ دی۔ البتہ کبھی کبھی کنکھیوں سے دیکھتے۔ جب دوسرے لوگوں سے فارغ ہو گئے تو انہیں فرمایا حافظ نصرت کیوں حیران ہو رہے ہو؟ مجھ سے ہچکچانے کی کوئی ضرورت نہیں میں تمہارا پیر بھائی ہوں۔ نزدیک ہو کر بیٹھو۔ میں نے مؤدبانہ عرض کیا

کہ آپ اس لباس میں اور اس حلیہ میں یہاں کیوں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یونہی حکم ہوا ہے۔ اس لئے میں ان لوگوں کو فیض پہنچانے کے لئے یہاں آیا ہوں۔ دیکھنا تم اس کا ذکر کسی اور شخص سے نہ کرنا۔ میں دو تین روز بعد خیر پور میں حضرت خدابخش صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسکرا کر ملے۔ میں نے وہاں کے لوگوں سے اور خدام سے دریافت کیا کہ فلاں وقت حضرت کہیں تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے کہا کہیں نہیں یہیں قیام پذیر رہے ہیں۔ سوچا کہ اللہ کی قدرت ہے! اس نے اپنے اولیاء کو ایک جسم میں محدود نہیں کیا بلکہ ایک ایک ولی کے کئی جسم ہیں، جن کے ساتھ وہ بیک وقت مختلف مقامات پر موجود رہتے ہیں۔

حضرت محب اللہ حافظ محمد جمالی ملتانی نور اللہ سرقدہٗ کے وصال کے بعد مرشد کے اہل خانہ نے روضہ شریف کی تعمیر کا مختار آپ کو بنا دیا۔ ایک وقت آیا کہ مستریوں اور مزدوروں کی اجرت کے لئے رقم ختم ہوگئی۔ آپ نے اس کا یہ حل نکالا کہ اپنی ذاتی نایاب کتاب کسی کے پاس گروی رکھ کر رقم حاصل کی اور روضہ شریف کا کام جاری رکھا۔ ابھی یہ رقم ختم نہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار رقم اور مہیا فرما دی اور تھوڑی مدت میں روضہ شریف کی تعمیر کا تمام کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

تعمیر کے دوران ایک عجیب واقعہ یہ رونما ہوا کہ جب معماروں نے روضہ شریف کے متصل حجرہ بنانی چاہی جو کہ گیلری نما برآمدہ تھا، تو انہوں نے مشرقی وجنوبی دیوار تعمیر کی۔ پھر جب مغربی وشمالی جانب کو اس میں ملانا چاہا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس دیوار کو بیل پایہ کے اصول کے سوا تعمیر کرنا ناممکن ہے۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ جب اتنا بڑا آسمان بغیر ستونوں کے قائم ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ اس کو بھی بغیر ستونوں کے کھڑا رکھے۔ تم بسم اللہ پڑھ کر اینٹ رکھو۔ دیکھو گے کہ انشاء اللہ آسمان کی طرح یہ مکان بھی بغیر کسی ستون کے قائم رہے گا چنانچہ معماروں نے حسب الارشاد تعمیر کی۔ اللہ کے کرم سے وہ اب تک بغیر ستونوں کے کھڑی ہے۔

کہتے ہیں ملتان کے ناظم ساون مل نے معماروں کو حکم دیا کہ ایک اسی طرح کی تجر اس کے لئے بھی بنا دیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ تجر تو صرف حضرت صاحبؒ کی کرامت کی وجہ سے کھڑی ہے۔ ورنہ عملاً یہ ناممکن ہے۔ آپ کے ایک اور خادم محمد عبداللہ نے بتلایا کہ ایک دن آپ نے حکم دیا کہ فوراً گھوڑا تیار کر کے لاؤ کیوں کہ احمد پور جانا ہے۔ تمام حاضرین حیران تھے کہ اچانک وہاں جانے کی کیا ضرورت پڑ گئی۔ تمام نے دبی زبان سے بغیر کسی کام کے وہاں جانے سے روکا۔ لیکن آپ نہ مانے اور روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ خان محمد صادق رئیس اعظم سخت بیمار ہیں۔ حالت نزع کے قریب ہیں۔ حالت دگرگوں ہے اور زبان سے جزع فزع کر رہے ہیں۔ آپ نے فوراً وضو کیا۔ اپنا چہرۂ مبارک قریب لے جا کر کلمۂ شہادت کی تلقین شروع کی۔ آپ کا یہ عمل کرنا تھا کہ نواب محمد صادق کو سکون و راحت نصیب ہوئی اس نے بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا شروع کیا اور بڑے اطمینان سے عالم بقا کو سدھارے اور مسندِ حکومت پہ خان محمد بہاول خان متمکن ہوئے۔ نواب محمد صادق کی تجہیز و تکفین کے بعد آپ واپس تشریف لے آئے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ کو وہاں جانے کا حکم قاضی محمد عاقل صاحبؒ نے باطنی طور پر دیا تھا۔ کیونکہ نواب صاحب ان کے مخلص خادم تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک بار حضرت قبلہ عالمؒ کے فرزندان ذی وقار کے کسی کام کے لئے حضرت محبوب اللہ خان محمد بہاول خان کے پاس اس کے قلعہ ڈیرہ آور میں تشریف لائے۔ ان دنوں پورا علاقہ سخت قحط کا شکار تھا۔ انسان اور جانور پانی نہ ملنے کی وجہ سے بے حد مشکل میں تھے۔ نواب موصوف نے آپ سے عرض کیا جناب خشک سالی کی وجہ سے علاقہ ایک عذاب میں مبتلا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ رحمت کی بارش نازل فرمائے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ آپ نے فرمایا "لوگوں سے کہہ دو کہ اپنے مکانوں کی چھتوں کو درست کر لیں"۔ لیکن حسب عادت نواب نے سستی کی۔ آپ وہاں سے اٹھ کر اپنے ڈیرہ تشریف لائے۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر ڈیرہ پر پہنچتے ہی بڑے زور سے بارش ہوئی جس مکان میں آپ

ٹھہرے تھے اس کے سوا باقی تمام سرکاری مکانات بارش کی کثرت کی وجہ سے خراب ہو گئے اور ٹپکنے لگے۔ جب بارش بے حد ہوئی تو نواب دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا بارش نے تو تباہی مچادی ہے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اب اسے موقوف فرما دے۔ جونہی آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، بادل چھٹ گئے۔ اور بارش رُک گئی۔

میں نے کئی بزرگوں سے سُنا ہے کہ خیرپور کے قریب قصبہ دُرپور کی تمام زمین دریا بُرد ہوتی جارہی تھی۔ خان موصوف نے عرض کیا جناب بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے میرا یہ شہر اور قلعہ دریا برد ہو جائے۔ ازراہِ کرم کوئی تجویز سوچئے جس سے یہ خطرہ ٹل جائے آپ نے ایک روپیہ کے بتاشے خریدے اور خود دریا پر تشریف لے گئے بتاشے دریا میں ڈال دیئے اور دعا مانگی۔ دریا تین تین کوس شہر سے پیچھے ہٹ گیا اور جب تک آپ زندہ رہے دریا نے اس شہر کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچایا۔

جناب شرف شاہ صاحب ولد سیّد عنایت شاہ صاحب قطب پوری بیان کرتے ہیں کہ ایک بار وہ سخت بیمار پڑ گئے۔ بہتیرے علاج کرائے لیکن کسی دوا سے فائدہ نہ ہوا۔ اتفاق سے حضرت محبوب اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ ملتان شریف سے ہماری بستی قطب پور میں تشریف لائے۔ ہمارے مکان پر رونق افروز ہو کر ہماری عزت افزائی فرمائی۔ میں چونکہ سخت کمزور و لاچار تھا: اور چل کر نہ جا سکتا تھا۔ اسلیئے میرے عزیزوں نے چارپائی پر لٹا کر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کہو کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کے سامنے ہوں۔ خود ملاحظہ فرمالیجئے بیماری نے لاچار کر رکھا ہے۔ اسی دوران ایک موسیقار کہیں سے آگیا اور اس نے گانا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے مجھے وجد کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا جب وہ گانے لگا تو مجھ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ جونہی میں ہوش میں آیا تو بالکل تندرست تھا۔ حتیٰ کہ آپ سے رخصت لے کر اپنے قدموں پر چل کر گھر گیا۔

قصبہ موج گڑھ کے قاضی محمد پناہ صاحب آپ کے خصوصی راسخ الاعتقاد غلاموں میں سے تھے۔ وہ اپنے شہر سے آپ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے تو زادِ راہ اور ایک مشکیزہ پانی کا ساتھ لیا۔ اور ایک اونٹ پر سوار ہو کر سفر پر روانہ ہوئے۔ تمام دن کے سفر سے تھکے تھے اسلئے رات کو سوئے تو آنکھ اس وقت کھلی جب سورج کی تمازت اثر کرنے لگی۔ اٹھے تمام سامان اونٹ پر لادا اور خود سوار ہونے لگے تھے کہ اونٹ کی مہار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ بھاگ پڑا۔ آپ نے اس کا بہت تعاقب کیا لیکن وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ صبح سے ظہر تک اونٹ کی تلاش میں بھاگتے رہے، لیکن اس کا کہیں سراغ نہ ملا۔ زادِ راہ اور پینے کا پانی بلکہ سب کچھ اس اونٹ پر لدا ہوا تھا۔ دور دور تک آبادی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ آخر تھک ہار کر اور مایوسی کے عالم میں ایک جھاڑی پر کپڑا لٹکا کر موت کے انتظار میں نیچے لیٹ گئے۔ لیٹے ہی تھے کہ غشی کی حالت طاری ہو گئی۔ قدرے افاقہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت خواجہ خدا بخش تشریف لائے۔ اور ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، محمد پناہ! اٹھو پانی پی لو۔ میں سمجھا کہ شائد نزع کا وقت آ پہنچا ہے اور آپ کی روح تشریف لائی ہے۔ لیکن آپ نے دو تین بار پانی پینے کا حکم دیا تو میں نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر آپ کہیں نظر نہ آئے۔ اسی عالم میں میں نے ایک خوبصورت حوض دیکھا جو میٹھے پانی سے بھرا ہے۔ اس کے کناروں پر سبز اور تازہ گھاس ہے۔ میں نے اس حوض سے جی بھر کر پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس صحرا میں اور اس گرم ترین موسم میں اللہ تعالیٰ نے یہ آبِ شیریں عطا فرمایا۔ میں نے حوض کے کنارے کھڑے ہو کر ایک بار پھر اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ اچانک مجھے اپنا اونٹ نظر آ گیا۔ میں اس کو پکڑ کر حوض کے کنارہ پر لایا۔ مشکیزہ کھولا اس کا پہلا پانی گرا دیا اور حوض سے تازہ پانی بھر لیا۔ میں نے اونٹ پر سوار ہو کر دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ منزلیں طے کرتے کرتے حضرت والاؒ کی خدمت میں پہنچا تو ان کے قدموں میں گر کر زار و قطار رونے لگا۔ آپ نے از راہِ شفقت فرمایا کہو کیا حال ہے؟ نیز آپ نے تبسم بھی فرمایا۔ میں نے اپنے سفر کا یہ واقعہ من و عن آپ کے گوش گذار کیا اور اس مشکیزہ کا

پانی بطور تبرک تمام خدام کو پلایا۔

قاضی محمد سعید بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں آپکی تصنیف "توفیقیہ" آپ سے پڑھ رہا تھا۔ آپ پوری دلجمعی اور تسلی سے مجھے ایک ایک لفظ کا مطلب سمجھا رہے تھے۔ اسی دوران میں نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت میرے تمام گناہ معاف فرما دیجئے آپ نے ازراہِ کرم فرمایا کہ "میں تمہارے تمام گناہ معاف کرتا ہوں" میں نے پھر درخواست کی کہ صفتِ غفاری میں آکر بندہ کی مغفرت فرما دیجئے۔ آپ نے یہ درخواست بھی قبول فرمالی۔

آپ سے ہزارہا افراد فیض یاب ہوئے اور سینکڑوں اشخاص کو خرقۂ خلافت اور اجازتِ بیعت کی سعادت حاصل ہوئی بعد میں یہ افراد اپنے اپنے علاقہ میں رشد و ہدایت کے مینار ثابت ہوئے۔

آپ نے ازراہِ کرم میرے والد ماجدؒ کو بھی خرقۂ خلافت اور روحانی فیوض سے سرفراز فرمایا تھا۔ میرے والد گرامیؒ کے شیخ حقیقی حضرت محب اللہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ نے میرے والد صاحبؒ کو کہ ابھی بچے تھے، صغر سنی میں ہی اپنے خلیفہ مطلق اور سجادہ نشین حضرت محبوب اللہؒ کے سپرد کر دیا اور ارشاد فرمایا کہ اس بچے کے ساتھ ہمیشہ مربیانہ سلوک روا رکھیں۔ چنانچہ آپ نے اپنے مرشد کے ارشاد کے مطابق میرے والد صاحبؒ کو تمام باطنی نعمتوں سے مالا مال فرمایا۔

والد ماجدؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات خواب میں انہیں حضرت محبوب اللہ مولوی خدا بخشؒ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت محبوب اللہؒ حضرت قبلہ عالمؒ کی خانقاہ میں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے میرے والد صاحب کو اپنے پاس بٹھایا اور چاروں سلسلہ ہائے سلوک کی باقاعدہ تلقین فرمائی۔ بلکہ ان کا ایک ایک نقطہ پوری طرح ذہن نشین کرا یا۔ جب وہ نیند سے بیدار ہوئے تو سیدھے اپنے چچا نور حسین صاحبؒ کے پاس پہنچے، جنہیں خوابوں کی تعبیر کا بہت ملکہ حاصل تھا۔ انہیں بالتفصیل اپنا خواب سنایا چچا صاحبؒ نے کہا کہ اُن کا مقدر حضرت خواجہ خدا بخش صاحبؒ سے وابستہ ہے اس لئے فوراً اِن کی خدمت میں پہنچیں چنانچہ وہ خیرپور کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت

صاحبؒ اپنے مرشد کے عرس میں شرکت کے لئے ملتان چلے گئے ہیں۔ لاچار انہوں نے بھی ملتان کا رخ کر لیا۔ منازل سفر طے کرنے کے بعد جب وہ ملتان پہنچے تو بغیر درخواست کے آپ نے خود ہی اپنے پاس طلب فرما لیا۔ اور روضہ شریف کے اندر لے گئے۔ تمام لوگوں کو پرے ہٹا کر انہیں وہیں روضہ کے اندر ہی چاروں سلسلہائے تصوف کی تلقین فرمائی اور اپنے مرشد پاک کے مزار اقدس کے حضور ان کو طرح طرح کے روحانی انعامات سے نوازا۔

رات کے وقت وہ اپنے ٹھکانے پر آئے۔ تو ملتان کے بہت سے قریشی ان کے پاس آئے اور درخواست کی کہ انہیں اپنے ہاتھ پر بیعت کریں۔ والد صاحبؒ نے ان کو اپنے خادم کے ساتھ خواجہ خدا بخش صاحبؒ کی خدمت میں بھیجا کہ انہیں بیعت فرمائیں۔ حضرت صاحبؒ نے انہیں واپس بھیجا کہ آپ ہی بیعت لے لیجئے۔ والد صاحبؒ خود انہیں لے کر حضرت صاحبؒ کی خدمت میں پہنچے تو حضرت صاحبؒ نے باآواز بلند فرمایا۔ کہ ان لوگوں کی تم خود بیعت لے لو" نیز فرمایا آج دن کے وقت روضہ شریف میں بھی درخواست آپ سے کی تھی۔ لیکن شاید آپ نے اسے شرف قبولیت نہیں بخشا۔" پھر آپ نے ان قریشیوں میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ کر ان کے حوالے کیا اور فرمایا کہ ان کو یہ وظیفہ بتلا دو اور خیال رہے کہ آئندہ اس طرح کی زیادتی نہ کرنا۔ جو شخص بھی آئے اس سے بیعت لو اور اس کے مناسب حال وظیفہ بتلایا کرو۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ محفل میں تشریف فرما تھے۔ مخلوقات پروانوں کی طرح آپ کے ارد گرد جمع تھی کہ اسی دوران میرے والد ماجد نے آپ کے حضور یہ شعر پڑھا۔

ہم تمہارے آشنا مدت سے کہلاتے رہے ۔ آج کل کے آشنائی کے مزے جاتے رہے

آپ نے یہ شعر سنا تو فرمایا کہ تسلی رکھو تمہیں بھی مالا مال کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس دن سے آج تک آپ کی عنایات میں اضافہ ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ یہ خدا کا کرم اور آپ کی خصوصی شفقت ہے کہ ہم ہر طرح کے مصائب و حوادث سے محفوظ چلے آ رہے ہیں۔ خدا کرے یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے آمین ثم آمین

مصنفِ کتاب خواجہ امام بخش مہاروی کے خود نوشت احوال

اس بندۂ عاجز کے ساتھ آپ کا خصوصی کریمانہ و شفیقانہ سلوک رہا اس بندۂ ناچیز پر آپ نے جو کرم کئے ان کی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ چنانچہ میرے والد گرامیؒ فرماتے ہیں کہ جب اُن کی شادی ہوئی تو حضرت والا حضرت قبلہ عالمؒ کے عرس سے واپسی پر اُن کے ہاں تشریف لائے اور انہیں ایک تعویذ عطا فرما کر حکم دیا کہ یہ اپنی کلائی میں ڈال لو۔ جب بچہ پیدا ہو تو اسکے گلے میں ڈالنا انشاء اللہ نرینہ اولاد ہوگی چنانچہ یونہی کیا گیا اور ۱۲۴۲ھ میں اس کتاب کے ناچیز مصنف کی ولادت ایام عاشورہ میں جمعہ کی صبح ہوئی۔ کسی نے راقم کی تاریخ پیدائش ان الفاظ میں نکالی ہے: "زہے بخت ور زاد" ولادت کے بعد وہی تعویذ اتار کر میرے گلے میں پہنا دیا گیا جس کے طفیل میں ہر طرح کے مصائب و مشکلات سے محفوظ رہا۔

جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی تو حضرت خواجہ خدا بخش صاحبؒ حضرت قبلہ عالمؒ کے سالانہ عرس مبارک کے موقعہ پر تاج سرور (چشتیاں شریف) تشریف لائے۔ میرے والدِ ماجدؒ مجھے ساتھ لے کر آپ کی خدمت میں پہنچے تاکہ رسم بسم اللہ بزرگوں کی زبان سے ادا ہو۔ چنانچہ میں بروز دوشنبہ ۳ ذی الحجہ ۱۲۴۷ھ حضرت قبلہ عالمؒ کے حضور پیش کیا گیا۔ اس وقت مجلس میں سینکڑوں صلحاء و صوفیاء موجود تھے۔ اس موقعہ پر کسی شخص نے کہا کہ رسم بسم اللہ تو چہار شنبہ کو زیادہ مناسب ہے میرے والد صاحبؒ نے فرمایا کہ بدھ بدلتے رہتے ہیں اور آتے جاتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ جو مبارک محفل اس وقت موجود ہے شاید وہ پھر نصیب نہ ہو؟

میرے والد ماجدؒ نے مجھے حضرت قبلہ عالمؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت اس محفل میں حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ بھی موجود تھے۔ دنیائے روحانیت کے ان تمام آفتابوں کے سامنے حضرت خواجہ خدا بخش صاحبؒ نے بیعت لی۔ شیرینی دم کر کے دی اور اپنا لعاب دہن مجھ ناچیز کے منہ میں ڈالا۔ اس طرح رسم بسم اللہ ادا ہوئی۔ پھر ان تمام بزرگوں نے دعائے خیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بچے کو دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال

فرمائیے۔

جب میں سات سال کا تھا تو حضرت خواجہ خدا بخش صاحبؒ حضرت قبلہ عالمؒ کے عرس پر تشریف لائے۔ روضۂ انور کے زیرِ سایہ قیام کیا۔ اس موقع پر بندہ کو دوبارہ بیعت کا شرف نصیب ہوا۔ اور آپ کی بچی ہوئی لسّی بھی بطور تبرک مجھے نوش کرنے کی سعادت ملی۔ یہ بندۂ عاجز آج تک آپ کے انعامات و احسانات کا زیرِ بار ہے اور بفضلِ تعالیٰ ہر طرح کی نعمت سے مالا مال ہے۔ آپ کے وصال کے بعد ایک روز میں بے حد غمگین اور اداس تھا کہ حضرت کے وصال کے بعد ہم غریبوں کا کیا بنے گا؟ اسی رات جب کہ موسم سرما تھا میں لحاف لپیٹ کر سو گیا اچانک انہیں آنکھوں سے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ جن کا چہرہ بے حد نورانی اور پیشانی کشادہ ہے ہاتھ میں تسبیح لئے میری چارپائی کے قریب ساتھ والی چارپائی پر بیٹھے ہیں۔ ساتھ والی چارپائی پر کمرہ میں اندھیرا تھا اس لئے میں نے اُن کے چہرہ سے پھوٹنے والی روشنی میں اُن کا چہرۂ مبارک دیکھا۔ ڈر کر میں نے اپنے اوپر لحاف اوڑھ لیا۔ اس بزرگ نے بڑی شفقت سے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم "مایوس نہ ہو ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں"۔ چنانچہ مجھے تسلی ہو گئی۔ اور میں سو گیا۔

ایک مرتبہ میرے والد ماجد نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے مرشدؒ کی ایک امانت ہے تم میرے ہمراہ چلو تاکہ حضرت قبلہ عالمؒ کے حضور میں وہ امانت تمہارے حوالے کر دوں۔ چنانچہ میں نے تعمیل کی۔ ہم حضرت قبلہ عالمؒ کے حضور پہنچے تو میرے والد صاحبؒ ان کے مزار مبارک کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اپنے بالمقابل مجھے بٹھایا۔ اور روحانی فیوض سے بہرہ ور فرمایا۔ نیز کئی طرح کے وظائف کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ یہ تو تم نے مجھ سے لے لیا۔ لیکن خرقہ و خلعت تم اپنے مرشد پاکؒ سے حاصل کرو گے کیونکہ میں خلعت دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ میں سمجھا کہ والد ماجدؒ نے کسرِ نفسی کے طور پر یہ فرمایا ہے ورنہ عطا تو سب کچھ کر دیا ہے۔ اتفاق سے انہی دنوں دادی جان کا انتقال ہو گیا۔ میرے والد صاحبؒ خود تو تعزیت کی وجہ سے حاضری سے قاصر رہے۔

لیکن مجھے حضرت خواجہ خدابخش صاحبؒ کے عرس مبارک میں شرکت کے لیئے روانہ کیا۔
جب ختم شریف اور قضائے حاجات کی دعاؤں کے بعد لوگ روضہ شریف کے اندر گئے
تو میں بھی اندر گیا اور اپنے مرشد پاکؒ کی پائنتی کو بڑے ادب واحترام سے بوسہ دیا۔
وہاں حضرت والاؒ کا ایک خاص خادم اور عقیدتمند عبدالخالق خان افغانی موجود تھا۔ اس
نے ایک تھان زری کناری والی لنگی کا اور ایک عدد بڑا کوٹ اپنی بغل سے نکال کر مجھے
دیا۔ تمام موجود لوگوں نے "مبارک مبارک" کی آواز بلند کی اور مسرت کا اظہار کیا۔
میں جب فارغ ہوکر اپنے ڈیرے پر آیا تو خان موصوف نے بتلایا کہ دو تین سال
پہلے کی بات ہے کہ ایک رات ہمارے مرشد حضرت خواجہ خدابخش صاحبؒ کی خواب میں
زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا "عبدالخالق پہلے تم اس طرح کا ایک لباس ہمیں پیش کیا کرتے
تھے لیکن اب مدت ہوگئی تمہارا وہ معمول جاری نہیں رہا۔ اور وہ لباس ہمیں پیش
نہیں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے"؟ میں نے سوچا کہ حضرتؒ تو اس دنیا فانی سے رخصت
ہو چکے اب یہ لباس کیسے پیش کروں۔ میں سوچ میں تھا کہ آپ نے مجھے اپنی طرف
کھینچا اور فرمایا کہ "یہ لباس صاحبزادہ میاں غلام فرید جیو کو پہنچاؤ وہ ہم تک پہنچ جائے گا"۔
صبح ہوئی نیند سے بیدار ہوا تو سب سے پہلا یہی کام کیا کہ بازار جاکر خوبصورت لباس
خریدا اور آپ کے والد ماجد کے سامنے حاضر کیا اور انہوں نے کرم فرماتے ہوئے اسے
زیب تن فرمالیا۔ لیکن اب پچھلے دنوں حضرتؒ نے خواب میں یہ لباس آپ کے حوالے کرنے
کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا میں نے حضرتؒ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ لباس آپ کے سپرد
کردیا ہے۔ لہٰذا آپ مجھ پر اتنا کرم ضرور کریں کہ نظرِ عنایت رکھیں۔
میں نے خان موصوف کے لیئے دعا کی اور تسلی دی کہ تم ہمارے مرشد کے منظورِ
نظر ہو تمہیں ہمارے حق میں دعا کرنی چاہیئے۔ ہاں اگر پھر تمہیں حضرتؒ کی زیارت ہو تو
میری طرف سے عرض کرنا کہ آنجناب نے بندہ کو ظاہری نعمتوں سے تو مالا مال فرما ہی رکھا
ہے۔ خدارا اپنے باطنی فیوض سے بھی بندہ کو بہرہ ور فرمائیے۔
ایک دفعہ میں حضرت خدابخش صاحبؒ کے عرس شریف میں شرکت کے لئے گیا۔

جب عرس کی تمام تقریبات ختم ہو گئیں تو مجھے شدید بخار نے آلیا۔ اس لئے مجھے چند روز کے لئے مزید وہاں ٹھہرنا پڑا۔ ایک روز غلام محمد درویش نے درخواست کی کہ حضرت کوئی ایسا استخارہ بتلائیں جس کے کرنے سے حضرت والاؒ کی خواب میں زیارت ہو جائے۔ میں نے بتا دیا وہ چلا گیا اور اس نے میرے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق استخارہ کیا۔ لیکن زیارت کی سعادت حاصل نہ ہوئی۔ مگر مجھ ناچیز کو اسی رات حضرت والاؒ کی خواب میں زیارت ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؒ میرے سرہانے تشریف فرما ہیں اور بڑی شفقت سے گفتگو فرما رہے ہیں۔ لیکن جونہی آنکھ کھولی کہ حضرت کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ لوں تو آپ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ تو آپ نے دوبارہ باتیں شروع فرما دیں۔ اور کافی دیر تک اس ناچیز کے ساتھ گفتگو فرماتے رہے۔ میں اس سعادت پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں۔

کئی سال پہلے کا واقعہ ہے کہ میں بخار میں مبتلا ہو گیا۔ یہ بخار طویل ہوتا چلا گیا تاہم اس بیماری کے باوجود میں نے اپنے روحانی معمولات میں کسی قسم کا التوا اور کمی نہ آنے دی ان دنوں ایک درویش شیخ دین محمد میرے پاس "توفیقیہ" کا درس لیا کرتا تھا۔ جب اس کا سبق "انا احد" تک پہنچا تو بخار بگڑ کر تپ محرقہ بن گیا۔ جس نے میرے تمام ظاہری حواس معطل کر دیئے اور میں کتاب کا سبق دینے کے قابل نہ رہا۔

بیماری کی شدت کی وجہ سے میں مایوسی و ناامیدی کا شکار ہو گیا۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں زیادہ دن زندہ نہیں رہوں گا۔ تاہم سوچا کہ محبوب کی رضا جو بھی ہے اس پر شاکر رہوں۔ اس واقعہ پر ابھی ایک یا دو راتیں گذری تھیں کہ مجھے آپ کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے دالان (برآمدہ) میں فرش پر بیٹھا ہوں اور دین محمد کتاب سے سبق پڑھنا چاہتا ہے کہ اچانک مرشدی محبوب اللہ تشریف لاتے آپ کے چہرہ مبارک سے انوار الٰہیہ کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں چونکہ میں نے حضرت والاؒ کو بچپن میں دیکھا تھا اور اب کئی سال گذر چکے تھے اس لئے پہچان نہ سکا البتہ یہ ضرور یقین ہو گیا کہ یہ کوئی خدا رسیدہ شخصیت ہے چنانچہ میں ان کی تعظیم کے لئے اٹھا۔

قدم بوسی کی اور ادب و احترام سے آپ کے قدموں میں دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس درویش کو کس کتاب کا سبق دیا کرتے ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ "توفیقیہ شریف" کا درس لیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا وہی "توفیقیہ" جو ہماری تصنیف ہے۔ آپ کے اس جملہ سے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ حضرت خدا بخش صاحبؒ ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں!

حضرت صاحبؒ نے فرمایا کہ اس کتاب کو ذرا پڑھو تو سہی۔ میں نے عرض کیا میں نے اس کتاب کو کسی استاد سے درساً نہیں پڑھا۔ البتہ برکت کی خاطر پڑھ کر سبق دے دیا کرتا ہوں۔ آپ کی بڑی عنایت ہو گی اگر آپ ازراہ کرم اپنی زبان اقدس سے پڑھا دیں۔ تاکہ میں آپ کے فیوض اور روحانی برکات سے فیضیاب ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا نہیں! تم خود ہی اسے پڑھا دو چنانچہ میں نے حسب الحکم اسے خواب میں ہی "شغل انا احد" کا سبق دینا شروع کر دیا۔ جب میں نے اس کتاب کے کسی ایک موضوع کی تشریح اور وضاحت کی تو آپ مسکرائے۔ تاہم کسی نہ کسی طرح تعمیل ارشاد کی خاطر ایک ورق "توفیقیہ" کا پڑھا دیا۔

آپ نے ازراہ عنایت تین بار بڑی شفقت اور محبت سے اپنا ہاتھ میری پیٹھ پر پھیرا اور تین بار شاباش۔ شاباش۔ شاباش کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ آپ نے فرمایا ہماری اس کتاب کو پڑھانے کا حق تم نے ادا کیا ہے اور صحیح طور پر طالب علم کو اس کا مفہوم سمجھایا ہے۔ آپ کے ان الفاظ سے میرے دل میں قدرے تکبر پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے نور معرفت سے میرے اس تکبر اور خود ستائی کو محسوس فرمایا۔ میری جانب مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس کتاب کا ظاہری مفہوم تو وہی ہے جو تم نے طالب علم کو بتلایا ہے۔ البتہ اس کا ایک مفہوم باطنی بھی ہے جو اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک آدمی اس کے لئے باقاعدہ جدوجہد نہ کرے۔ آپ کے اس فرمان سے مجھے اپنے خیال پر بڑی ندامت محسوس ہوئی۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت اس کے ظاہری مفہوم کا علم تو آپ نے مجھے عطا فرما رکھا ہے۔ بندہ کو اس کا باطنی مفہوم بھی واضح فرما دیجئے۔ میری اس درخواست پر آپ قدرے چپ رہے پھر فرمانے لگے کہ وہ بھی ان شاء اللہ حاصل ہو جائے گا۔

میں جب نیند سے بیدار ہوا تو بالکل تندرست وصحت مند تھا۔ اور مجھ پر بخار کا کوئی ذرا اثر بھی باقی نہ تھا۔ موت کا خدشہ بھی مکمل طور پر کافور ہو چکا تھا۔ بلکہ وہی "شغل اناحد" بغیر سعی اور تفکر کے ذہن میں جانشین ہو گیا۔ الحمد للّٰہ علیٰ ذالک۔

اس طرح یہ ناچیز مصنف کئی بار سخت مشکلات میں پھنسا لیکن اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور حضرتؒ کی مدد سے ہر بار مصائب سے محفوظ رہا۔ آپ نے خواب میں جو وعدہ کیا تھا مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یاایها الذین امنوا اوفوا بالعقود" (اے مومنو! اپنے وعدوں کو ہمیشہ پورا کیا کرو) اور ویسے بھی مشہور ضرب المثل ہے کہ "سخی جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو لازماً پورا کرتا ہے" البتہ "کل امر مرہون باوقاتہٖ" (ہر کام کے لئے قدرت کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے۔)

"حضرت محبوب اللہؒ کے آخری ایام اور وصال"

آپ زندگی کے آخری حصہ میں اکثر اوقات استغراق کے عالم میں رہتے۔ چنانچہ ایک بار میرے دادا حضرت خواجہ نور احمدؒ نے حضرت خواجہ محمد سلیمانؒ سے دریافت کیا کہ حضرت خدابخش صاحبؒ نے کیا حالت بنا رکھی ہے حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "حضرت مولوی صاحب کے احوال کا کیا پوچھتے ہو۔ وہ ان دنوں جمع کے مقام پر ہیں۔ اسی وجہ سے تو انہوں نے کھانا ترک کر رکھا ہے۔ خدام بہت اصرار کرتے مگر آپ ہرگز نہ مانتے۔ کیوں کہ آپ کی غذا ان دنوں فقط "شغل الی اللہ" ہے۔ وہاں سے انہیں لمحہ بھر کی بھی فرصت ملے تو غذا کا خیال آئے۔ یا دیگر دنیاوی امور کی طرف متوجہ ہوں"۔

آپ کا وصال کا وقت جب قریب آیا تو آپ نے دیگر تمام معمولات چھوڑ کر صرف ذکر نفی واثبات پر اپنی توجہ مرتکز فرما دی۔ اس بات کے ہزاروں افراد گواہ ہیں کہ عالم نزع میں بھی آپ کی زبان پر صرف "لا الٰہ الا اللّٰہ" کا ذکر جاری تھا۔

حضرت خدابخش صاحبؒ نے خمیس کے دن، بوقت اشراق، یکم صفر ۱۲۵۰ھ کو اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف کوچ فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک خیر پور المعروف (ٹامیوالی) میں واقع ہے جو مرجع عوام وخواص ہے۔

اے میرے پروردگار! جنابِ رسالت مآب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کے صدقے، آپ کی آلِ ذی الافضال اور اصحاب واحباب کے وسیلہ سے اور جمیع خواجگانِ چشت اہلِ بہشت، جو سب کے سب دینِ حق کے ہادی اور راہنما ہیں، کی برکت سے ہم نیازمندوں کو مطلبِ اعلیٰ اور مقصدِ اقصیٰ تک پہنچا۔ اور اے میرے مولا! ہمارا انجام بخیر فرما۔

برحمتک یا ارحم الراحمین

آمین ثم آمین

فاضل مصنّف نے اسلاف کے معمول کے مطابق اپنی کتاب کا خاتمہ ایک نظم پر کیا ہے نظم اور ترجمہ درج ذیل ہے

لِلّٰہِ الحمد ہر سحر تا شام — داد مارا چنین خجستہ کلام
گر زبان بر تنم شود ہر مُو — نتوانم بیانِ نعمت اُو
ہر کس معترف بر عجز و قصور — ماعرفناک، کردہ اند ظہور
صلوات و سلام لاتحصیٰ! — باد بر احمدِ رسُول خدا
آنکہ لولاک، در حقش حق گفت — گوہر قاب قوسین، ہر ش سُفت
ہم با اولادِ او ذوی الامجاد — نیز اصحاب جملہ اہلِ رشاد
کہ ہمین نسخۂ عجیب و غریب — مشتمل بر عجایبِ ترتیب
متضمن قصائص و اعراس — مشعر جائے مولد و احراس
یک بیک از مشائخ عظام — شد ز دستِ امام بخش، تمام
گرچہ احوالِ شان بحر احوال! — جمع کردن تمام بود محال
لیک در قدرِ حسبِ طاقت خویش — کردہ ام جدّ و جہد از حد بیش
از کتب ہائے فاضلانِ جہاں — ہر چہ دریافتم چنین و چناں
ہم ز اربابِ اہلِ صدق و صفا — آنچہ بشنفتہ ام بسمع رضا
درج کردم دریں صحیفۂ چشت، — بود کہ گردد مرا نصیب بہشت
چشم دارم کہ محرمانِ طریق — بو شناسانِ گلشنِ تحقیق!
چوں بایں نسخہ مے کنند نگاہ — بہرہ یابند از یکایک شاہ
گر خطائے بود صحیح کنند — در قبیح او بود سلیح کنند
در حقِ عاجزِ فقیر و حقیر — غور بکنند از دعائے کثیر
تا شود محرم از حقیقتِ حال — حال او میشود مطابقِ قال
بہرہ یابد ازیں مشائخہا — حصّہ گرد ز نعمتِ عقبیٰ
بیست و ہشتم ز ماہِ حج رسید — روز آدینہ و بوقتِ سعید
مخزن الچشت کردہ ام نامش — فکر کردم بسالِ اتمامش
ہاتفم گفت از سرِ الہام — کہ "زہے نامۂ خجستہ کلام"

۱۲۷۷ھ

میں صبح و شام اس خالقِ کائنات کا شکر گذار ہوں کہ اُس نے ہم جیسے ناچیزوں کو قوتِ گویائی اور اظہارِ خیال کی توفیق مرحمت فرمائی۔ اس ارحم الرحمین نے اپنے حسن انعامات سے ہمیں سرفراز فرمایا میرے جسم کا ایک ایک رونگٹا زبان بن کر ان کا شکر ادا کرے تو حق ادا نہیں ہو سکتا۔ پوری بنی نوع انسان اس قادرِ مطلق کے حضور اپنے عجز و انکساری کی معترف ہے۔ جو نعمتیں اس پروردگار نے اپنے ان گناہگار بندوں پر کر رکھی ہیں ان سب کا اظہارِ تشکر بساطِ انسانی سے لاکھوں گنا زیادہ ہے۔

اللہ تعالےٰ کے بے شمار درود و سلام ہوں اس ذاتِ اقدس پر جن کا نامِ نامی احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس ذات کی عظمت واضح کرتے ہوئے خود مالکِ کائنات نے فرمایا کہ اگر میں نے تمہیں پیدا نہ کرنا ہوتا تو پھر اس کائنات کی تخلیق بھی نہ کرتا۔ وہ ذاتِ پاک تھی جو عرشِ معلیٰ تک جا پہنچی اور مالکِ حقیقی سے "قاب قوسین" کی حد تک ہم آغوش ہوئی۔

خدا کی لاکھوں رحمتیں نازل ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگ و برتر آل و اولاد پر اور اللہ کے بے شمار انعامات نصیب ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ پر جو پوری دنیا کے لئے رشد و ہدایت کے مینارہ ہیں۔

بندۂ عاصی امام بخش کی یہ کتاب ایک انوکھے اسلوب کی حامل ہے۔ میں نے اس میں بزرگانِ دین کے واقعات بھی بیان کئے ہیں اور ان بزرگوں کے عرسوں کی تفصیل بھی پیش کی ہے۔ اس تصنیف میں مشائخ کرام کے مولد و مدفن بھی بتا دیتے ہیں اور ان کی تاریخ ولادت و وصال کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ یہ درست ہے کہ جامع کمالات شخصیتوں کا مفصل ذکر امر محال ہے تاہم مجھ عاجز سے جو کچھ بن پڑا اور جہاں تک میری استطاعت تھی میں نے حتی الامکان اجمالی طور پر ان تمام تفصیلات کو یکجا کر دیا ہے۔

اس کتاب کے مواد کی خاطر مجھے سینکڑوں علماء کی تصانیف کو کھنگالنا پڑا اور صدہا صوفیاء کی خدمت میں حاضری دینا پڑی۔ تب کہیں جا کر یہ "صحیفہ چشت" مرتب ہوا۔ اس کتاب کی تالیف میں میرے سامنے قطعاً کوئی مالی یا دنیاوی مفاد نہیں ہے بلکہ

ایک ہی مقصد ہے کہ اس خدمت کے صدقے مجھ جیسے سیاہ کار کو بھی جنّت مل جائے۔

فنِ سیر و تاریخ کے فاضل محققین اور محرمانِ طریقت حضرات سے توقع رکھتا ہوں کہ اگر انہیں اس کتاب میں کوئی نا درست بات نظر آئے تو اسے ازراہِ کرم درست فرمادیں اور اگر کوئی غلط بات ان کی نظر سے گزرے تو بلا جھجک اس پر خطِ تنسیخ کھینچ دیں۔ قاری حضرات سے اس ناچیز مصنّف کی تو فقط ایک درخواست ہے کہ خدا کے لئے اس عاجز فقیر وحقیر کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

دربارِ ایزدی میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری گفتار کی طرح میرے کردار کو بھی قابلِ رشک بنا دے اور آخرت کی وہ نعمتیں جو میرے مشائخ عظام کو حاصل ہوں گی ان میں تھوڑا بہت حصّہ محمد عاجز کو بھی عطا ہو جائے۔

میں نے اس کتاب کا نام "مخزنِ چشت" تجویز کیا اور اس کی تصنیف کا کام جمعہ کے مبارک روز ۲۸ ذی الحجہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ جب میں نے اس کے سالِ تکمیل کے بارے میں غور و فکر کیا تو ہاتفِ غیبی نے الہام کے طور پر کہا کہ "زہے نامۂ خجستہ کلام" (۱۲۷۰ھ) اس کا سنِ تکمیل ہے۔

تمت: تمام شد بعون اللہ الملک المجید

(یہ تمام کام صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت ہی سے انجام پذیر ہوا ہے)

مخزنِ چشت

فارسی تصنیف

خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

سنہ ۱۲۷۷ھ

مکمل اُردو ترجمہ

سنہ ۱۴۰۹ھ

چشتیہ اکادمی

فیصل آباد۔ پاکستان